رسالہ

بارق النور فی مقادیر ماء الطھور

۱۳۲۷ھ

(نُور کی تابش، آبِ وضو وغسل کی مقدار میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو وغسل میں پانی کی کیا مقدار شرعاً معین ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

ہم قبل بیانِ احادیثِ صاع و مُد و رطل کی مقادیر بیان کریں کہ فہم معنی آسان ہو۔ صاع ایک پیمانہ ہے چار مُد کا، اور مُد کہ اُسی کو مَن بھی کہتے ہیں، ہمارے نزدیک دو رطل ہے، اور ایک رطل شرعی یہاں کے روپے سے چھتیس ۳۶ روپے بھر کہ رطل بیس ۲۰ استار ہے، اور اِستار ساڑھے چار مثقال، اور مثقال ساڑھے چار ماشے

ف: مثقال واِستار و رطل و مُد و صاع کا بیان۔

اور یہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے یعنی ڈھائی مثقال، تو رطل شرعی کہ نوّے ۹۰ مثقال ہوا، ڈھائی پر تقسیم کئے سے چھتیس ۳۶ آئے، تو صاع کہ ہمارے نزدیک آٹھ رطل ہے ایک سو اٹھاسی ۱۸۸ روپے بھر ہوا یعنی رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے ۹۶ روپے بھر کا ہے پُورا تین سیر، اور مُد تین ۳ پاؤ۔ اور امام ابویوسف و ائمۂ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ چار مُد کا ایک صاع ہے تو اُن کے نزدیک مُد ایک رطل اور ایک ثلث رطل ہُوا یعنی رامپوری سیر سے آدھ سیر اور صاع دو سیر۔ اس بحث کی زیادہ تحقیق فتاوائے فقیر سے کتاب الصوم وغیرہ میں ہے۔

اب حدیثیں سُنیے: صحیحین میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يغتسل بالصاع الٰى خمسة امداد ويتوضأ بالمد[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے نہاتے اور ایک مُد پانی سے وضو فرماتے۔

صحیح مسلم ومسند احمد وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ وشرح معانی الآثار امام طحاوی میں حضرت سفینہ اور مسند احمد وسنن ابی داؤد وابن ماجہ وطحاوی میں بسندِ صحیح حضرت جابر بن عبداللہ نیز انھیں کتب میں بطرقِ کثیرہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے۔

اکثر احادیث اسی طرف ہیں، اور انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث امام طحاوی کے یہاں یوں ہے:

كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء بالمد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳
صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ " " ۱/۱۴۹

[2] " " " " " " " " ۱/۱۴۹
سُنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب ما یجزئ من الماء فی الوضو آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳
مسند احمد بن حنبل عن جابر ۳/۳۰۳ وعن عائشہ رضی اللہ عنہا ۶/۲۴۹ المکتب الاسلامی بیروت
شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۶
سنن الترمذی باب فی الوضوء بالمد حدیث ۵۶ دار الفکر بیروت ۱/۱۲۲

یتوضأ من مد فیسبغ الوضوء وعسی ان یفضل منہ الحدیث۔[1]

تمام وکمال وضو وسعت وفراغت کے ساتھ فرمالیتے اور قریب تھا کہ کچھ پانی بچ بھی رہتا۔

اور ابویعلی وطبرانی وبیہقی نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ ضعیف روایت کیا:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ بنصف مُد۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نصف مُد سے وضو فرمایا۔

سنن ابی داؤد ونسائی میں ام عمارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ فاتی بماء فی اناء قدر ثلثی المد۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کے قدر پانی تھا۔

نسائی کے لفظ یہ ہیں:

فاتی بماء فی اناء قدر ثلث المد۔[4]

ایک برتن میں کہ دو ثلث مُد کے قدر تھا پانی حاضر کیا گیا۔

ابن خزیمہ وابن حبان وحاکم کی صحاح میں عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

انہ رای النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ بثلث مد۔[5] عہ

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک تہائی مُد سے وضو فرمایا۔

عہ ھکذا عزا لھم الزرقانی فی شرح المواھب وقد

عہ اسی طرح ان کے حوالے سے علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا اور (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۷۶

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر کتاب الطہارۃ باب مایکفی من الماء الخ دار الکتاب بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مایجزئ من الماء فی الوضوء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۳

[4] سنن النسائی 〃 باب القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للوضوء نور محمد کارخانہ، کراچی ۱/ ۲۴

[5] المستدرک للحاکم 〃 باب مایجزئ من الماء للوضوء دار الفکر بیروت ۱/ ۱۶۱

صحیح ابن خزیمہ 〃 باب الرخصۃ فی الوضوء الخ حدیث ۱۱۸ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۲

موارد الظمآن باب ماجاء فی الوضوء حدیث ۱۵۵ المطبعۃ السلفیۃ ص ۶۷

اقول احادیث سے ثابت ہے کہ وضو میں عادت کریمہ تثلیث تھی یعنی ہر عضو تین بار دھونا اور کبھی دو دو بار بھی اعضا دھوئے۔

رواہ البخاری عن عبد اللہ بن زید وابوداؤد والترمذی وصححہ وابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ مرتین مرتین[1]۔

اسے امام بخاری نے عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور ابوداؤد نے اور ترمذی نے بافادہ تصحیح، اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو میں دو دو بار اعضاء دھوئے۔(ت)

اور کبھی ایک ہی ایک بار دھونے پر قناعت فرمائی۔

رواہ البخاری والدارمی وابوداؤد والنسائی

اسے بخاری، دارمی، ابوداؤد، نسائی، طحاوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

احتاط فنص علی الضبط قائلا ثلث بالافراد[2] اھ ونقل البعض عن ابنی خزیمۃ وحبان بنحو ثلثی مد بالتثنیۃ وان الحافظ ابن حجر قال فی الثلث لم اجدہ کذا قال واللہ تعالٰی اعلم اھ ۱۲ منہ۔

براہ احتیاط رکھتے ہوئے ضبطِ لفظ کی صراحت کردی کہ ثُلث بصیغہ واحد ہے اھ۔ اور بعض نے ابن خزیمہ وابن حبان سے بصیغہ تثنیہ "بنحو ثلثی مد" (تقریباً دو تہائی مد) نقل کیا۔ اور یہ کہ حافظ ابن حجر نے لفظ "ثُلُث" سے متعلق کہا کہ میں نے اسے نہ پایا ـــــ انھوں نے ایسا ہی لکھا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء مرتین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷
سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ " " " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸
سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ما جاء فی الوضوء مرتین مرتین حدیث ۴۳ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۳
موارد الظمآن کتاب الطہارۃ " " " حدیث ۱۵۷ المطبعۃ السلفیہ ص ۶۷
[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الفصل الاول دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۲۵۱

والطحاوی وابن خزیمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال توضأ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرۃ مرۃ[1] و بمثلہ رواہ الطحاوی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وروی ایضا عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ مرۃ مرۃ[2] وعن ابی رافع رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ ثلثا ثلثا ورایتہ غسل مرۃ مرۃ۔[3]

اور ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت کیا انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو میں ایک ایک بار اعضاء دھوئے ۔ اور اسی کے مثل امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما سے بھی روایت کی۔ اور امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی روایت کی کہ انھوں نے فرمایا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ایک بار اعضا دھوئے ۔ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تین تین بار اعضائے وضو دھوئے اور یہ بھی دیکھا کہ سرکار نے ایک ایک بار دھویا۔ (ت)

غالباً جب ایک ایک بار اعضائے کریمہ دھوئے تہائی مُدپانی خرچ ہوا، اور دو دو بار میں دو تہائی، اور تین تین بار دھونے میں پُورا مُد خرچ ہوتا تھا۔

فان قلت لیس فی حدیث ام عمارۃ رضی اللہ

اگر یہ سوال ہو کہ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ تعالٰی عنھا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء مرۃ مرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷
سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ " " " " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸
سنن النسائی " " " " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۵
سنن الدارمی " " " " حدیث ۷۰۳ دار المحاسن للطباعۃ القاہرۃ ۱/ ۱۴۳
شرح معانی الآثار " باب الوضوء للصلوٰۃ مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸
صحیح ابن خزیمۃ کتاب الوضوء باب اباحۃ الوضوء مرۃ مرۃ حدیث ۱۷۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۸
[2] معانی الآثار کتاب الطہارۃ باب الوضوء للصلوٰۃ مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸
[3] " " " " " " "

تعالیٰ عنہا انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توضأ بثلثی مد انما فیہ اتی بماء فی اناء قدر ثلثی مد **قلت** لیس غرضہما منہ الابیان قدر ما توضأ بہ والا کان ذکر قدر الماء او الاناء فضلا لا طائل تحتہ علی انہا لم تذکر طلبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادۃ فافاد فحواہ انہ اجتزأ بہ ولعل ہذا ہو الباعث للعلامۃ الزرقانی اذ یقول فی شرح المواہب لابی داؤد عن ام عمارۃ انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توضأ بثلثی مد[1] اھ والا فلفظ ابی داؤد ما قد سقتہ لك۔

کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو تہائی مد سے وضو کیا اس میں صرف اتنا ہے کہ حضور کے پاس ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کی مقدار میں پانی تھا **قلتُ** (تو میں جواب دوں گا) اس سے ان صحابیہ کا مقصود یہی بتانا ہے کہ جتنے پانی سے حضور نے وضو فرمایا اس کی مقدار کیا تھی، اگر یہ نہ ہو تو پانی کی مقدار یا برتن کا تذکرہ بے فائدہ و فضول ٹھہرے گا۔ علاوہ ازیں انھوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزید طلب فرمایا تو مضمون حدیث سے مستفاد ہوکہ اتنی ہی مقدار پر سرکار نے اکتفا کی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اُمِّ عمارہ سے ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو تہائی مُد سے وضو فرمایا اھ۔ کیونکہ ابوداؤد کے الفاظ تو وہی ہیں جو میں نے پیش کیے (کہ سرکار نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کے قدر پانی تھا)۔

بالجملہ وضو میں کم سے کم تہائی مد عہ اور زیادہ سے زیادہ ایک مُد کی حدیثیں آئی ہیں اور حدیث ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

وضأت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ — انھوں نے ایک برتن کی طرف جس میں ایک مُد

عہ ایک حدیث موقوف میں چہارم مُد بھی آیا ہے کما سیأتی ۱۲ منہ۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۵۱

13 وسلم فی اناء نحو من ھذا الاناء وھی تشیر الی رکوۃ تاخذ مدا او ثلثا، رواہ سعید بن منصور فی سننہ وفی لفظ لبعضھم یکون مدا او مدا وربعا[1] واصل الحدیث عنھا فی السنن الاربعۃ۔

یا ایک مُد اور تہائی مد پانی آتا، اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح کے ایک برتن سے وضو کرایا۔ یہ حدیث سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ___ اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ اس میں ایک مُد یا سوا مُد پانی ہوگا ___ اور حضرت ربیّع سے اصل حدیث سنن اربعہ میں مروی ہے۔ (ت)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس برتن سے وضو فرمایا جس میں ایک مُد یا سوا مُد، اور دوسری روایت میں ایک تہائی یا ایک مُد اور تہائی مُد پانی تھا، تو یہ مشکوک ہے۔ اور شک سے زیادت ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں صحیحین وسنن ابی داؤد ونسائی وطحاوی میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایک حدیث یوں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتوضأ بمکوك ویغتسل بخمسۃ مکاکی۔[2]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مکوک سے وضو اور پانچ سے غسل فرماتے۔

مکوک^ف میں کیلہ ہے اور کیلہ نصف صاع تو مکوک ڈیڑھ صاع ہوا کما فی الصحاح والقاموس وغیرھما فی اقاویل اخر، اور ایک صاع کو بھی کہتے ہیں بعض علمائے حدیث میں یہی مراد لی تو وضو کے لئے چار مُد ہوجائیں گے مگر راجح یہ ہے کہ یہاں مکوک سے مُد مراد ہے جیسا کہ خود انھیں کی دیگر روایات میں تصریح ہے والروایات تفسر بعضھا بعضا (اور روایات میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے۔ ت)

ف: فائدہ مکوک اور کیلہ کا بیان

---

[1] کنز العمال بحوالہ ص حدیث ۲۶۸۳۷ و ۲۶۸۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۳۲ و ۳۳۳

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۹
سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مایجزیئ من الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۳
سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للوضوء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۴
شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۷

امام طحاوی نے فرمایا:

احتمل ان یکون اراد بالمکوک المد لانھم کانوا یسمون المد مکوکا۔[1]

یہ احتمال ہے کہ انھوں نے مکوک سے مُد مراد لیا ہو اس لئے کہ وہ حضرات مُد کو مکوک کہا کرتے تھے (ت)

نہایہ ابن اثیر جزری میں ہے:

اراد بالمکوک المد وقیل الصاع و الاول اشبہ لانہ جاء فی حدیث اٰخر مفسوابالمُد والمکوک اسم للمکیال و یختلف مقدارہ باختلاف اصطلاح الناس علیہ فی البلاد۔[2]

انھوں نے مکوک سے مُد مراد لیا ــ اور کہا گیا کہ صاع مراد لیا ــ اور اوّل مناسب ہے اس لئے کہ دُوسری حدیث میں اس کی تفسیر "مُد" سے آئی ہے ــ اور مکوک ایک پیمانے کا نام ہے۔ اس کی مقدار مختلف بلاد میں لوگوں کے عرف کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ (ت)

رہا غسل، اُس میں کمی کی جانب یہ حدیث ہے کہ صحیح مسلم میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

انھا کانت تغتسل ھی والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اناء واحد یسع ثلثۃ امداد اوقریبا من ذٰلک۔[3]

وہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن میں کہ تین مُد یا اس کے قریب کی گنجائش رکھتا نہا لیتے۔

اس کے ایک معنی یہ ہوتے ہیں کہ دونوں کا غسل اُسی تین مُد پانی سے ہوجاتا تو ایک غسل کو ڈیڑھ ہی مُد رہا، مگر علماء نے اسے بعید جان کر تین[3] توجیہیں فرمائیں:

اوّل یہ کہ یہ ہر ایک کے جُداگانہ غسل کا بیان ہے کہ حضور اُسی ایک برتن سے جو تین مُد کی قدر تھا غسل فرمالیتے اور اسی طرح میں بھی۔ ذکرہ الامام القاضی عیاض (یہ توجیہ امام قاضی عیاض نے ذکر فرمائی۔ ت)

فانقلت فعلی ھذا یضیع قولھا **اگر یہ سوال ہو کہ پھر تو ان کا** "ایک برتن میں"

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۷۷
[2] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب المیم مع الکاف تحت اللفظ مکک دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۹۸
[3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

فی اناء واحد فانما قصدھا بہ افادۃ اجتماعھا معہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الغسل من اناء واحد کما افصحت بہ فی الروایۃ الاخرٰی کنت اغتسل انا و رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اناء واحد تختلف ایدینا فیہ من الجنابۃ رواہ الشیخان[1]، وفی اخرٰی لمسلم من اناء بینی وبینہ واحد فیبادرنی حتی اقول دع لی[2]، وللنسائی من اناء واحد یبادرنی وابادرہ حتی یقول دعی لی وانا اقول دع لی[3]۔

کہنا بے کار ہو جاتا ہے کہ اس لفظ سے ان کا مقصد یہی بتانا ہے کہ وہ حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے ساتھ ایک برتن سے غسل کرتی تھیں، جیسا کہ دوسری روایت میں اسے صاف طور پر بیان کیا ہے: میں اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسلِ جنابت کیا کرتے اس میں ہمارے ہاتھ باری باری آتے جاتے ——— اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا —— اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے: ایک ہی برتن سے جو میرے اور ان کے درمیان ہوتا تو وہ مجھ پر سبقت فرماتے یہاں تک کہ میں عرض کرتی میرے لئے بھی رہنے دیجئے —— اور نسائی کی روایت میں یہ ہے: ایک ہی برتن سے، وہ مجھ سے سبقت فرماتے اور میں ان سے سبقت کرتی، یہاں تک کہ حضور فرماتے: میرے لئے بھی رہنے دو۔ اور میں عرض کرتی: میرے لئے بھی رہنے دیجئے۔ (ت)

ف: مسئلہ جائز ہے کہ زن وشوہر دونوں ایک برتن سے ایک ساتھ غسلِ جنابت کریں اگرچہ باہم ستر نہ ہو اور اُس وقت متعلق ضرورتِ غسل بات بھی کر سکتے ہیں مثلاً ایک سبقت کرے تو دوسرا کہے میرے لئے پانی رہنے دو۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الغسل باب ھل یدخل یدہ فی الاناء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰
صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸
[2] صحیح مسلم " " " " " " " " " " " "
[3] سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ذالک نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۴۷

قلت لایلزم ان لاترید بھذا اللفظ کلما تکلمت بہ الا ھذہ الافادۃ فقد ترید ھھنا ان ذلک الاناء الواحد کان یکفیہ اذا اغتسل ولایطلب زیادۃ ماء وکذلک انا اذا اغتسلت۔

میں جواب دوں گا ضروری نہیں کہ جب بھی وہ یہ لفظ بولیں تو انھیں یہی بتانا مقصود ہو، یہاں اُن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وہی ایک برتن جب حضور غسل فرماتے تو ان کے لئے کافی ہوجاتا اور مزید پانی طلب نہ فرماتے اور یہی حال میرا ہوتا جب میں نہاتی۔

دوم یہاں مُد سے صاع مراد ہے۔

قالہ ایضا وقالہ الی وفاق حدیث الفرق الاتی فانہ ثلثۃ اٰصع واقرہ النووی۔

یہ توجیہ بھی امام قاضی عیاض ہی نے پیش کی تاکہ اس میں اور اگلی حدیثِ فَرَق میں مطابقت ہوجائے کیوں کہ فَرَق تین صاع کا ہوتا ہے۔ امام نووی نے بھی اس توجیہ کو برقرار رکھا۔

اقول یہ اس کا محتاج ہے کہ مُد بمعنی صاع زبانِ عرب میں آتا ہو اور اس میں سخت تامل ہے، صحاح وصراح ومختار وقاموس وتاج العروس لغاتِ عرب ومجمع البحار ونہایہ ومختصر سیوطی لغاتِ حدیث وطلبۃ الطلبہ ومصباح المنیر لغاتِ فقہ میں فقیر نے اس کا پتا نہ پایا، اور بالفرض کہیں شاذونادر ورود ہو بھی تو اس پر حمل تجوز بے قرینہ سے کچھ بہتر نہیں۔

اما جعل امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز المد بثلثۃ امداد فحادث لایحمل علیہ کلام ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

لیکن یہ کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک مد تین مد کے برابر بنایا تو یہ بعد کی بات ہے، اس پر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کا کلام محمول نہیں ہوسکتا۔ (ت)

سوم یہ کہ حدیث میں زیادہ کا انکار نہیں، حضور و امّ المؤمنین معًا تین مُد سے نہائے ہوں اور جب پانی ختم ہوچکا اور زیادہ فرمالیا ہو،

ابداہ الامام النووی حیث قال یجوز ان یکون ھذا وقع

یہ توجیہ امام نووی نے پیش کی ان کے الفاظ یہ ہیں، ہوسکتا ہے یہ ایک وقت (مثلاً غسل شروع کرتے

ف: تطفل علی الامام القاضی عیاض والامام النووی۔

فی بعض الاحوال وزادا لما فرغ[1]

وقت) ہُوا ہو اور جب پانی ختم ہوگیا تو دونوں حضرات نے اور لے لیا ہو۔ (ت)

اقول یہ بھی بعید ہے کہ اس تقدیر پر ذکرِ مقدار عبث وبیکار ہوا جاتا ہے تو قریب تر وہی توجیہ اول ہے۔

وانا **اقول** لوحمل علی الاشتراک لم یمتنع فقد قدمنا روایۃ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ بنصف مُد وروی عن الامام محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال ان المغتسل لایمکن ان یعم جسدہ باقل من مد ذکرہ العینی فی العمدۃ[2] فافاد امکان تعمیم الجسد بمد فکان المجموع مدا ونصفا، واللہ تعالٰی اعلم۔

اور میں **کہتا ہُوں** اگر شرکت پر محمول کرلیا جائے تو بھی (اتنی مقدار سے دونوں حضرات کا غسل) محال نہیں، کیوں کہ یہ روایت ہم پیش کرچکے ہیں کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آدھے مُد سے وضو فرمایا ۔۔۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ایک مُد سے کم پانی ہو تو غسل کرنے والا پُورے بدن پر نہیں پہنچا سکتا ۔۔۔ اسے علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں ذکر کیا ۔۔۔ اس کلام سے مستفاد ہوا کہ ایک مُد ہو تو پورے بدن پر پہنچایا جاسکتا ہے تو کل ڈیڑھ مُد ہوا (آدھے سے وضو باقی سے اور تمام بدن ۔۔۔ اس طرح تین مُد سے دو کا غسل ممکن ہوا ۱۲م) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور جانبِ زیادت میں اُس قول کی تضعیف تو اوپر گزری کہ مکوک سے صاع مراد ہے جس سے غسل کے لئے پانچ صاع ہوجائیں، ہاں موطائے مالک وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن سے

ف: تطفل اخر علی الامام النووی۔

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء بالمد تحت الحدیث ۲۰۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۴۱

كان يغتسل من اناء واحد هو الفرق من الجنابة۔[1]

غسلِ جنابت فرماتے تھے اور وہ فَرَق تھا۔

فَرَق[ف۱] میں اختلاف ہے، اکثر تین[۳] صاع کہتے ہیں اور بعض دو صاع،

ففی الحدیث عند مسلم قال سفین والفَرَق ثلثة آصع[2] وكذلك هو نص الامام الطحاوی وقال النووی كذا قاله الجماهير[3] اھ قال العینی وقیل صاعان[4] اھ وقال الامام نجم الدین النسفی فی طلبة الطلبة هو اناء یاخذ ستة عشر رطلا[5] اھ وھکذا فی نهاية ابن الاثیر وصحاح الجوهری وکذا نقله فی الطلبة عن القتبی و نقل عن شرح الغریبین انه اثنا عشر مدا[6] اھ وقال ابوداؤد سمعت احمد بن حنبل یقول الفرق ستة عشر رطلا[7] ونقل الحافظ فی الفتح عن ابی عبدالله الاتفاق علیه وعلی انه

اس حدیث کے تحت امام مسلم کی روایت میں ہے کہ سفیان نے فرمایا فَرَق تین صاع ہوتا ہے ــــ یہی تصریح امام طحاوی نے فرمائی ــــ اور امام نووی نے فرمایا یہی جمہور کا قول ہے اھ ــــ علامہ عینی نے لکھا، اور کہا گیا کہ دو صاع اھ ــــ امام نجم الدین نسفی نے طلبۃ الطلبہ میں لکھا: یہ ایک برتن ہے جس میں سولہ[۶] رطل آتے ہیں اھ ــــ ایسے ہی نہایہ ابن اثیر اور صحاح جوہری میں ہے، اور اسی طرح اس کو طلبۃ الطلبہ میں قتبی سے نقل کیا ہے، اور شرح غریبین سے نقل کیا ہے کہ یہ بارہ[۱۲] مُد ہوتا ہے اھ ــــ اور ابوداؤد نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل سے سُنا کہ فَرَق سولہ[۱۶] رطل کا ہوتا ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابوعبداللہ سے اس پر اور اس پر کہ وہ تین صاع

ف: تطفل علی الامام القاضی عیاض

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مقدار الماء الذی یجزئ بہ الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

[3] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء الخ ″ ″ ″ ۱/۱۴۸

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل باب الغسل الرجل مع امرأتہ تحت الحدیث ۲۵۰ ۳/۲۹۰

[5] طلبۃ الطلبۃ کتاب الزکوٰۃ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ مکران بلوچستان ص ۱۹

[6] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

[7] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مقدار الماء الذی یجزئ بہ الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱

ثلثة أصع قال لعله يريد اتفاق اهل اللغة[1] اھ اقول ویتراءی لی ان لاخلف فان ستة عشر رطلا صاعان بالعراق وثلثة اصوع بالحجاز۔

ہوتا ہے اتفاق نقل کیا اور کہا شاید ان کی مراد یہ ہے کہ اہلِ لغت کا اتفاق ہے اھ۔ **اقول** اور میرا خیال ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ سولہ رطل دو صاع عراقی اور تین صاع حجازی کے برابر ہوتا ہے۔(ت)

امام نووی اس حدیث سے یہ جواب دیتے ہیں کہ پورے فَرَق سے تنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا غسل فرمانا مراد نہیں کہ یہی حدیث صحیح بخاری میں یُوں ہے:

کنت اغتسل انا والنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من اناء واحد من قدح یقال له الفرق۔[2]

میں اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے وہ ایک قدح تھا جسے فَرَق کہتے۔

اقول یہ لفظ اجتماع میں نص نہیں،[ف]

کما قدمنا فلا ینبغی الجزم بان الافراد غیر مراد بل لقائل ان یقول مخرج الحدیث الزھری عن عروۃ عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا فروی عن الزھری مالك ومن طریقه مسلم وابوداؤد باللفظ الاول[3] وابن

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ تو اس پر جزم نہیں کرنا چاہئے کہ تنہا غسل فرمانا مراد نہیں۔ بلکہ کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے راوی امام زہری ہیں جنھوں نے حضرت عروہ سے انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی۔ پھر امام زہری سے امام مالک نے اور ان ہی کی سند سے امام مسلم اور ابوداؤد

ف: تطفل ثالث علی الامام النووی۔

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل تحت الحدیث ۲۵۰ دار الکتب العلمیہ ۲/۳۲۶

[2] صحیح البخاری " " " " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۹

[3] مؤطا امام مالک کتاب الطہارۃ العمل فی غسل الجنابۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۲

صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مقدار الماء الذی یجزئ بہ الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱

ابی ذئب عند البخاری
والطحاوی باللفظ الثانی[1]
تابعہ معمر و ابن جریج
عند النسائی[2] وجعفر بن برقان
عند الطحاوی[3] و روی عنہ
اللیث عند النسائی و سفین
بن عیینۃ عندہ و عند
مسلم بلفظ کان رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ و
سلم یغتسل فی القدح
وھو الفرق وکنت اغتسل
انا وھو فی الاناء الواحد و لفظ
سفین من اناء واحد[4] فیشبہ
ان تکون ام المؤمنین رضی اللہ
تعالٰی عنہا اتت بحدیثین
اغتسالہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم من الفَرَق
واغتسالھما من اناء واحد
فاقتصر منھما مالک علی الحدیث
الاول وجمع بینھما ابن ابی ذئب

نے پہلے الفاظ میں روایت کی (کان یغتسل
من اناء واحد ھو الفرق)، اور امام بخاری
وامام طحاوی کی روایت میں امام زہری سے
ابن ابی ذئب نے بلفظ دوم روایت کی (کنت
اغتسل انا والنبی الخ) ابن ابی ذئب کی متابعت
امام نسائی کی روایت میں معمر اور ابن جریج نے، اور
امام طحاوی کی ایک روایت میں جعفر بن برقان نے
کی — اور نسائی کی تخریج پر امام زہری سے امام
لیث نے اور نسائی ومسلم کی تخریج میں ان سے امام
سفین بن عیینہ نے ان الفاظ سے روایت کی :
رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک قدح
میں غسل فرماتے اور وہ فرق ہے — اور میں
اور حضور ایک برتن میں غسل کرتے — امام سفین
کے الفاظ ہیں: "ایک برتن سے" غسل کرتے۔
تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ تعالٰی
عنہا نے دو حدیثیں روایت کیں ایک حضور صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کے فَرَق سے غسل فرمانے
سے متعلق اور ایک دونوں حضرات کے ایک برتن
سے غسل فرمانے سے متعلق — تو امام مالک نے
دونوں حدیثوں میں سے صرف پہلی حدیث ذکر کی۔

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۶
[2] سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب ذکر الدلالۃ علی انہ لاوقت فی ذلک نور محمد کارخانہ کراچی ۱/ ۴۷
[3] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۶
[4] صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

ومتابعوه واقی بهما سفیٰن و واللیث مفصلین ، والله تعالٰی اعلم۔

اور ابن ذئب اور ان کی متابعت کرنے والے حضرات (معمر، ابن جریج) نے دونوں حدیثوں کو ملا دیا۔ اور سفیان ولیث نے دونوں کو الگ الگ بیان کیا۔ اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔(ت)

امام طحاوی فرماتے ہیں: حدیث میں صرف برتن کا ذکر ہے کہ اس ظرف سے بہاتے، بھرا ہونا نہ ہونا مذکور نہیں۔

اقول صرف برتن کا ذکر قلیل الجدوی ہے اُس سے ظاہر مفاد وہی مقدار آب کا ارشاد ہے خصوصاً حدیث لیث وسفیٰن میں لفظ فی سے تعبیر کہ ایک قدح میں غسل فرماتے اذ من المعلوم ان لیس المراد الظرفیۃ (اس لئے کہ معلوم ہے کہ ظرفیت (قدح کے اندر غسل کرنا) مراد نہیں۔ ت) اور حدیث مالک میں لفظ واحد کی زیادت اذ من المعلوم ان لیس المراد نفی الغسل من غیرہ قط (کیونکہ معلوم ہے کہ یہ مراد نہیں کہ اس کے علاوہ کسی برتن سے کبھی غسل نہ کیا۔ ت) بہرحال اس قدر ضرور ہے کہ حدیث اس معنی میں نص صریح نہیں زیادت کا صریح نص اُسی قدر ہے جو حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گزرا کہ پانچ مُد سے غسل فرماتے، اور پھر بھی اکثر واشہر وہی وضو میں ایک مُد اور غسل میں ایک صاع ہے، اور احادیث کے ارشادات قولیہ تو خاص اسی طرف ہیں، امام احمد وابوبکر بن ابی شیبہ و

ف: تطفل ما علی الامام السید الاجل الطحاوی۔

ع۵ زعم شیخ الوھابیۃ الشوکانی ان الحدیث اخرجہ ایضا ابوداؤد و ابن ماجۃ بنحوہ **اقول** کذب[ف1] علی ابی داؤد واخطاء[ف2] علی ابن ماجۃ فان اباداؤد لم یخرجہ اصلا انما عندہ عن جابر کان النبی

ع۵ پیشوائے وہابیہ شوکانی کا زعم ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا اور اسی کے ہم معنی ابن ماجہ نے بھی۔ **اقول** اس نے ابوداؤد کی طرف تو جھوٹا انتساب کیا اور ابن ماجہ کی طرف نسبت میں خطا کی۔۔ اس لئے کہ ابوداؤد نے سرے سے اسے روایت ہی نہ کیا۔ ان کی روایت

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف1: رد علی الشوکانی ف2: رد اخر علیہ

عبد بن حمید و اثرم و حاکم و بیہقی جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

یجزئ من الغسل الصاع ومن الوضوء المد[1]
غسل میں ایک صاع اور وضوء میں ایک مُد کفایت کرتا ہے۔

ابن ماجہ سنن میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

یجزئ من الوضوء مُد ومن الغسل صاع[2]
وضو میں ایک مُد، غسل میں ایک صاع کافی ہے۔

طبرانی معجم اوسط میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغتسل بالصاع ویتوضأ بالمد[3] وابن ماجۃ لم یخرجہ عن جابر بن عبد اللہ بل عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اھ منہ۔

حضرت جابر سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک صاع سے غسل فرماتے اور ایک سے وضو فرماتے ــــ اور ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت نہ کی بلکہ عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابو طالب سے روایت کی۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ مایجزئ من الماء للوضوء الخ دار الفکر بیروت ۱/۱۶۱
السنن الکبرٰی " باب استحباب ان لاینقص فی الوضوء الخ دار صادر بیروت ۱/۱۹۵
مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۳۷۰
المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الطہارات باب فی الجنب کم یکفیہ الخ حدیث ۷۰۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۶
[2] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارات باب ماجاء فی مقدار الماء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴
[3] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مایجزئ من الماء فی الوضوء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳

فذکر مثل حدیث عقیل غیرانه قال فی مکان من فی الموضعین[1]

اس کے بعد حدیث عقیل ہی کے مثل ذکر کیا فرق یہ ہے کہ دونوں جگہ "من" کے بجائے "فی" کہا۔ (ت)

امام احمد[ع] انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یکفی احدکم مد من الوضوء[2]۔

تم میں سے ایک شخص کے وضوء کو ایک مُد بہت ہے۔

ابونعیم معرفۃ الصحابہ میں ام سعد بنت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الوضوء مد والغسل صاع[3]۔

وضو ایک مُد اور غسل ایک صاع ہے۔

اقول اب یہاں چند امر تنقیح طلب ہیں:

امر اوّل صاع اور مُد باعتبار وزن مراد ہیں یعنی دو اور آٹھ رطل وزن کا پانی ہو کہ رامپور کے سیر سے وضو میں تین پاؤ اور غسل میں تین سیر پانی ہوا، اور امام ابو یوسف و ائمہ ثلثہ کے طور پر وضو میں آدھ سیر اور غسل میں دو سیر، اور جانب کمی وضو میں پونے تین چھٹانک سے بھی کم اور غسل میں ڈیڑھ ہی سیر، یا باعتبار کیل و پیمانہ یعنی اتنا پانی کہ ناج کے پیمانہ مُد یا صاع کو بھر دے، ظاہر ہے کہ پانی ناج سے

ع وعزاه الامام الجلیل فی الجامع الصغیر لجامع الترمذی بلفظ یجزئ فی الوضوء رطلان من ماء[4]، قال المناوی واسنادہ ضعیف[5] اھ لکن العبد الضعیف لم یرہ فی ابواب الطهارة من الجامع فالله تعالٰی اعلم ۱۲ منه۔

ع یہ حدیث امام جلال الدین سیوطی نے جامع ترمذی کے حوالے سے ان الفاظ سے جامع صغیر میں ذکر کی ہے: وضو میں دو رطل پانی کافی ہے۔ علامہ مناوی نے کہا اس کی سند ضعیف ہے اھ۔ لیکن میں نے جامع ترمذی کے ابواب الطہارہ میں یہ حدیث نہ پائی، فاللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۷۵۵۱ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/۲۷۳
[2] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۲۶۴
[3] تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر کتاب الطہارۃ حدیث ۱۹۴ باب الغسل دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۸۶
[4] الجامع الصغیر بحوالہ ت حدیث ۹۹۷۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۸۹
[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث یجزئ فی الوضوء الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۵۰۷

بھاری ہے تو پیمانہ بھر پانی اُس پیمانے کے رطلوں سے وزن میں زائد ہوگا کلماتِ ائمہ[ف] میں معنیٰ دوم کی تصریح ہے اور اسی طرف بعض روایاتِ احادیث ناظر۔ امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

باب الغسل بالصاع ای بالماء قدر ملءِ الصاع[1]۔

باب الغسل بالصاع یعنی اتنے پانی سے غسل جس سے صاع بھر جائے۔ (ت)

امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

المراد من الروایتین ان الاغتسال وقع بملءِ الصاع من الماء[2]۔

دونوں روایتوں سے مراد یہ ہے کہ غسل پانی کی اتنی مقدار سے ہوا جس سے صاع بھر جائے (ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

ای بالماء الذی ھو قدر ملءِ الصاع[3]۔

یعنی اتنے پانی سے غسل جو صاع بھرنے کے بقدر ہو۔ (ت)

نیز عمدۃ القاری میں حدیثِ طحاوی مجاہد سے باین الفاظ ذکر کی:

قال دخلنا علی عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فاستسقی بعضنا فاُتی بعس، قالت عائشۃ کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغتسل بملءِ ھذا، قال مجاھد فحزرتہ فیما احزر ثمانیۃ ارطال، تسعۃ ارطال، عشرۃ ارطال، قال و اخرجہ النسائی حزرتہ ثمانیۃ

مجاہد نے کہا ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے یہاں گئے تو ہم میں سے کسی نے پانی مانگا۔ ایک بڑے برتن میں لایا گیا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس برتن بھر پانی سے غسل فرماتے تھے۔ امام مجاہد نے کہا، میں نے اندازہ کیا تو وہ برتن آٹھ رطل، یا نو رطل، یا دس رطل کا تھا۔ امام عینی نے کہا: یہ حدیث امام نسائی نے روایت کی تو اس میں یہ ہے کہ میں نے اسے آٹھ رطل کا

ف: تطفل علی العلامۃ علی القاری۔

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل باب الغسل بالصاع دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۹۱

[2] فتح الباری " " " " " تحت الحدیث ۲۵۱ " " ۲/ ۳۲۷

[3] ارشاد الساری " " " " دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۹۰

اس طال[1] ای من دون شك۔ اندازہ کیا۔یعنی اس روایت میں بغیر شک کے ہے (ت)

اقول ظاہر ہے کہ پیمانے ناج کے لئے ہوتے ہیں پانی مکیل نہیں کہ اس کے لئے کوئی مُد وصاع جُدا موضوع ہوں بل نص علماؤنا انه قیمی فاذن لا ھو مکیل ولا موزون (بلکہ ہمارے علماء نے تو تصریح فرمائی ہے کہ پانی قیمت والی چیزوں میں ہے جب تو وہ نہ مکیل ہے نہ موزون۔ت) تو اندازہ نہ بتایا گیا مگر انھیں مُد وصاع سے جو ناج کے لئے تھے اور کسی برتن سے پانی کا اندازہ بتایا جائے تو اس سے یہی مفہوم ہوگا کہ اس بھر پانی نہ یہ کہ اس برتن میں جتنا ناج آئے اس کے وزن کے برابر پانی۔

وھذا ظاھر جدا فاندفع ما وقع للعلامة علی القاری فی المرقاة شرح المشکوٰة حیث قال تحت حدیث انس کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع المراد بالمد والصاع وزنا لا کیلا[2] اھ فھذا قیله من قبله لم یستند فیه لدلیل ولا قیل لاحد قبله واسمعناك نصوص العلماء والحجة الزھراء۔

اور یہ بہت واضح ہے تو وہ خیال دفع ہوگیا جو علامہ علی قاری سے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں واقع ہوا کہ انھوں نے حضرت انس کی حدیث "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے غسل فرماتے" کے تحت لکھا کہ مُد اور صاع سے مراد اتنے وزن بھر پانی ہے اتنے ناپ بھر نہیں اھ۔یہ ضعیف قول خود ان کا ہے جس پر نہ تو انھوں نے کسی دلیل سے استناد کیا نہ اپنے پہلے کے کسی شخص کے قول سے استناد کیا۔ اور علماء کے نصوص اور روشن دلیل ہم پیش کرچکے۔

فان قلت الیس قد قال انس رضی الله تعالٰی عنه کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یتوضأ برطلین و یغتسل بالصاع، رواہ الامام الطحاوی[3]۔

اگر سوال ہو کہ کیا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم دو رطل سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے غسل فرماتے۔اسے امام طحاوی نے روایت

ف: تطفل اٰخر علیه

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل باب الغسل بالصاع دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲۹۲

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تحت حدیث ۴۳۹ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/۱۴۳

[3] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۷۷

والرطل من الوزن۔

قلت المراد بالرطلین ھو المُد بدلیل حدیثہ المذکور سابقا والاحادیث یفسر بعضھا بعضا بل قد اخرج الامام الطحاوی عنہ رضی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتوضأ بالمُد وھو رطلان[1] فاتضح المراد وبھذا استدل ائمتنا علی ان الصاع ثمانیۃ ارطال ولذا قال الامام الطحاوی بعد اخراجہ الحدیث الذی تمسکت بہ فی السؤال فھذا انس قد اخبر ان مُد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رطلان والصاع اربعۃ امداد فاذا ثبت ان المد رطلان ثبت ان الصاع ثمانیۃ ارطال[2] اھ فقد جعل معنی قولہ توضأ برطلین توضأ بالمد وھو رطلان کما افصح بہ فی الروایۃ الاخری علی ان الرطل مکیال ایضا کما نص علیہ فی المصباح المنیر[3]، واللہ تعالٰی اعلم۔

کیا۔ اور رطل ایک وزن ہے۔

میں کہوں گا دو رطل سے وہی مُد مراد ہے، جس پر دلیل خود انہی کی حدیث ہے جو پہلے ذکر ہوئی۔ اور احادیث میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے بلکہ امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے وضو فرماتے اور وہ دو رطل ہے۔ تو مراد واضح ہوگئی۔ اور اسی سے ہمارے ائمہ نے صاع کے آٹھ رطل ہونے پر استدلال کیا ہے اور اسی لئے امام طحاوی نے سوال میں تمہاری پیش کردہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: یہ حضرت انس ہیں جنھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مُد دو رطل تھا اور صاع چار مُد کا ہوتا ہے تو جب یہ ثابت ہوگیا کہ مُد دو رطل ہے تو یہ بھی ثابت ہُوا کہ صاع آٹھ رطل ہے اھ۔ تو امام طحاوی نے "توضأ برطلین" (دو رطل سے وضو فرمایا) کا معنی یہ ٹھہرایا کہ توضأ بالمُد وھو رطلان (ایک مُد سے وضو فرمایا اور وہ دو رطل ہے) جیسا کہ دوسری روایت میں اسے صاف بتایا۔ علاوہ ازیں رطل ایک پیمانہ بھی ہے جیسا کہ مصباح منیر میں اس کی صراحت کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] و [2] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی ۱/ ۳۷۷

[3] المصباح المنیر کتاب الراء تحت لفظ "رطل" منشورات دار الہجرۃ قم ایران ۱/ ۲۳۰

امر دوم غسل میں کہ ایک صاع بھر پانی ہے اس سے مراد مع اُس وضو کے ہے جو غسل میں کیا جاتا ہے یا وضو سے جدا، امام اجل طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے معنیٰ دوم پر تنصیص فرمائی اور وہ جو اکثر احادیث میں ایک صاع اور حدیثِ انس میں پانچ مُد ہے اُس میں یہ تطبیق دی کہ ایک مُد وضو کا اور ایک صاع بقیہ غسل کا، یُوں غسل میں پانچ مُد ہوئے۔ حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ یغتسل بخمس مکاکی روایت کرکے فرماتے ہیں:

یکون الذی کان یتوضأ بہ مُدا ویکون الذی یغتسل بہ خمسۃ مکاکی یغتسل باربعۃ منہا وھی اربعۃ امداد وھی صاع ویتوضأ باٰخر وھو مُد فجمع فی ھذا الحدیث ما کان یتوضأ بہ للجنابۃ وما کان یغتسل بہ لہا[1] وافرد فی حدیث عتبۃ (یعنی الذی فیہ الوضوء بمُد والغسل بصاع) ما کان یغتسل بہ لہا خاصۃ دون ما کان یتوضأ بہ[2] اھ۔

جتنے پانی سے وضو فرماتے وہ ایک مُد ہوگا اور جتنے سے غسل فرماتے وہ پانچ مکوک ہوگا — چار مکوک — وہی چار مُد اور چار مُد ایک صاع — سے غسل فرماتے۔ اور باقی ایک مکوک — ایک مُد — سے وضو فرماتے۔ تو اس حدیث میں جتنے سے جنابت کا غسل و وضو فرماتے دونوں کو جمع کردیا۔ اور حدیثِ عتبہ میں (یعنی جس میں یہ ہے کہ ایک مُد سے وضو اور ایک صاع سے غسل) صرف اس کو بیان کیا جس سے غسل فرماتے، اُس کو ذکر نہ کیا جس سے وضو فرماتے اھ۔

اقول لکن حدیثہ یغتسل بالصاع الی خمسۃ امداد لیس فی التوزیع بل فی التنویع کما لایخفی ای ان الغسل نفسہ کان تارۃ باربعۃ وتارۃ بخمسۃ سواء ارید بہ اسالۃ الماء علی سائر البدن وحدہا

اقول لیکن حضرت انس کی یہ حدیث کہ حضور ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے غسل فرماتے، بیان تقسیم میں نہیں بلکہ بیان تنویع میں ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں — یعنی خود غسل ہی کبھی چار مُد سے ہوتا اور کبھی پانچ مُد سے ہوتا خواہ اس سے صرف پُورے بدن پر پانی بہانا مراد لیں یا اس کے

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲۲

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

او مع الوضوء۔ ساتھ وضو بھی ملالیں۔ (ت)

امرسوم یہ صاع کس ناج کا تھا، ظاہر ہے کہ ناج ہلکے بھاری ہیں، جس پیمانے میں تین سیر جَو آئیں گے گیہوں تین سیر سے زیادہ آئیں گے اور ماش اور بھی زائد۔ ابوشجاع ثلجی نے صدقہ فطر میں ماش یا مسور کا پیمانہ لیا کہ ان کے دانے یکساں ہوتے ہیں تو ان کا کیل و وزن برابر ہوگا بخلاف گندم یا جَو کہ اُن میں بعض کے دانے ہلکے بعض کے بھاری ہوتے ہیں، تو دو۲ قسم کے گیہوں اگرچہ ایک ہی پیمانے سے لیں وزن میں مختلف ہوسکتے ہیں اور اسی طرح جَو۔ درمختار میں اسی پر اقتصار کیا اور امام صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں فرمایا کہ احوط کھرے گیہوں کا صاع ہے۔ اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں جَو کا صاع احوط بتایا اور حاشیہ زیلعی للسید محمد امین میرغنی سے نقل کیا:

ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلھم من مشائخھم وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر[1]

یعنی حرم مکہ میں ہمارے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ اس پر ہیں کہ آٹھ رطل جَو سے صاع کا اندازہ کیا جائے اور اکابر اسی پر فتوٰی دیتے تھے۔

اقول ظاہر ہے کہ صاع اُس ناج کا تھا جو اُس زمان برکت نشان میں عام طعام تھا اور معلوم ہے کہ وہاں عام طعام جَو تھا گیہوں کی کثرت زمانہ امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہوئی۔ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

لما کثر الطعام فی زمن معٰویۃ جعلوہ مدین من حنطۃ[2]

جب حضرت معاویہ کے زمانے میں طعام کی فراوانی ہوئی تو اسے گیہوں کے دو۲ مُد ٹھہرائے (ت)

ف: مسئلہ زیادہ احتیاط یہ ہے کہ صدقہ فطر و فدیہ روزہ ونماز و کفارہ قسم وغیرہ میں نیم صاع گیہوں جَو کے پیمانے سے دئے جائیں یعنی جس برتن میں ایک سو چوالیس ۱۴۴ روپے بھر جَو ٹھیک ہموار سطح سے آجائیں کہ نہ اُونچے رہیں نہ نیچے، اُس برتن بھر کر گیہوں کو ایک صدقہ سمجھا جائے، ہم نے تجربہ کیا پیمانہ نیم صاع جَو میں بریلی کے سیر سے کہ سَو روپیہ بھر کا ہے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر گیہوں آتے ہیں فی کس اتنے دئے جائیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۷

[2] شرح معانی الآثار " باب مقدار صدقۃ الفطر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۷۲

14

شرح صحیح مسلم امام نووی میں ہے:

الطعام فی عرف اھل الحجاز اسم للحنطۃ خاصۃ[1] طعام اہلِ حجاز کے عرف میں صرف گیہوں کا نام ہے۔(ت)

صحیح ابن خزیمہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے:

قال لم تکن الصدقۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا التمر والزبیب والشعیر ولم تکن الحنطۃ[2]۔ فرمایا، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں صدقہ کھجور، خشک انگور اور جَو سے دیا جاتا اور گیہوں نہ ہوتا۔

صحیح بخاری شریف میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان طعامنا یومئذ الشعیر[3]الخ۔ ہمارا طعام اُس وقت جَو تھا۔(ت)

اور اس سے قطع نظر بھی ہو تو شک نہیں کہ مُد و صاع کا اطلاق مُد و صاع شعیر کو بھی شامل، تو اس پر عمل ضرور اتباعِ حدیث کی حد میں داخل۔

فقیر نے ۲۷ ماہ مبارک رمضان ۱۳۰۰ھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا جو ٹھیک چار رطل جَو کا پیمانہ تھا اس میں گیہوں برابر ہموار مسطح بھر کر تولے تو تین رطل کو پانچ رطل آئے یعنی ایک سو چوالیس ۱۴۴ روپے بھر جَو کی جگہ ایک سو پچھتر ۱۷۵ روپے آٹھ آنے بھر گیہوں کہ بریلی کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر ہوئے۔ یہ محفوظ رکھنا چاہئے کہ صدقۂ فطر و کفارات و فدیۂ صوم و صلوٰۃ میں اسی اندازہ سے گیہوں ادا کرنا احوط وانفع للفقرا ہے اگرچہ اصل مذہب پر بریلی کی تول سے چھ۶ روپے بھر کم ڈیڑھ سیر گیہوں ہیں پھر اُسی پیمانے میں پانی بھر کر وزن کیا تو دو سو چودہ ۲۱۴ روپے بھر ایک دوانی کم آیا کہ کچھ کم چھ۶ رطل ہوا تو تنہا وضو[ف] کا پانی رامپوری سیر سے تقریباً آدھ پاؤ سیر ہوا اور باقی غسل کا قریب ساڑھے چار سیر کے، اور مجموع غسل کا چھٹانک اوپر ساڑھے پانسیر

ف: مسئلہ تنہا وضو کا مسنون پانی رامپوری سیر سے کہ چھیانوے ۹۶ روپے بھر کا ہے تقریباً آدھ پاؤ اوپر سیر بھر ہے اور باقی غسل کا ساڑھے چار سیر کے قریب، مجموع غسل کا چھٹانک اوپر ساڑھے پانسیر سے کچھ زیادہ۔

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوٰۃ باب الامر باخراج زکوٰۃ الفطر الخ تحت حدیث ۲۲۵۴ دارالفکر بیروت ۴/ ۲۷۳۲

[2] صحیح ابن خزیمۃ باب الدلیل علی ان الامر الخ حدیث ۲۴۰۶ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۸۵

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ قبل العید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۴ و ۲۰۵

سے کچھ زیادہ۔

یہ بحمد اللہ تعالٰی قریبِ قیاس ہے بخلاف اس کے اگر تنقیحاتِ مذکورہ نہ مانی جائیں تو مجموع غسل کا پانی صرف تین سیر رہتا ہے۔ اور امام ابو یوسف کے طور پر دو ہی سیر، اُسی میں وضو اُسی میں غسل، اور ہر عضو پر تین تین بار پانی کا بہانا سخت دشوار بلکہ بہت دُور از کار ہے۔

فائدہ ف۱ اُن پانیوں کے بیان میں جو اس حساب سے جُدا ہیں،

(۱) آبِ استنجا — ہمارے ف۲ علماء نے وضو کی تقسیم یُوں فرمائی ہے کہ آدمی موزوں پر مسح کرے اور استنجے کی حاجت نہ ہو تو نیم مُد پانی کافی ہے اور موزے اور استنجا دونوں ہوں یا دونوں نہ ہوں تو ایک مُد اور موزے نہ ہوں اور استنجا کرنا ہو تو ڈیڑھ مُد۔ حلیہ میں ہے،

روی الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الوضوء ان کان متخففا ولایستنجی کفاہ رطل لغسل الوجہ والیدین ومسح الراس والخفین وان کان یستنجی کفاہ رطلان رطل للاستنجاء ورطل للباقی وان لم یکن متخففا ویستنجی کفاہ ثلثۃ ارطال رطل للاستنجاء ورطل للقدمین ورطل للباقی[1]

امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وضو کے بارے میں روایت کی ہے کہ اگر موزے پہنے ہیں اور استنجا نہیں کرنا ہے تو چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے دھونے اور سر اور موزوں کے مسح کے لئے ایک رطل کافی ہے۔ اور اگر استنجا بھی کرنا ہے تو دو رطل — ایک رطل استنجا کے لئے اور ایک رطل باقی کے لئے — اور اگر موزے نہیں ہیں اور استنجا کرنا ہے تو تین رطل کفایت کریں گے، ایک رطل استنجا کے لئے، ایک رطل دونوں پاؤں کے لئے، اور ایک رطل باقی کے لئے۔ (ت)

ف۱: مسئلہ اُن پانیوں کا بیان جو اس حساب کے علاوہ ہیں۔
ف۲: مسئلہ حالات وضو پر مسنون پانی کے اختلافات اور یہ کہ استنجے کے لئے چھٹانک آدھ سیر پانی چاہئے۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

(۲) ظاہر ہے کہ اگر بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ ہو جیسے حاجتِ غسل میں ران وغیرہ پر منی تو اس کی تطہیر کا پانی اس حساب میں نہیں اور یہیں سے ظاہر کہ بعد جماع اگر کپڑا نہ ملے تو پانی کہ اب استنجے کو درکار ہو گا معمول سے بہت زائد ہوگا۔

(۳) پیش از استنجا تین بار[ف۱] دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا مطلقاً سنّت ہے اگرچہ سوتے سے نہ جاگا ہو، یہ اس سنت سے جدا ہے کہ وضو کی ابتدا میں تین بار ہاتھ دھوئے جاتے ہیں، سنت یوں ہے کہ تین بار ہاتھ دھو کر استنجا کرے پھر آغازِ وضو میں بار دیگر تین بار دھوئے پھر منہ[ف۲] دھونے کے بعد جو ہاتھ کہنیوں تک دھوئے گا اس میں بھی ناخنِ دست سے کہنیوں کے اوپر تک دھوئے تو دونوں کفدست تین مرتبہ دھوئے جائیں گے، ہر مرتبہ تین تین بار، اخیر کے دونوں داخل حساب وضو ہیں، اور اوّل خارج۔ ہاں اگر استنجا کرنا نہ ہو تو دو ہی مرتبہ تین تین بار دھونا رہے، درمختار میں ہے:

(سنة البداءة بغسل اليدين) الطاهرتين ثلثا قبل الاستنجاء وبعده وقيد الاستيقاظ اتفاقی (الی الرسغين وهو) سنة (ينوب عن الفرض) وليسن غسلهما ايضا مع الذراعين[۱] اھ ملتقطا۔

وضو کی سنت گٹوں تک دونوں پاک ہاتھوں کے دھونے سے ابتدا کرنا۔ تین بار استنجے سے پہلے اور اس کے بعد بھی۔ اور نیند سے اُٹھنے کی قید اتفاقی ہے اور یہ ایسی سنت ہے جو فرض کی نیابت کر دیتی ہے۔ اور کلائیوں کے ساتھ بھی ہاتھوں کو دھونا مسنون ہے اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

خص المصنف بالمستيقظ تبركا بلفظ

مصنّف نے نیند سے اُٹھنے والے کے ساتھ لفظ

ف۱: مسئلہ استنجے سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا سنّت ہے اگرچہ سوتے سے نہ اٹھا ہو، ہاں سوتے سے اٹھا اور بدن پر کوئی نجاست تھی تو زیادہ تاکید یہاں تک کہ سنت مؤکدہ ہے۔

ف۲: مسئلہ وضو کی ابتدا میں جو دونوں ہاتھ کلائیوں تک تین تین بار دھوئے جاتے ہیں سنت یہ ہے کہ منہ دھونے کے بعد جو ہاتھ دھوئے اس میں پھر دونوں کفدست کو شامل کرلے سرِ ناخن سے کہنیوں کے اوپر تک تین بار دھوئے۔

---

[۱] الدرالمختار كتاب الطهارة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰ و ۲۱

الحدیث والسنة تشمل المستیقظ وغیرہ وعلیه الاکثرون اھ وفی النھر الاصح الذی علیه الاکثر انه سنة مطلقا لکنه عند توھم النجاسة سنة مؤکدة کما اذا نام لاعن استنجاء او کان علی بدنه نجاسة، وغیر مؤکدة عند عدم توھمھا کما اذا نام لاعن شئ من ذلك او لم یکن مستیقظا عن نوم اھ ونحوہ فی البحر[1] اھ۔

حدیث سے برکت حاصل کرنے کے لئے کلام خاص کیا۔ اور سنّت نیند سے اٹھنے والے کے لئے بھی اور اس کے علاوہ کے لئے بھی ہے ۔ اسی پر اکثر حضرات ہیں اھ ۔ النہر الفائق میں ہے: اصح جس پر اکثر ہیں، یہ ہے کہ وہ مطلقاً سنّت ہے لیکن نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں سنّتِ مؤکدہ ہے مثلاً بغیر استنجا کے سویا ہو، یا سوتے وقت اس کے بدن پر کوئی نجاست رہی ہو۔ اور نجاست کا احتمال نہ ہونے کی صورت میں سنّتِ غیر مؤکدہ ہے مثلاً ان میں سے کسی چیز کے بغیر سویا ہو یا نیند سے اُٹھنے کی حالت نہ ہو اھ ۔ اسی کے ہم معنی بحر میں بھی ہے اھ

اقول ووجهه ان النجاسة اذا کانت متحققة کمن نام غیر مستنج واصابة الید فی النوم غیر معلومة کانت النجاسة متوھمة اما اذا لم تکن نفسھا

اقول اس کی وجہ یہ ہے کہ نجاست جب محقق ہے ۔ جیسے اس کے لئے جو بغیر استنجا کے سویا ہو ۔ اور نیند میں نجاست پر ہاتھ کا پہنچنا معلوم نہیں ہے تو ہاتھ میں نجاست لگنے کا صرف احتمال ہے لیکن جب خود نجاست ہی

ف: **مسئلہ** بدن پر کوئی نجاست ہو مثلاً تر خارش ہے یا زخم یا پھوڑا یا پیشاب کے بعد بے استنجا سو رہا کہ پسینہ آکر تری پہنچنے کا احتمال ہے جب تو گٹوں تک ہاتھ پہلے دھونا سنّتِ مؤکدہ ہے اگرچہ سویا نہ ہو جبکہ ہاتھ کا اس نجاست پر پہنچنا محتمل ہوا اور اگر بدن پر نجاست نہیں تو ان کا دھونا سنت ہے مگر مؤکدہ نہیں اگرچہ سو کر اٹھا ہو، یونہی اگر نجاست ہے اور اس پر ہاتھ نہ پہنچنا معلوم ہے یعنی جاگ رہا ہے اور یاد ہے کہ ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے تو اس صورت میں بھی سنّتِ مؤکدہ نہیں ہاں سنت مطلقاً ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۵

متحققة فالتنجس بالاصابة توهم على توهم فلا يورث تاكد الاستنان۔

محقق نہیں تو ہاتھ میں نجاست لگنے کا احتمال در احتمال ہے اس لئے اس سے مسنونیت مؤکد نہ ہوگی۔

فان قلت الیس ان النوم مظنة الانتشار والانتشار مظنة الامذاء والغالب کالمحقق فالنوم مطلقا محل التوهم۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیا ایسا نہیں کہ نیند انتشار آلہ کا مظنہ ہے، اور انتشار مذی نکلنے کا مظنہ ہے۔ اور گمان غالب محقق کا حکم رکھتا ہے تو نیند مطلقاً احتمال نجاست کی جگہ ہے۔

قلت بينا فی رسالتنا "الاحکام والعلل" ان الانتشار لیس مظنة الامذاء بمعنی المفضی الیه غالبا و قد نص علیه فی الحلیة۔

میں کہوں گا ہم نے اپنے رسالہ "الاحکام والعلل" میں بیان کیا ہے کہ انتشار مذی نکلنے کا مظنہ اس معنی میں نہیں کہ یہ اکثر خروجِ مذی تک موصل ہوتا ہے۔ حلیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

فان قلت انما علق فی الحدیث الحکم علی مطلق النوم وعلله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بقوله فانما لا یدری این باتت یده[1] والنوم لاعن استنجاء ان ارید به نفیه مطلقا فمثله یعید ان ذوی النظافة فضلا عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم وهم المخاطبون اولا بقوله صلی اللہ تعالٰی

پھر اگر یہ سوال ہو کہ حدیث میں اس حکم کو مطلق نیند سے متعلق فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس ارشاد سے اس کی علت بیان فرمائی ہے کہ "وہ نہیں جانتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا"۔ اگر یہ کہئے کہ لوگ بغیر استنجا کے سوتے تھے اس لئے یہ ارشاد ہوا تو اس سے اگر یہ مراد ہے کہ مطلقاً استنجا ہی نہ کرتے تھے تو ایسا تو ہر صاحبِ نظافت سے بعید ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تو اور زیادہ بعید ہے اور وہی حضرات اولین مخاطب ہیں

---

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ما جاء اذا استیقظ الخ حدیث ۲۴ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۰۰
سنن ابن ماجہ " باب الرجل یستیقظ من منامہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲

علیہ وسلم اذا استیقظ احدکم من نومہ[1] وان ارید خصوص الاستنجاء بالماء فالصحیح المعتمد ان الاستنجاء بالحجر مطھر اذا لم تتجاوز النجاسۃ المخرج اکثر من قدر الدرھم کما بیّنتہ فیما علقتہ علی رد المحتار فلا یظھر فرق بین الاستنجاء بالماء وترکہ فی ایراث التوھم وعدمہ۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے کہ "جب تم میں سے کوئی نیند سے اُٹھے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ پانی سے استنجا نہ کرتے تھے تو صحیح معتمد یہ ہے کہ پتھر کے ذریعہ استنجا سے بھی طہارت ہوجاتی ہے جب کہ نجاست قدرِ درہم سے زیادہ مخرج سے تجاوز نہ کرے جیسا کہ ردالمحتار پر میں نے اپنے حواشی میں بیان کیا ہے تو احتمالِ نجاست پیدا کرنے اور نہ کرنے میں پانی سے استنجا کرنے اور نہ کرنے کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں۔

قلت الحدیث لافادۃ الاستنان اما تاکدہ عند تحقق النجاسۃ فی البدن فبالفحوی۔

قلت (میں کہوں گا) حدیث مسنونیت بتانے کے لئے ہے اور بدن میں نجاست متحقق ہونے کے وقت اس سنّت کا مؤکد ہونا مضمونِ کلام سے معلوم ہوا۔

فان قلت ھذا البحر قائلا فی البحر اعلم ان الابتداء بغسل الیدین واجب اذا کانت النجاسۃ محققۃ فیھما وسنۃ عند ابتداء الوضوء وسنۃ مؤکدۃ عند توھم النجاسۃ کما اذا استیقظ من النوم[2] اھ فھذا نص فی کون کل نوم موجب تاکد الاستنان۔

اگر سوال ہو کہ محقق صاحب بحر، البحرالرائق میں یہ لکھتے کہ: واضح ہو کہ دونوں ہاتھ دھونے سے ابتداء واجب ہے جب ہاتھوں میں نجاست ثابت ہو اور ابتدائے وضو کے وقت سنّت ہے، اور احتمالِ نجاست کے وقت سنّتِ مؤکدہ ہے جیسے نیند سے اُٹھنے کے وقت اھ۔ تو یہ عبارت اس بارے میں نص ہے کہ ہر نیند اس عمل کے سنّتِ مؤکدہ ہونے کا سبب ہے۔

قلت نعم ف ارسل ھنا

میں کہوں گا ہاں یہاں پر انھوں نے

ف: تطفل علی البحر

---

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء اذا استیقظ الخ حدیث ۲۴ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۰۰

[2] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷ و ۱۸

ما ابان تقییده بعد اسطر اذ یقول "علم بما قررناه ان ما فی شرح المجمع من ان السنة فی غسل الیدین للمستیقظ مقیدة بان یکون نام غیر مستنج او کان علی بدنه نجاسة حتی لو لم یکن کذٰلك لایسن فی حقه ضعیف او المراد نفی السنة المؤکدة لا اصلها[1] اھ لاجرم ان قال فی الحلیة هو مع الاستیقاظ اذا توهم النجاسة اٰکد[2] اھ فلم یجعل کل نوم محل توهم۔

مطلق رکھا مگر چند سطروں کے بعد اس کی قید واضح کردی ہے، آگے وہ فرماتے ہیں: ہماری تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ شرح مجمع میں جو لکھا ہے کہ "نیند سے اٹھنے والے کے لئے دونوں ہاتھ دھونے کا مسنون ہونا اس قید سے مقید ہے کہ بغیر استنجا سویا ہو یا سوتے وقت اس کے بدن پر کوئی نجاست رہی ہو یہاں تک کہ اگر یہ حالت نہ ہو تو اس کے حق میں سنّت نہیں ہے" (شرح مجمع کا یہ قول) ضعیف ہے — یا اس سے مراد یہ ہو کہ سنّتِ مؤکدہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ سرے سے سنّت ہی نہیں اھ — یہی وجہ ہے کہ حلیہ میں کہا: نیند سے اُٹھنے کے وقت جب احتمالِ نجاست ہو تو یہ زیادہ مؤکد ہے اھ — تو انھوں نے ہر نیند کو محلِ احتمال نہ ٹھہرایا۔

اقول وهو معنی قول الفتح قیل سنة مطلقا للمستیقظ وغیرہ وهو الاولٰی نعم مع الاستیقاظ وتوهم النجاسة السنة اٰکد[3] اھ فاراد بالواو الاجتماع لترتب الحکم لامجرد التشریك فی ترتبه وان کان کلامه مطلقا فی المستیقظ وغیرہ

اقول یہی فتح القدیر کی اس عبارت کا بھی معنٰی ہے کہ: کہا گیا نیند سے اُٹھنے والے اور اس کے علاوہ کے لئے یہ مطلقاً سنّت ہے اور یہی قول اولٰی ہے، ہاں نیند سے اُٹھنے اور نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں سنّت زیادہ مؤکد ہے اھ۔ واو (اور) سے ان کی مراد یہ ہے کہ نیند سے اٹھنا اور نجاست کا احتمال ہونا دونوں باتیں جمع ہوں تو سنّت مؤکدہ ہے یہ مراد نہیں کہ نیند سے اُٹھے

---

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۹

والتوھم غیر مختص بالمستیقظ علٰی ان السنن الغیر المؤکدۃ بعضھا اٰکد من بعض فافھم۔

جب بھی سُنّتِ مؤکدہ اور احتمالِ نجاست ہو جب بھی سُنّتِ مؤکدہ اگرچہ ان کا کلام نیند سے اٹھنے والے اور اس کے علاوہ کے حق میں مطلق ہے اور احتمال نجاست ہونا نیند سے اُٹھنے والے ہی کے لئے خاص نہیں۔ علاوہ ازیں سُنن غیر مؤکدہ میں بعض سنّتیں بعض دیگر کی بہ نسبت زیادہ مؤکد ہوتی ہیں ــــ تو اسے سمجھو۔

(۴) **اقول** اگرچہ[ف] مسواک ہمارے نزدیک سنّتِ وضو ہے خلافًا للامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فعندہ سنۃ الصلوۃ کما فی البحر وغیرہ (بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے، کہ ان کے نزدیک سنّتِ نماز ہے جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے۔ ت) ولہذا جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے ہر نماز کے لئے مسواک کرنا مطلوب نہیں جب تک منہ میں کسی وجہ سے تغیر نہ آگیا ہو کہ اب اس دفع تغیر کے لئے مستقل سنّت ہوگی، ہاں وضو بے مسواک کرلیا ہو تو اب پیش از نماز کرلے کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ درّ وغیرہ میں ہے۔ ت) مگر اس کے وقت[ف] میں ہمارے یہاں اختلاف ہے بدائع وغیرہ معتمدات میں قبل وضو فرمایا اور مبسوط وغیرہ معتبرات میں وقت مضمضہ یعنی وضو میں کُلّی کرتے وقت۔ حلیہ میں ہے:

وقت استعمالہ علٰی ما فی روضۃ الناطفی والبدائع ونقلہ الزاھدی عن کفایۃ البیھقی والوسیلۃ والشفاء قبل الوضوء وربما یشھد

مسواک کے استعمال کا وقت قبل وضو ہے۔ ایسا ہی روضۃ الناطفی اور بدائع میں ہے اور زاہدی نے اسے کفایۃ البیہقی، وسیلہ اور شفا سے نقل کیا ہے ــــ اور اس پر کچھ شہادت

ف ۱: مسئلہ مسواک ہمارے نزدیک نماز کے لئے سنّت نہیں بلکہ وضو کے لئے، تو جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے ہر نماز کے لئے اُس سے مسواک کا مطالبہ نہیں جب تک منہ میں کوئی تغیر نہ آگیا ہو، ہاں اگر وضو بے مسواک کرلیا تھا تو اب وقت نماز مسواک کرے۔

ف ۲: مسواک کے وقت میں ہمارے علماء کو اختلاف ہے کہ قبل وضو ہے یا وضو میں کُلّی کرتے وقت اور اس بارہ میں مصنف کی تحقیق۔

له مافی صحیح مسلم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ تسوك وتوضأ عہ ثم قام فصلی و فی سنن ابی داؤد عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایرقد من لیل ولا نہار فیستیقظ الا تسوك قبل ان یتوضأ وفی المحیط وتحفۃ الفقہاء وزاد الفقہاء ومبسوط شیخ الاسلام محلۃ المضمضۃ تکمیلا للانقاء واخرج الطبرانی عن ایوب قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ استنشق ثلثا وتمضمض وادخل اصبعہ فی فمہ وھذا ربما یدل علی ان وقت الاستیاك حالۃ المضمضۃ فان الاستیاك بالاصبع بدل عن الاستیاك بالسواك والاصل کون الاشتغال بالبدل

صحیح مسلم کی اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی کہ سرکار نے مسواک کی اور وضو کیا پھر اٹھ کر نماز ادا کی ۔ اور سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دن یا رات میں جب بھی سو کر بیدار ہوتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے ۔ اور محیط، تحفۃ الفقہاء، زاد الفقہاء اور مبسوط شیخ الاسلام میں ہے کہ مسواک کا وقت کُلّی کرنے کی حالت میں ہے تاکہ صفائی مکمل ہو جائے ۔ اور طبرانی نے حضرت "ایوب" سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو تین بار ناک میں پانی لے جاتے اور کُلّی کرتے اور انگلی منہ میں داخل کرتے ۔ اس حدیث سے کچھ دلالت ہوتی ہے کہ مسواک کا وقت کُلّی کرنے کی حالت میں ہے اس لئے کہ انگلی استعمال کرنا مسواک استعمال کرنے کا بدل ہے

عہ ھکذا ھو فی نسختی الحلیۃ بالواو والذی فی صحیح مسلم رجع فتسوك فتوضأ ثم قام فصلی ولعلہ اظہر دلالۃ علی المراد اھ۔

عہ میرے نسخہ حلیہ میں اسی طرح و توضأ (اور وضو کیا) واؤ کے ساتھ ہے۔ اور صحیح مسلم میں یہ ہے رجع فتسوك فتوضأ ثم قام فصلی (لوٹ کر مسواک کی پھر وضو کیا پھر اٹھ کر نماز ادا کی) اور شاید دلالت مقصود میں یہ زیادہ ظاہر ہے اھ (ت)

له صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب السواک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

وقت الاشتغال بالاصل[1] اھ مختصرًا۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں مشغولی اسی وقت ہو جس وقت اصل میں مشغولیت ہوتی اھ مختصرًا۔

اقول ھکذا فی نسختی الحلیۃ عن ایوب فان کان عن ابی ایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ واسقط الناسخ والا فالمرسل والظاھر الاول فان للطبرانی حدیثا عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فی صفۃ الوضوء لکن لفظہ کما فی نصب الرایۃ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ تمضمض واستنشق وادخل اصابعہ من تحت لحیتہ فخللھا[2] اھ فاللہ تعالٰی اعلم وعلٰی ف کل یخلو عن ابعاد النجعۃ فقد اخرج الامام احمد فی مسندہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ انہ دعا بکوز من ماء فغسل وجھہ وکفیہ ثلثا وتمضمض ثلثا فادخل

اقول میرے نسخۂ حلیہ میں "عن ایوب" (ایوب سے) ہے۔ اگر یہ اصل میں عن ابی ایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے اور کاتب سے "ابی" چھوٹ گیا ہے جب تو مسند ہے ورنہ مرسل ہے اور ظاہر اوّل ہے۔ اس لئے کہ طبرانی کی ایک حدیث حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طریقہ وضو کے بارے میں آئی ہے۔ لیکن اس کے الفاظ نصب الرایہ کے مطابق۔ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو کُلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور اپنی انگلیاں داڑھی کے نیچے سے ڈال کر ریش مبارک کا خلال کرتے اھ۔ تو خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔ بہرحال اس حدیث سے استناد تلاش مقصود میں قریب چھوڑ کر دُور جانے کے مرادف ہے اس لئے کہ امام احمد نے مسند میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت فرمائی ہے کہ انھوں نے ایک کُوزہ میں پانی منگا کر چہرے اور ہتھیلیوں کو تین بار دھویا اور تین بار کلی کی تو اپنی

ف: تطفل علی الحلیۃ

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ کتاب الطہارات - احادیث ابی ایوب نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱/۵۵

بعض اصابعہ فی فیہ وقال فی اٰخرہ هکذا کان وضوء نبی[1] اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و نحوہ عند عبد بن حمید عن ابی مطر عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ایک انگلی منہ میں لے گئے ۔ اور اس کے آخر میں یہ فرمایا : اسی طرح خدا کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وضو تھا۔ اور اسی کے ہم معنی عبد بن حمید کی حدیث ہے جو ابو مطر کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔

ثم اقول لیس نصًّا فی کونہ بدلا عن السواک فقد تدخل الاصبع فی الفم لاستخراج النخاع مثلاً و اشار الیہ المحقق بقولہ ربما یدل[2]۔

ثم اقول یہ بھی اس بارے میں صریح نہیں کہ منہ میں انگلی ڈالنا مسواک کے بدلے میں تھا، کیونکہ منہ میں انگلی کھنکار وغیرہ نکالنے کے لئے بھی ڈالی جاتی ہے۔ اسی بات کی طرف محقق حلبی نے اپنے لفظ ربما یدل (کچھ دلالت ہوتی ہے) سے اشارہ فرمایا ہے۔

علٰی انی اقول معلوم ضرورةً[ف] شدة حبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للسواک و انما فعل ھذا مرة بیانا للجواز فلیکن کونہ عند المضمضة ایضا لذلک ای من لم یستک سھوا مثلاً ولا سواک عندہ الاٰن فلیستک بالاصابع حین المضمضة و بھذا تضعف الدلالة جدا۔

علاوہ ازیں میں کہتا ہوں قطعی وضروری طور پر معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مسواک کرنا بہت محبوب تھا اور صرف بیانِ جواز کے لئے ایک بار ایسا کیا۔ تو چاہئے کہ اس عمل کا وقتِ مضمضہ ہونا بھی اسی غرض سے ہو یعنی جس نے مثلاً بھول کر مسواک نہیں کی اور بروقت اس کے پاس مسواک موجود نہیں تو وہ وقتِ مضمضہ انگلیوں سے صفائی کرلے۔ اور اس سے (مسواک کا مقررہ وقت حالتِ مضمضہ ہونے پر) حدیث کی دلالت بہت ضعیف ہوجاتی ہے۔

ف : تطفل اخر علیھا۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۵۱

[2] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

نعم روی ابوعبید فی کتاب الطھور عن امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کان اذا توضأ یسوك فاہ باصبعہ[1] لکنی اقول معترك عظیم فی دلالۃ کان یفعل علی الاستمرار بل علی التکرار ولی فیھا رسالۃ سمیتھا "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل" فان اخترنا ان لا لم یدل علی الاستنان او نعم فما کان عثمٰن لیواظب علی ترك السواك فی محلہ مع انھم ھم الائمۃ الاعلام العاضون بنواجذھم علی سنن سید الانام علیہ وعلیھم الصلوۃ والسلام فاذن ینقدح فی الذھن واللہ اعلم ان السنۃ السواك قبل الوضوء وان یعالج باصبعہ عند المضمضۃ لکن لا اجترئ علی القول بہ لانی لم اجد احدا من علمائنا مال الیہ۔

ہاں ابوعبید نے کتاب الطہور میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ "کان اذا توضأ یسوك فاہ باصبعہ" (وہ جب وضو کرتے تھے تو انگلی سے منہ (بطورِ مسواک) صاف کرلیا کرتے تھے ___ لیکن میں کہتا ہوں اس میں سخت معرکہ آرائی ہے کہ کان یفعل (کیا کرتے تھے) کی دلالت استمرار بلکہ تکرار پر ہوتی ہے یا نہیں؟، اس کے بارے میں میرا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل" (کان یفعل کے مدلول کی توضیح میں آراستہ تاج) ___ اگر ہم یہ اختیار کریں کہ یہ لفظ استمرار و دوام پر دلالت نہیں کرتا تو مسنون ہونے پر اس کی دلالت ثابت نہ ہوگی۔ اور اگر یہ اختیار کریں کہ یہ لفظ استمرار و دوام پر دلالت نہیں کرتا تو مسنون ہونے پر اس کی دلالت ثابت نہ ہوگی۔ اور اگر یہ اختیار کریں کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے تو حضرت عثمان کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ اصل مقام پر مسواک ترک کرنے پر وہ مداومت فرماتے رہے ہوں، جب کہ یہی حضرات تو وہ بزرگ پیشوا وائمہ ہیں جو سیدِ انام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی سنتوں کو دانت سے پکڑنے رہنے والے ہیں۔ اب ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ وضو سے پہلے مسواک کرے اور کلی کرتے وقت

[1] کتاب الطہور باب المضمضۃ والاستنشاق لیستعان علیھا بالاصابۃ حدیث ۲۹۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۱۶

انگلی سے صفائی کرے، لیکن میں اسے کہنے کی جسارت نہیں کرتا کیونکہ اپنے علما میں سے کسی کو میں نے اس طرف مائل نہ پایا۔

فان قلت ماحداك على التقييد بقولك "ولا سواك عنده الان" مع ابن عدی والدارقطنی والبیهقی و الضياء فی المختارة رووا عن انس بسند قال الضياء لا ارى به باسا[1] اھ وقد ضعفه ابن عدی والبیهقی و قال البخاری فی رواية عن انس ف عبدالحكم القسملی منكر الحديث[2] وقال فی التقريب ضعيف[3] انه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم يجزئ من السواك الاصابع[4] ورواه البیهقی بطريق

اگر سوال ہو آپ نے یہ قید کیوں لگائی کہ "اور بروقت اس کے پاس مسواک موجود نہیں"۔ حالانکہ سرکار کی یہ حدیث موجود ہے کہ "انگلیاں مسواک کی جگہ کافی ہیں"۔ اسے ابن عدی، دارقطنی، بیہقی نے اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں حضرت انس سے روایت کیا، اس کی سند سے متعلق ضیاء نے کہا کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اھ — ابن عدی اور بیہقی نے اسے ضعیف کہا — اور امام بخاری نے اس حدیث کے حضرت انس سے روایت کرنے والے شخص عبدالحکم قسملی کو منکر الحدیث کہا — اور تقریب میں اسے ضعیف کہا — اور بیہقی نے ایک اور سند سے اس کو روایت کیا اور اسے غیر محفوظ کہا — اور اس کے ہم معنی طبرانی، ابن عدی اور ابو نعیم

ف: تضعیف عبدالحکم القسملی۔

[1] المختارة فی الحدیث للضیاء
[2] میزان الاعتدال ترجمہ عبدالحکم بن عبداللہ القسملی ۴۷۵۴ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۵۳۶
السنن الکبرٰی (للبیہقی) کتاب الطہارۃ باب الاستیاک بالاصابع دارصادر بیروت ۱/ ۴۰
[3] تقریب التہذیب حرف العین ترجمہ ۳۷۶۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۵۳۳
[4] السنن الکبرٰی (للبیہقی) کتاب الطہارت باب الاستیاک بالاصابع دارصادر بیروت ۱/ ۴۰
الکامل لابن عدی ترجمہ عبدالحکم بن عبداللہ القسملی دارالفکر بیروت ۵/ ۱۹۷۱
کنز العمال بحوالہ الضیاء حدیث ۲۷۱۸۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۵

أخرو قال غیر محفوظ و نحوہ للطبرانی و ابن عدی و ابی نعیم عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

نے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے۔

قلت روی ابو نعیم فی کتاب السواک عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاصابع تجزئ مجزی السواک اذا لم یکن سواک[1] وقد اطبق علماؤنا علی ھذا التقیید قال فی الحلیۃ لایقوم الاصبع مقام السواک عند وجودہ فان لم یوجد یقم مقامہ ذکرہ فی الکافی وغیرہ یعنی ینال ثوابہ کما ذکرہ فی الخلاصۃ[2] اھ وفی الغنیۃ لاتقوم الاصبع مقام العود عند وجودہ وتجویز بعض الشافعیۃ اصبع الغیر دون اصبع نفسہ تحکم بلا دلیل[3] اھ وفی الھندیۃ عن المحیط والظھیریۃ

میں کہوں گا ابو نعیم نے کتاب السواک میں حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: انگلیاں مسواک کی جگہ کافی ہوں گی جب مسواک نہ ہو۔ اور اس تقیید پر ہمارے علماء کا اتفاق ہے۔ حلیہ میں ہے کہ: مسواک موجود ہے تو انگلی اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اور موجود نہیں ہے تو اس کے قائم مقام ہوجائے گی۔ اسے کافی وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مسواک کا ثواب مل جائے گا جیسا کہ خلاصہ میں ذکر کیا ہے اھ۔ اور غنیہ میں ہے کہ لکڑی موجود ہے تو انگلی اس کے قائم مقام نہ ہوسکے گی۔ اور بعض شافعیہ کا یہ کہنا کہ دوسرے کی انگلی بھی اپنی انگلی کی جگہ روا ہے بلا دلیل اور زبردستی کا حکم ہے اھ۔ ہندیہ میں محیط اور

ف: مسئلہ مسواک موجود ہو تو انگلی سے دانت مانجنا ادائے سنت وحصول ثواب کے لئے کافی نہیں، ہاں مسواک نہ ہو تو انگلی یا کھرا کپڑا ادائے سنت کردے گا اور عورتوں کے لئے مسواک موجود ہو جب بھی مستی کافی ہے۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابو نعیم فی کتاب السواک حدیث ۲۶۱۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۱
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان یستاک سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۳

لاتقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد فحینئذ تقوم الاصبع من یمینه مقام الخشبة[1] اھ وفی الدر عند فقدہ اوفقد اسنانہ تقوم الخرقۃ الخشنۃ او الاصبع مقامہ کما یقوم العلك مقامہ للمرأۃ مع القدرۃ علیہ[2] اھ وھو ماخوذ من البحر و زاد فیہ تقوم فی تحصیل الثواب لاعند وجودہ[3] اھ۔

ظہیریہ سے نقل ہے کہ انگلی، لکڑی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ اگر مسواک موجود نہیں ہے تو داہنے ہاتھ کی انگلی اس کے قائم مقام ہوجائے گی اھ — درمختار میں ہے: مسواک نہ ہو یا دانت نہ ہوں تو کھُردرا کپڑا یا انگلی مسواک کے قائم مقام ہوجائے گی۔ جیسے عورت کو مسواک کی قدرت ہو جب بھی مِسّی اس کے قائم مقام ہوجائے گی اھ — یہ کلام، بحر سے ماخوذ ہے اور بحر میں مزید یہ بھی ہے کہ انگلی تحصیلِ ثواب [illegible] کے قائم مقام ہوجائے گی اور مسواک موجود ہو تو نہیں اھ۔(ت)

امام زیلعی نے قولِ اوّل اختیار فرمایا کما سیأتی نقلہ (جیسا کہ اس کی نقل آئے گی۔ت) اور امام ابن امیر الحاج کے کلام سے اس کی ترجیح مفاد۔

حیث قال فی اٰداب الوضوء تحت قول المنیۃ وان یستاك بالسواك ان کان والا فبالاصبع کون الادب فی فعلہ ان یکون فی حالۃ المضمضۃ علٰی قول بعض المشائخ[4] اھ۔

اس طرح کہ انھوں نے آدابِ وضو کے بیان میں منیہ کی عبارت وان یستاك بالسواك (اور یہ کہ مسواک سے صفائی کرے) کے تحت فرمایا: اگر مسواک موجود ہو ورنہ انگلی سے۔ بعض مشائخ کے قول پر اس کے استعمال میں مستحب یہ ہے کہ کُلی کرتے وقت ہو۔ اھ۔(ت)

جس کا مفادیہ ہے کہ اکثر علماء قولِ اوّل پر ہیں۔ علامہ حسن شرنبلالی شرح وہبانیہ میں فرماتے ہیں:

ف: ھذا قول بعض المشائخ مفادہ ان اکثرھم علٰی خلافہ۔

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ سُنن الوضو الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷

[2] الدرالمختار 〃 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱

[3] البحرالرائق 〃 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۱

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قولہ واعتاقہ بعض الائمۃ ینکر مفھومہ ان اکثر الائمۃ یجوزونہ[1]

"بعض ائمہ اس کی آزادی کا انکار کرتے ہیں"۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اکثر ائمہ جائز کہتے ہیں۔ (ت)

اور یہ کہ قول دوم نامعتمد ہے، ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے:

قولہ لاباس بہ عند البعض اشار بھذا الی ان ھذا القول خلاف المعتمد[2]

"بعض کے نزدیک حرج نہیں" یہ کہہ کر انھوں نے اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ یہ قول خلافِ معتمد ہے۔ (ت)

اور بحرالرائق میں دوم کو قولِ اکثر بتایا اور بہتر ٹھہرایا اور اُسی کے اتباع سے دُرمختار میں تضعیف اول کی طرف اشارہ کیا نہایہ وعنایہ وفتح میں دوم پر اقتصار فرمایا، نہایہ وہندیہ میں ہے:

الاستیاک ھو وقت المضمضۃ[3]

مسواک کرنا وقتِ مضمضہ ہے۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

یستاک عرضا لاطولا عند المضمضۃ[4]

کُلی کے وقت مسواک کرے گا دانتوں کی چوڑائی میں، لمبائی میں نہیں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

قولہ والسواک ای الاستیاک عند المضمضۃ[5]

"اور مسواک کرنا" یعنی کُلی کے وقت مسواک کرنا(ت)

بحر میں ہے:

اختلف فی وقتہ ففی النہایۃ وفتح القدیر انہ عند المضمضۃ وفی البدائع والمجتبٰی

وقتِ مسواک میں اختلاف ہے۔ نہایہ اور فتح القدیر میں ہے کہ یہ مضمضہ کے وقت ہے۔ بدائع اور

ف: نسبۃ قول الی البعض تفید ان المعتمد خلافہ۔

---

[1] شرح الوہبانیہ

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ فصل (فی بیان تالیف الصلوٰۃ الی انتہائہا) داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۳۲

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ (الفصل الثانی فی سنن الوضوء) نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۷

[4] العنایۃ مع فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱

[5] فتح القدیر " " " " ۱/ ۲۲

قبل الوضوء والاکثر علی الاول وھو الاولٰی لانہ الاکمل فی الانقاء[1] | مجتبٰی میں ہے کہ قبل وضو ہے۔ اور اکثر اول پر ہیں اور وہی اولٰی ہے کیونکہ صفائی میں یہ زیادہ کامل ہے(ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے: وعلیہ الاکثرون[2] (اور اسی پر اکثر حضرات ہیں۔ ت)۔

اقول وباللہ التوفیق اوّلاً[ف] یہ معلوم ہو کہ دربارۂ سواک کلماتِ علماء مختلف ہیں کہ سنت ہے یا مستحب۔ عامہ متون میں سنت ہونے کی تصریح فرمائی اور اسی پر اکثر ہیں۔ صغیری میں اسی کو اصح کہا، جوہرہ نیرہ و درمختار میں سُنّتِ مؤکدہ ہونے پر جزم کیا، لیکن ہدایہ واختیار میں استحباب کو اصح اور تبیین وغیرہ مطلوب میں صحیح بتایا، فتح میں اسی کو حق ٹھہرایا، حلیہ وبحر نے ان کا اتباع کیا۔ علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

قد عدہ القدوری والاکثرون من السنن وھو الاصح[3]۔ | امام قدوری اور اکثر حضرات نے اسے سنّت شمار کیا اور یہی اصح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: وعلیہ المتون[4] (اور اسی پر متون ہیں۔ ت)۔

درمختار میں ہے:

السواک سنۃ مؤکدۃ کما فی الجوھرۃ[5]۔ | مسواک سنّتِ مؤکدہ ہے، جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے: الاصح انہ مستحب[6] (اصح یہ ہے کہ وہ مستحب ہے۔ ت)

امام زیلعی فرماتے ہیں:

الصحیح انھما مستحبان یعنی السواک والتسمیۃ | صحیح یہ ہے کہ دونوں۔ یعنی مسواک اور تسمیہ۔ مستحب

ف: مسئلہ مسواک وضو کے لئے سنّت یا مستحب ہونے میں ہمارے علماء کو اختلاف ہے، اور اس بارہ میں مصنف کی تحقیق۔

---

[1] البحرالرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱/۲۰

[2] شرح النقایۃ للبرجندی، ″، نولکشور لکھنؤ، ۱/۱۶

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی، بحث سنن الوضوء، مطبع مجتبائی دہلی، ص ۱۳
غنیۃ المستملی، ومن الآداب ان یستاک، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۳۲

[4] ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/۷۷

[5] الدرالمختار، ″، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۲۱

[6] الہدایۃ مع فتح القدیر، ″، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۲۲

لانھمالیسا من خصائص الوضوء[1] ہیں، اس لئے کہ یہ دونوں وضو کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں۔ (ت)

محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

الحق انه من مستحبات الوضوء[2] حق یہ ہے کہ وہ مستحباتِ وضو میں سے ہے (ت)

امام ابن امیر الحاج بعد ذکرِ حدیث فرماتے ہیں:

ھذا عند التحقیق انما یفید الاستحباب فلاجرم ان قال فی خیر مطلوب ھو الصحیح وفی الاختیار قالوا والاصح انه مستحب[3]۔ عند التحقیق ان سب کا مفاد استحباب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر مطلوب میں اسی کو صحیح کہا، اور "اختیار" میں ہے کہ علماء نے فرمایا، اصح یہ ہے کہ وہ مستحب ہے۔ (ت)

علامہ خیر الدین رملی قولِ بحر دربارہ استحباب نقلا عن الفتح ھو الحق (فتح سے نقل کیا گیا کہ وہ حق ہے۔ ت) پھر قولِ صغیری دربارہ سنیت ھو الاصح نقل کرکے فرماتے ہیں:

فقد علم بذلك اختلاف التصحیح اھ کمافی المنحة[4]۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں اختلافِ تصحیح ہے اھ جیسا کہ منحۃ الخالق میں ہے (ت)

اقول جب تصحیح مختلف ہے تو متون پر عمل لازم کما نصوا علیه (جیسا کہ علماء نے اس قاعدے کی صراحت فرمائی ہے۔ ت) قولِ سنیت کی ایک وجہِ ترجیح یہ ہوئی، **وجہ دوم** خود امامِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنیت پر نص وارد۔ امام علینی فرماتے ہیں:

المنقول عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه علی ما ذکره صاحب المفید ان السواك من سنن الدین اھ نقله الشلبی[5] علی الکنز۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ مسواک دین کی سُنتوں میں سے ہے جیسا کہ صاحبِ مفید نے یہ نقل ذکر کی ہے اھ ۔ اسے شلبی نے حاشیہ کنز میں نقل کیا۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۵
[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۲
[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[4] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰
[5] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق " دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۵ و ۳۶

بلکہ ہمارے صاحبِ مذہب کے تلمیذ جلیل امام الفقہاء، امام المحدثین، امام الاولیاء، سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا: "اگر بستی کے لوگ سنیتِ مسواک کے ترک پر اکتفا کریں تو ہم ان پر اس طرح جہاد کریں گے جیسا مرتدوں پر کرتے ہیں تاکہ لوگ اس سنّت کے ترک پر جرأت نہ کریں۔"

فتاوٰی حجہ میں ہے:

قال عبد اللّٰہ بن المبارک لوان اھل قریۃ اجتمعوا علٰی ترک سنۃ السواک نقاتلھم کما نقاتل المرتدین کیلا یجترئ الناس علی ترک سنۃ السواک وھو من احکام الاسلام[1]

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اگر کسی بستی والے سب کے سب سنّتِ مسواک چھوڑ دیں تو ہم ان سے اس طرح جنگ کریں گے جیسے مرتدین سے کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو سنّتِ مسواک کے ترک کی جسارت نہ ہو جب کہ یہ احکامِ اسلام میں سے ایک حکم ہے۔ (ت)

حلیہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

وھذا یفید انہ من سنن الدین کما حکاہ قولا فی المفید ولیس ببعید[2]

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ دین کی ایک سنّت ہے جیسا کہ مفید میں بلفظہ یہی قول امام صاحب سے حکایت کیا، اور یہ بعید نہیں۔ (ت)

وجہ سوم یہی اقوٰی من حیث الدلیل ہے کہ احادیثِ متوافرہ اُس کی تاکید اور اُس میں قولاً و فعلاً اہتمام شدید پر ناطق جن سے کتبِ حدیث مملو ہیں بلکہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُس پر مواظبت و مداومت گویا ضروریات و بدیہیات سے ہے، ہر شخص کہ احوالِ قدسیہ پر مطلع ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس پر مداومت فرمانا جانتا ہے، خود ہدایہ میں فرمایا:

والسواک لانہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان یواظب علیہ[3]

اور مسواک کرنا ــــ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس پر مداومت فرماتے تھے۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الحجۃ

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] الہدایۃ　　کتاب الطہارۃ　　المکتبۃ العربیۃ کراچی　　۱/۶

تبیین میں فرمایا :

وقد واظب علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی۔ (ت)

اسی طرح کافی امام نسفی وغیرہ میں ہے۔

وسیرد علیك بقیۃ الکلام فی اتمام تقریب المرام بعون الملك العلام۔

بعون ملک علام اس سے متعلق بقیہ کلام تقریب مقصود کی تکمیل میں آئے گا۔ (ت)

ثانیاً سنیت کو مواظبت درکار۔ اب ہم وضو میں کُلی کے وقت احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہرگز اُس وقت مسواک پر مواظبت ثابت نہیں ہوتی، خود امام محقق علی الاطلاق کو اس کا اعتراف ہے اور اسی بناپر قولِ استحباب اختیار فرمایا۔ فتح میں فرماتے ہیں :

المطلوب مواظبتہ علیہ الصلٰوۃ والسلام عند الوضوء ولم اعلم حدیثا صریحا فیہ[2]

مطلوب یہ ہے کہ وضو کے وقت اس پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مداومت ثابت ہو اور میرے علم میں اس بارے میں کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔ (ت)

اقول بلکہ مواظبت درکنار چوبیس[۲۴] صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صفتِ وضو قولاً و فعلاً نقل فرمائی :

(۱) امیر المومنین عثمٰن غنی (۲) امیر المومنین مولٰی علی (۳) عبداللہ بن عباس
(۴) عبداللہ بن زید بن عاصم (۵) مغیرہ بن شعبہ (۶) مقدام بن معدی کرب
(۷) ابومالک اشعری (۸) ابوبکرہ نفیع بن الحارث (۹) ابوہریرہ
(۱۰) وائل بن حجر (۱۱) نُفیر بن مالک حضرمی (۱۲) ابوامامہ باہلی
(۱۳) انس بن مالک (۱۴) ابوایوب انصاری (۱۵) کعب بن عمرو یامی
(۱۶) عبداللہ بن ابی اوفی (۱۷) برار بن عازب (۱۸) قیس بن عائذ
(۱۹) اُم المومنین صدیقہ (۲۰) رُبیّع بنت معوذ بن عفراء (۲۱) عبداللہ بن انیس
(۲۲) عبداللہ بن عمرو بن عاص (۲۳) امیر معٰویہ (۲۴) رجل من الصحابۃ لم یسم رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۵
[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۲

اوّل کے بیس علامہ محدث جلیل زیلعی نے ذکر کئے ان کے بعد کے دو امام محقق علی الاطلاق نے زیادہ فرمائے۔ اخیر کے دو اس فقیر غفرلہ نے بڑھائے، اور ان کے پچیسویں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں مگر ان سے خود اُن کے وضو کی صفت مروی ہے اگرچہ وہ بھی حکمِ مرفوع میں ہے،

رواہ سعید بن منصور فی سننہ عن الاسود بن الاسود بن یزید قال بعثنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ الی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ الحدیث[1]، والحدیث قبلہ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ والعدنی والخطیب عن رجل من الانصار ان رجلا قال الا اریکم کیف کان وضوء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قالوا بلی الحدیث[2]، وحدیث معٰویۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند ابن عساکر۔

اسے سعید بن منصور نے اپنی سُنن میں اسود بن اسود بن یزید سے روایت کیا ۔ وہ کہتے ہیں مجھے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس بھیجا۔ اس کے بعد طریقۂ وضو سے متعلق پُوری حدیث ہے — اور اس سے قبل والی حدیث جسے ہم نے بتایا کہ ایک صحابی سے مروی ہے جن کا نام مذکور نہیں، اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور عدنی اور خطیب نے روایت کیا ایک انصاری سے کہ ایک شخص نے کہا میں تمھیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں ؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں ! —— اس کے بعد باقی حدیث ہے —— اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ (ت)

ان پچیس صحابہ کی بہت کثیر التعداد حدیثیں اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں ان میں کہیں وضو یا کُلی کرتے میں مسواک فرمانے کا اصلاً ذکر نہیں جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طریقۂ وضو زبان سے بتایا اُنھوں نے مسواک کا ذکر نہ کیا، جنھوں نے اسی لئے وضو کرکے دکھایا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طریقۂ مسنونہ بتائیں اُنھوں نے مسواک نہ کی۔ علی الخصوص امیر المومنین ذو النورین و

---

[1] کنز العمال بحوالہ ص عن الاسود بن الاسود حدیث ۲۶۹۰۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۴۴۶ و ۴۴۷

[2] " " ش والعدنی وخط عن رجل " ۲۶۸۶۵ " " " " ۹/۴۳۷

امیر المومنین مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ دونوں حضرات سے بوجوہ کثیر بار بار بکثرت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وضو کرکے دکھانا مروی ہوا کسی بار میں مسواک کا ذکر نہیں۔

عثمٰن غنی سے راوی اُن کے مولٰے حمران عند احمد والبخاری ومسلم وابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ والبزار وابی یعلٰی والعدنی وابن حبان والدارقطنی وابن بشران فی امالیہ، وابی نعیم فی الحلیۃ، ابن الجارود عند الامام الطحاوی وابن حبان والبغوی فی مسند عثمٰن وسعید بن منصور، ابو وائل شقیق بن سلمۃ عند عبد الرزاق وابن منیع والدارمی وابی داؤد وابن خزیمۃ والدارقطنی، ابو دارہ عند احمد والدارقطنی والضیاء، عبد الرحمٰن سلمانی عند البغوی فیہ، عبد اللہ بن جعفر ابو علقمۃ کلاھما عند الدارقطنی عبد اللہ ابن ابی ملیکۃ عند ابی داؤد، ابو مالک دمشقی عند سعید بن منصور قال حُدِّثت، ابو النضر سالم عند ابن منیع والحارث وابی یعلی ولم یلق عثمٰن۔

سیدنا عثمان غنی سے ایک راوی ان کے آزاد کردہ غلام حمران ہیں جن کی روایت امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، بزار، ابویعلٰی، عدنی، ابن حبان، دارقطنی، ابن بشران نے اپنی امالی میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ذکر کی ہے ۔۔۔ دوسرے راوی ابن الجارود ہیں جن کی روایت امام طحاوی، ابن حبان نے، بغوی نے مسند عثمان میں، اور سعید بن منصور نے ذکر کی ہے ۔۔۔ تیسرے راوی ابووائل شقیق بن سلمہ ہیں جن کی روایت عبدالرزاق، ابن منیع، دارمی، ابوداؤد، ابن خزیمہ اور دارقطنی نے ذکر کی ہے۔ چوتھے راوی ابودارہ ہیں جن کی روایت امام احمد، دارقطنی اور ضیاء نے ذکر کی ہے ۔۔۔ پانچویں راوی عبدالرحمان سلمانی ہیں جن کی روایت بغوی نے مسند عثمان میں ذکر کی ہے ۔۔۔ چھٹے راوی عبداللہ بن جعفر، ساتویں ابوعلقمہ ہیں دونوں حضرات کی روایت دارقطنی نے ذکر کی ہے۔ آٹھویں راوی عبداللہ بن ابی ملیکہ ہیں جن کی روایت ابوداؤد نے ذکر کی ہے ۔۔۔ نویں راوی ابومالک دمشقی ہیں جن کی روایت سعید بن منصور نے ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے بیان کیا گیا ۔۔۔ دسویں راوی ابوالنضر سالم ہیں جن کی روایت ابن منیع، حارث اور ابویعلٰی نے ذکر کی ہے اور انھیں حضرت عثمان کی ملاقات حاصل نہیں۔ (ت)

علی مرتضےٰ سے راوی عبد خیر عند عبد الرزاق وابی بکر بن ابی شیبة وسعید بن منصور والدارمی وابی داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة والطحاوی وابن منیع وابن خزیمة وابی یعلی وابن الجارود وابن حبان والدارقطنی والضیاء، ابو حیہ عند عبد الرزاق وابن ابی شیبة واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابی یعلی والطحاوی والمروزی فی مسند علی والضیاء، سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ عند النسائی وابن جریر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عند احمد وابی داؤد وابی یعلی وابن خزیمة والطحاوی وابن حبان والضیاء، زر بن حبیش عند احمد وابی داؤد وسمویہ والضیاء، ابو الغریف عند احمد وابی یعلی، ابو مطر عند عبد بن حمید۔

حضرت علی مرتضٰی سے ایک راوی عبد خیر ہیں جن کی روایت عبد الرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، سعید بن منصور، دارمی، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی، ابن منیع، ابن خزیمہ، ابو یعلٰی، ابن الجارود، ابن حبان، دارقطنی اور ضیاء نے ذکر کی ہے —— دوسرے راوی ابو حیہ ہیں جن کی روایت عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابو یعلٰی، طحاوی اور مروزی نے مسند علی میں اور ضیاء نے ذکر کی ہے — تیسرے راوی سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جن کی روایت نسائی، طحاوی اور ابن جریر نے ذکر کی ہے — چوتھے راوی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں جن کی روایت امام احمد، ابوداؤد، ابو یعلٰی، ابن خزیمہ، امام طحاوی، ابن حبان اور ضیاء نے ذکر کی ہے — پانچویں راوی زر بن حبیش ہیں جن کی روایت امام احمد، ابوداؤد، سمویہ اور ضیاء نے ذکر کی ہے — چھٹے راوی ابو الغریف ہیں جن کی روایت امام احمد اور ابو یعلٰی نے ذکر کی ہے۔ ساتویں راوی ابو مطر ہیں جن کی روایت عبد بن حمید نے ذکر کی ہے۔

یونہی عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی احادیث کثیرہ بطریق عدیدہ مروی ہوئیں سب کی تفصیل باعثِ تطویل۔ ان تمام حدیث کا ترک ذکر مسواک پر اتفاق تو یہ بتا رہا ہے کہ اس وقت مسواک نہ فرمانا ہی معتاد تھا ورنہ کوئی تو ذکر کرتا۔

اقول بلکہ صدہا احادیث متعلق وضو و مسواک اس وقت سامنے ہیں کسی ایک حدیث صحیح صریح سے اصلاً مسواک کے لئے وقتِ مضمضہ یا داخلِ وضو ہونے کا پتا نہیں چلتا جن بعض سے اشتباہ ہوا اُس سے

دفع شبہہ کریں۔

حدیث اوّل محقق علی الاطلاق نے صرف ایک حدیث پائی جس سے اس پر استدلال ہوسکے۔

حیث قال بعد ذکر احادیث فانه فی الصحیحین قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك مع کل صلٰوۃ اوعند کل صلٰوۃ وعند النسائی فی روایة عند کل وضوء ورواھا ابن خزیمة فی صحیحه وصححھا الحاکم وذکرھا البخاری تعلیقا ولا دلالة فی شیئ علی کونه فی الوضوء الا ھذہ وغایة مایفید الندب وھو لایستلزم سوی الاستحباب اذ یکفیه اذا ندب لشیئ ان یتعبد به احیانا ولا سنة دون المواظبة۔[1]

اس طرح کہ انھوں نے متعدد حدیثیں ذکر کرنے کے بعد لکھا: اور بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اپنی امت پر گراں نہ جانتا تو انھیں ہر نماز کے ساتھ، یا ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا ۔۔۔ اور نسائی کی ایک روایت میں ہے: ہر وضو کے وقت۔ اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ۔۔۔ حاکم نے اسے صحیح کہا اور امام بخاری نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ۔۔۔ ان احادیث میں سے کسی میں مسواک کے وضو کے اندر ہونے پر کوئی دلالت نہیں، مگر صرف اس روایت میں ۔۔۔ اور یہ بھی زیادہ سے زیادہ ندب کا افادہ کررہی ہے اور یہ صرف استحباب کو مستلزم ہے اس لئے کہ اس میں یہ کافی ہے کہ حضور جب کسی چیز کی ترغیب دیں تو بعض اوقات اسے عبادت قرار دے دیں اور مسنون ہونا حضور کی مداومت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

اُنھیں کا اتباع اُن کے تلمیذ محقق حلبی نے حلیہ میں کیا۔

اقول اوّلاً احادیث[ف] میں مشہور ومستفیض یہاں ذکر نماز ہے یعنی لفظ،

عند کل صلٰوۃ یا مع کل صلٰوۃ، رواہ — ہر نماز کے وقت یا ہر نماز کے ساتھ ۔۔۔ اسے

ف: تطفل علی الفتح والحلیة۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲

مالک[1] واحمد[2] والستة عن[3] | امام مالک، امام احمد اور اصحاب ستہ نے حضرت

عـہ قال الشوکانی فی نیل الاوطار" قال النووی غلط بعض الائمة الکبار فزعم ان البخاری لم یخرجه وھو خطأ منه وقد اخرجه من حدیث مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرة ولیس ھو فی المؤطا من ھذا الوجه بل ھو فیه عن ابن شھاب عن حمید عن ابی ھریرة قال" لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک مع کل وضوء ولم یصرح برفعه قال ابن عبد البر وحکمه الرفع وقد رواہ الشافعی عن مالک مرفوعاً[2] ھذا کلامه فی النیل ثم جعل یعد بعض ما ورد فی الباب ولم یعلم ما انتھی الیه کلام الامام النووی —

عـہ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا کہ — امام نووی نے فرمایا: بعض ائمہ کبار نے غلطی سے یہ دعوٰی کیا کہ امام بخاری نے یہ حدیث روایت نہ کی، اور یہ دعوٰی غلط ہے۔ امام بخاری نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے وہ ابوالزناد سے، وہ اعرج سے وہ ابوہریرہ سے راوی ہیں۔ اور امام مالک کی موطا میں یہ حدیث اس سند کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں ابن شہاب زہری سے روایت ہے وہ حمید سے وہ ابوھریرہ سے راوی ہیں انھوں نے فرمایا": اگر میں اپنی اُمت پر گراں نہ جانتا تو انھیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا"۔ اور اس کے مرفوع ہونے کی صراحت نہ کی — ابن عبدالبر نے کہا یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ اور اسے امام شافعی نے امام مالک سے مرفوعاً روایت کیا ہے — یہ نیل الاوطار کی عبارت ہے۔ اس کے بعد اس باب میں وارد ہونے والی کچھ حدیثیں شمار کرانا شروع کر دیا اور یہ نہ بتایا کہ امام نووی کا کلام کہاں ختم ہُوا۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] مؤطا الامام مالک — کتاب الطہارۃ — باب جاء فی السواک — میر محمد کتب خانہ کراچی — ص ۵۱
مسند الامام احمد بن حنبل — عن ابی ھریرۃ — المکتب الاسلامی بیروت — ۲/۲۴۵
صحیح البخاری — کتاب الجمعہ — باب السواک — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۱۲۲
صحیح مسلم — کتاب الطہارۃ — " — " — " — ۱/۱۲۸
[2] نیل الاوطار — ابواب السواک وسنن الفطرۃ باب الحث علی السواک — مصطفی البابی مصر — ۱/۱۲۶

ابی ھریرۃ واحمد و ابوداؤد و النسائی والترمذی والضیاء عن زید بن خالد[1] واحمد بسند جید عن ام المؤمنین زینب بنت جحش[2] وکابن ابی خیثمۃ وابن جریر عن ام المؤمنین ام حبیبۃ[3] والبزار

ابوہریرہ سے روایت کیا۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ضیاء نے زید بن خالد سے روایت کیا۔ امام احمد نے بسند جید ام المومنین زینب بنت جحش سے، اور ابن ابی خیثمہ وابن جریر کی طرح ام المومنین ام حبیبہ سے روایت کیا۔ بزار

ف: رد علی الشوکانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول لاظن قولہ لیس ھو فی المؤطا الخ من کلام الامام وھو خطأ اشد واعظم فان الحدیث فی المؤطا اولا بعین السند المذکور فی البخاری رفعا ثم متصلا بہ بالسند الاخر وقفا وقد روی ھذا ایضا معن بن عیسٰی وایوب بن صالح وعبدالرحمن بن مھدی وغیرھم عن مالک مرفوعًا وھؤلاء کلھم من رواۃ المؤطا اھ منہ۔

اقول میں نہیں سمجھتا کہ یہ الفاظ "اور امام مالک کی مؤطا میں یہ حدیث اس سند کے ساتھ نہیں الخ" امام نووی کے کلام میں ہوں جب کہ یہ بہت شدید اور عظیم خطا ہے اس لئے کہ یہ حدیث مؤطا میں پہلے بعینہ بخاری ہی کی ذکر کردہ سند کے ساتھ مرفوعًا ہے پھر اس سے متصل دوسری سند کے ساتھ موقوفًا ہے۔ اور اسے معن بن عیسٰی، ایوب بن صالح، عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم نے بھی امام مالک سے مرفوعًا روایت کیا ہے اور یہ سب حضرات مؤطا کے راوی ہیں ۱۲ منہ (ت)

ف: رد علی الشوکانی

[1] مسند الامام احمد بن حنبل بقیہ حدیث زید بن خالد الجہنی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۱۶
سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی السواک حدیث ۲۲ دار الفکر بیروت ۱/ ۹۹
سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب کیف یستاک آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷
کنز العمال بحوالہ حم ت والضیاء عن زید بن خالد الجہنی حدیث ۲۶۱۹۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۵

[2] مسند الامام احمد بن حنبل حدیث زینب بنت جحش المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۲۹

[3] مسند الامام احمد بن حنبل حدیث ام حبیبہ بنت ابی سفیان " " ۶/ ۳۲۵
کنز العمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۲۶۲۰۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۷

وسمویہ عن انس[1] وھما والطبرانی و
ابو یعلی والبغوی والحاکم عن سیدنا
العباس[2] واحمد والبغوی والطبرانی
وابونعیم والباوردی وابن قانع والضیاء
عن تمام[3] بن العباس واحمد والباوردی
عن تمام[4] بن قثم وصوبوا کونہ عن العباس
وعثمٰن بن سعید الدارمی فی الرد علی الجھمیۃ
والدارقطنی فی احادیث النزول عن
امیرالمؤمنین[5] علی والطبرانی فی الکبیر
عن ابن عباس[6] وفی الاوسط کالخطیب
عن ابن عمر[7] وابونعیم فی السواک عن
ابن عمر[8] وسعید بن منصور عن

وسمویہ نے حضرت انس سے، بزار وسمویہ اور
طبرانی، ابویعلی، بغوی اور حاکم نے سیدنا عباس
سے ـــ امام احمد، بغوی، طبرانی، ابونعیم، باوردی،
ابن قانع اور ضیاء نے تمام بن العباس سے ـــ امام
احمد و باوردی نے تمام بن قثم سے روایت کیا اور
بتایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عباس سے ہے۔
عثمان بن سعید دارمی نے الرد علی الجھمیہ میں، اور
دارقطنی نے احادیث نزول میں امیرالمومنین حضرت
علی سے ـــ اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت
ابن عباس سے ـــ اور معجم اوسط میں خطیب کی
طرح حضرت ابن عمر سے ـــ اور ابونعیم نے سواک
میں حضرت ابن عمرو سے ـــ اور سعید بن منصور

---

[1] کنز العمال بحوالہ البزار حدیث ۲۶۱۷۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۳
" " سمویہ " ۲۶۲۰۷ " " " ۹/ ۳۱۷
[2] المعجم الکبیر " ۱۳۰۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۶۳
المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ اولا ان اشق علی امتی الخ دار الفکر " ۱/ ۱۴۶
[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۰۳ المکتبۃ الفیصلیۃ " ۲/ ۶۴
کنز العمال بحوالہ حم والبغوی الخ " ۲۶۲۱۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۸
[4] " " " " " " " "
مسند احمد بن حنبل حدیث قثم بن تمام او تمام بن قثم الخ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۴۲
[5]
[6] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۱۲۵ و ۱۱۱۳۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۸۵ و ۸۶
[7] المعجم الاوسط " ۸۴۴۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۲۰۴
[8] کنز العمال بحوالہ ابی نعیم عن ابن عمر حدیث ۲۶۱۹۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۶

مکحول[1] وابوبکر بن ابی شیبۃ عن حسان[2] بن عطیۃ کلاھما مرسل۔

نے مکحول سے اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے حسان بن عطیہ سے روایت کی۔ یہ دونوں مرسل ہیں۔(ت)

اور بعض میں ذکرِ وضو ہے یعنی:

مع کل وضوء یا عند کل وضوء رواہ الائمۃ مالک[3] والشافعی واحمد والنسائی وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ والطبرانی[4] فی الاوسط بسند حسن عن علی وفی الکبیر[5] عن تمام بن العباس وابن جریر[6] عن زید بن خالد رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔

ہر وضو کے ساتھ یا ہر وضو کے وقت ___ اسے امام مالک، امام شافعی، امام احمد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے ___ اور طبرانی نے معجم اوسط میں بسندِ حسن حضرت علی سے۔ اور معجم کبیر میں تمام بن عباس سے۔ اور ابن جریر نے زید بن خالد سے روایت کی۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ (ت)

جب روایاتِ متواترہ میں عند کل صلٰوۃ یا مع کل صلٰوۃ آنے سے ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک نماز سے اتصال بھی ثابت نہ ہُوا بلکہ اتصال حقیقی اصلاً کسی کا قول نہیں

---

[1] کنز العمال بحوالہ ص عن مکحول حدیث ۲۶۱۹۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۱۶/۹

[2] المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الطہارات ما ذکر فی السواک حدیث ۱۸۰۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۵۷/۱

[3] موطا الامام مالک کتاب الطہارۃ باب ما جاء فی السواک میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۱

الام (للشافعی) " باب السواک دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷۵/۱

مسند الامام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲۴۵/۲

سنن النسائی کتاب الطہارۃ الرخصۃ فی السواک الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۶/۱

صحیح ابن خزیمۃ حدیث ۱۴۰ المکتب الاسلامی بیروت ۷۳/۱

المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ دار الفکر بیروت ۱۴۶/۱

السنن الکبرٰی للبیہقی " باب الدلیل علی ان السواک الخ دار صادر بیروت ۳۶/۱

[4] المعجم الاوسط حدیث ۱۲۶۰ مکتبۃ المعارف بیروت ۱۳۸/۲

[5] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۰۲ المکتبۃ الفیصلیۃ " ۶۴/۲

[6] کنز العمال بحوالہ ابن جریر عن زید بن خالد حدیث ۲۶۱۹۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۱۶/۹

حتی کہ شافعیہ جو اُسے سنن نماز سے مانتے ہیں تو بعض روایات میں عند کل وضوء آنے سے داخل وضو ہونا کیونکر رنگ ثبوت پائے گا۔

فليست عند لجعل مدخولها ظرفا لموصوفها بحيث يقع فيه انما مفادها القرب والحضور حسًّا او معنًى فلا تقول زيد عند الدار اذا كان فيها بل اذا كان قريبا منها والقرب المفهوم هو العرفى دون الحقيقى وله عرض عريض الا ترى الى قوله تعالى عند سدرة المنتهى عندها جنة المأوى[1] مع ان السدرة فى السماء السادسة كما فى صحيح مسلم عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه والجنة فوق السموٰت۔

کیونکہ لفظ "عند" یہ بتانے کے لئے نہیں کہ اس کا مدخول اس کے موصوف کا ایسا ظرف ہے کہ وُہ اسی کے اندر واقع ہے بلکہ اس کا مفاد صرف قریب اور حاضر ہونا ہے حِسًّا یا معنًی ۔ زید عند الدار (زید گھر کے پاس ہے) اُس وقت نہیں بولتے جب زید گھر کے اندر ہو بلکہ اس وقت بولتے ہیں جب گھر سے قریب ہو ۔ اور یہاں جو قریب سمجھا جاتا ہے وُہ عرفی ہوتا ہے حقیقی نہیں ہوتا ۔ اور قرب عرفی کا میدان بہت وسیع ہے ۔ دیکھئے باری تعالٰی کا ارشاد ہے "سدرۃ المنتہٰی کے پاس، اسی کے پاس جنۃ الماوٰی ہے" ۔ حالاں کہ سدرہ چھٹے آسمان میں ہے ۔ جیسا کہ صحیح مسلم[2] میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے ۔ اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے۔

وبما قررنا ظهر ضعف ما وقع فى عمدة القارى تحت الحديث فيه اباحة السواك فى المسجد لان "عند" يقتضى الظرفية حقيقة فيقتضى استحبابه فى كل صلٰوة، وعند بعض المالكية

ہماری اس تقریر سے اُس کا ضعف واضح ہوگیا جو عمدۃ القاری میں اس حدیث کے تحت رقم ہوگیا کہ: اس سے مسجد کے اندر مسواک کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ "عند" حقیقۃً ظرفیت چاہتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ مسواک ہر نماز کے اندر مستحب ہو ۔ اور بعض مالکیہ

ف : بیان مفاد عند ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۳ /۱۴ و ۱۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۹۷

كراهته في المسجد لاستقذاره والمسجد ينزه عنه[1] اھ۔

اقول[ف۱] اولاً حقيقة الظرفية غير معقولة في الصلوٰة ولاهي مفاد عند كما علمت۔

وثانياً[ف۲] قد قال الامام العيني نفسه قبل هذا بورقة ما نصه فان قلت كيف التوفيق بين رواية عند كل وضوء ورواية عند كل صلوٰة قلت السواك الواقع عند الوضوء واقع للصلوٰة لان الوضوء مشروع لها[2] اھ۔

وثالثاً[ف۳] كيف يباح الاستياك[ف۴] في المسجد مع حرمة المضمضة والتفل فيه والسواك يستعمل مبلولا ويستخرج الرطوبات فلا يؤمن ان يقطر منها شئ وكل ذلك لايجوز في المسجد الا ان يكون في اناء او موضع فيه

کے نزدیک یہ ہے کہ مسجد میں مسواک کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے گندگی ہوگی اور مسجد کو اس سے بچایا جائے گا اھ۔

اقول اس پر چند کلام ہیں: **اوّل** نماز کے اندر حقیقی ظرفیت کا تصور نہیں ہوسکتا اور یہ "عند" کا مفاد بھی نہیں جیسا کہ ابھی واضح ہوا۔

دوم اس سے ایک ورق پہلے خود امام عینی یہ لکھ چکے ہیں: اگر سوال ہو کہ عند کل وضوء کی روایت اور عند کل صلوٰۃ کی روایت میں تطبیق کیسے ہوگی؟ تو میں کہوں گا: وضو کے وقت ہونے والی مسواک نماز کے لئے بھی واقع ہے اس لئے کہ وضو نماز ہی کے لئے مشروع ہوا ہے اھ۔

سوم مسجد میں مسواک کرنا جائز کیسے ہوگا جب اس میں کلی کرنا اور تھوکنا حرام ہے اور مسواک تر کرکے استعمال ہوتی ہے اور منہ سے رطوبتیں بھی نکالتی ہے جن میں سے کچھ مسجد میں ٹپکنے کا بھی اندیشہ ہے اور یہ سب مسجد میں جائز نہیں مگر یہ کہ کسی برتن کے اندر ہو یا کوئی ایسی جگہ ہو

ف۱: **تطفل** على الامام العيني۔ ف۲: **تطفل** اٰخر عليه۔ ف۳: **تطفل** ثالث عليه۔

ف۴: **مسئلہ** مسجد میں مسواک کرنی نہ چاہئے۔ مسجد میں کلی کرنا حرام ہے مگر یہ کہ کسی برتن میں ہو یا بانیِ مسجد نے وقت بنائے مسجد اس میں کوئی جگہ خاص اس کام کے لئے بنادی ہو ورنہ اجازت نہیں۔

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب السواک یوم الجمعۃ تحت حدیث ۸۸۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۲۶۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶/ ۲۶۰

معد لذلك من حين البناء كما بيناه فی فتاوٰنا۔
جو تعمیر مسجد کے وقت ہی سے اسی لئے بنا رکھی گئی ہو۔ جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔

ورابعًا[ف۱] ماذکرہ لیس قول بعض المالکیۃ بل قول امام دار الھجرۃ نفسہ حکاہ عنہ القرطبی فی المفھم کما فی المواھب اللدنیۃ۔
چہارم جو انھوں نے ذکر کیا وہ بعض مالکیہ کا قول نہیں بلکہ خود امام دار الہجرۃ کا قول ہے ان سے قرطبی نے المفہم میں اس کی حکایت کی ہے، جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔

ثانیًا عند[ف۲] الوضوء میں خصوصیت وقت مضمضہ بھی نہیں تو حدیث اگر بوجہ عدم افادہ مواظبت سنیت ثابت نہ کرے گی بوجہ عدم تعیین وقت استحباب عند المضمضہ بھی نہ بتائے گی فافہم۔

حدیث دوم طبرانی اوسط میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان العبد اذا غسل رجلیہ خرجت خطایاہ واذا غسل وجھہ وتمضمض وتشوص واستنشق ومسح برأسہ خرجت خطایا سمعہ وبصرہ ولسانہ واذا غسل ذراعیہ وقدمیہ کان کیوم ولدتہ اُمّہ۔[۱]
بے شک بندہ جب اپنے پاؤں دھوتا ہے اُس کے گناہ دور ہوجاتے ہیں اور جب مُنہ دھوتا اور کُلّی کرتا دھوتا مانجھتا پانی سونگھتا سر کا مسح کرتا ہے اس کے کانوں آنکھوں اور زبان کے گناہ نکل جاتے ہیں، اور جب کلائیاں اور پاؤں دھوتا ہے ایسا ہوجاتا ہے جیسا اپنی ماں سے پیدا ہوتے وقت تھا۔

اقول اوّلًا شوص دھونا اور پاک کرنا ہے کما فی الصحاح (جیسا کہ صحاح میں ہے۔ ت)
قال الرازی:

الشوص الغسل والتنظیف[۲] اھ۔
شوص کے معنے دھونا اور صاف کرنا ہے اھ (ت)

ف۱: تطفل رابع علیہ۔
ف۲: تطفل اٰخر علی الفتح۔

---

[۱] المعجم الاوسط حدیث ۴۲۹۴ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/۲۰۲
کنز العمال حدیث ۲۶۰۴۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۲۸۹
[۲] الصحاح (للجوہری) باب الصاد فصل الشین دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۸۲۶

وفی القاموس الدلك باليد ومضغ السواك والاستنان به او الاستياك ووجع الضرس والبطن والغسل والتنقية[1]۔

اور قاموس میں ہے : ہاتھ سے ملنا۔ مسواک چبانا اور اس سے دانت مانجنا۔ یا مسواک کرنا۔ ڈاڑھ اور پیٹ کا درد۔ دھونا اور صاف کرنا۔(ت)

ثانیاً حدیث میں افعال بترتیب نہیں تو ممکن کہ مسواک سب سے پہلے ہو، اور یہی حدیث کہ امام احمد نے بسندِ حسن مرتباً روایت کی اس میں ذکرِ شوص نہیں اس کے لفظ یہ ہیں :

عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه قال ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ایما رجل قام الی وضوئه یرید الصلٰوة ثم غسل کفیه نزلت کل خطیئة من کفیه مع اول قطرة فاذا امضمض واستنشق واستنثر نزل کل خطیئة من لسانه وشفتیه مع اول قطرة فاذا غسل وجهه نزلت کل خطیئة من سمعه و بصره مع اول قطرة فاذا غسل یدیه الی المرفقین ورجله الی الکعبین سلم من کل ذنب کهیأة یوم ولدته امه[2]۔

(حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا:) جب آدمی نماز کے ارادے سے وضو کو اُٹھے پھر ہاتھ دھوئے تو ہاتھ کے سب گناہ پہلے قطرہ کے ساتھ نکل جائیں، پھر جب کُلّی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور صاف کرے زبان ولب کے سب گناہ پہلی بوند کے ساتھ ٹپک جائیں، پھر جب مُنہ دھوئے آنکھ کان کے سب گناہ پہلے قطرہ کے ساتھ اُتر جائیں، پھر جب کُہنیوں تک ہاتھ اور گٹوں تک پاؤں دھوئے سب گناہوں سے ایسا خالص ہوجائے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہُوا تھا۔

فائدہف : یہ نفیس وعظیم بشارت کہ امتِ محبوب صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر رب عزّوجل کا عظیم فضل اور نمازیوں کے لئے کمال تہنیت اور بے نمازوں پر سخت حسرت ہے بکثرت احادیثِ صحیحہ معتبرہ میں وارد ہوئی، اس معنی کی حدیثیں حدیثِ[1] ابو امامہ کے علاوہ صحیح مسلم شریف میں

ف : وضو سے گناہ دُھلنے کی حدیثیں۔

[1] القاموس المحیط باب الصاد فصل الشین مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۳۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی امامۃ الباھلی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۶۳

امیر المومنین عثمٰن غنی[1] و ابوہریرہ[2] و عمرو بن عبسہ[3] اور مالک[4] و احمد و نسائی و ابن ماجہ و حاکم کے یہاں عبداللہ صنابحی[5] اور طحاوی و معجم کبیر طبرانی میں عباد[6] والد ثعلبہ اور مسند احمد میں مرہ[7] بن کعب اور مسند مسدد و ابی یعلی میں انس[8] بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہیں ان میں حدیث صنابحی و حدیث عمرو سب سے اتم ہیں کہ ان میں ناک کے گناہوں کا بھی ذکر ہے اور مسح سر کرنے سے سر کے گناہ نکل جانے کا بھی۔

ففی الاول اذا استنثر خرجت الخطایا من انفہ ثم قال بعد ذکر الوجہ والیدین فاذا مسح راسہ خرجت الخطایا من راسہ حتی تخرج من اذنیہ[1]، وفی الثانی ما منکم رجل یقرب وضوءہ فیتمضمض ویستنشق ویستنثر الا

حدیث صنابحی میں یہ ہے: "جب ناک صاف کرے تو ناک کے گناہ گرجائیں" ــــ پھر چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے ذکر کے بعد ہے: "پھر اپنے سر کا مسح کرے تو اس کے سر سے گناہ نکل جائیں یہاں تک کہ کانوں سے بھی نکل جائیں" ــــ اور حدیث عمرو میں ہے: "تم میں جو بھی وضو کے لئے جا کر کُلّی کرے ناک میں پانی ڈالے اور جھاڑے تو اس کے چہرے

ع۱ رواہ ایضا احمد وابن ماجۃ ۱۲ منہ۔

ع۱ اور اسے امام احمد و ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

ع۲ و رواہ ایضا مالک والشافعی والترمذی والطحاوی ۱۲ منہ۔

ع۲ اور اسے امام مالک، امام شافعی اور ترمذی و طحاوی نے بھی روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

ع۳ و رواہ ایضا احمد وابوبکر بن ابی شیبۃ والامام الطحاوی والضیاء وھو عند الطبرانی فی الاوسط مختصرا و ابن زنجویۃ بسند صحیح ۱۲ منہ۔

ع۳ اور اسے امام احمد، ابوبکر بن ابی شیبہ، امام طحاوی اور ضیا نے بھی روایت کیا اور یہ طبرانی کی معجم اوسط میں مختصراً اور ابن زنجویہ کے یہاں بسند صحیح مروی ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ مالک، حم، ن، ہ، ک حدیث ۲۶۰۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۲۸۵
موطا الامام مالک کتاب الطہارۃ باب جامع الوضوء میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱
مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عبداللہ الصنابحی المکتب الاسلامی بیروت ۴/۳۴۸ و ۳۴۹
سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین مع الراس نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹
المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ دار الفکر بیروت ۱/۱۲۹

خرجت خطایا وجهه من فیه و خیاشمه ثم قال بعد ذکر الوجه و الیدین ثم یمسح رأسه الاخرت خطایا رأسه من اطراف شعرہ مع الماء[1]

کے گناہ منہ سے اور ناک کے بانسوں سے نکل پڑیں"۔ پھر چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے ذکر کے بعد ہے "پھر اپنے سر کا مسح کرے تو اس کے سر کے گناہ بال کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جائیں"۔ (ت)

بہت علما فرماتے ہیں یہاں گناہوں سے صغائر مراد ہیں۔

اقول تحقیق یہ ہے کہ کبائر بھی دُھلتے ہیں اگرچہ زائل نہ ہوں، یہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ اکابر اولیائے کرام قدست اسرارہم کا مشاہدہ ہے جسے فقیر نے رسالہ الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل (۱۳۲۰ھ) میں ذکر کیا اور کرم مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحر بے پایاں ہے حدث عن البحر ولاحرج والحمد للہ رب العٰلمین (بحر سے بیان کیا، اس میں کوئی حرج نہیں والحمدللہ رب العٰلمین۔ ت) اور بات وہ ہے جو خود مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بشارت بیان کرکے ارشاد فرمائی کہ لاتغتروا اس پر مغرور نہ ہونا رواہ البخاری[2] عن عثمٰن ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہم، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

حدیث سوم سنن بیہقی میں ہے:

عن عبداللہ بن المثنی قال حدثنی بعض اھل بیتی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رجلا من الانصار من بنی عمرو بن عوف قال یارسول اللہ انك رغبتنا فی السواك فھل دون ذٰلك من شیئ؟ قال اصبعك سواك عند وضوئك

(عبداللہ بن المثنی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھے میرے گھر والوں میں سے کسی نے بیان کیا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ بنی عمرو بن عوف سے) ایک انصاری نے عرض کی یارسول اللہ! حضور نے مسواک کی طرف ہمیں ترغیب فرمائی کیا اس کے سوا بھی کوئی صورت ہے؟ فرمایا: وضو کے وقت تیری انگلی مسواک ہے کہ

---

[1] کنز العمال بحوالہ مالک حم، م حدیث ۲۶۰۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۲۸۶
صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب اسلام عمرو بن عبسۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۶

[2] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب یایہا الناس ان وعد اللہ حق الخ " " ۲/۹۵۲

تمر بہا علی اسنانك انہ لا عمل لمن لا نیۃ لہ ولا اجر لمن لا خشیۃ لہ[1]۔

اپنے دانتوں پر پھیرے، بیشک بے نیت کے کوئی عمل نہیں اور بے خوف الٰہی کے ثواب نہیں۔

اقول اوّلاً یہ حدیث ضعیف ہے لما تری من الجہالۃ فی سندہ وقد ضعفہ البیہقی (جیسا کہ تُو دیکھتا ہے اس کی سند میں جہالت ہے اور امام بیہقی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ت)

ثانیاً وثالثاً لفظ عند وضوءك میں وہی مباحث ہیں کہ گزرے۔

حدیث چہارم ایک حدیث مرسل میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الوضوء شطر الایمان والسواك شطر الوضوء، رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ[2] عن حسان بن عطیۃ ورستۃ فی کتاب الایمان عنہ بلفظ السواك نصف الوضوء والوضوء نصف الایمان[3]۔

وضو ایمان کا حصّہ ہے اور مسواک وضو کا حصہ ہے۔ اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا، اور رستہ نے اس کو ان سے کتاب الایمان میں ان الفاظ سے روایت کیا کہ، مسواک نصف وضو ہے اور وضو نصف ایمان (ت)

اقول یعنی ایمان بے وضو کامل نہیں ہوتا اور وضو بے مسواک۔ اس سے مسواک کا داخلِ وضو ہونا ثابت نہیں ہوتا جس طرح وضو داخل ایمان نہیں، ہاں وجہ تکمیل ہونا مفہوم ہوتا ہے وہ ہر سنت کے لئے حاصل ہے قبلیہ ہو خواہ بعدیہ، جس طرح صبح وظہر کی سنتیں فرضوں کی مکمل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ثالثاً اقول جب یہ محقق ہولیا کہ مسواک سنّت ہے اور ہمارے علما اسے سنّتِ وضو مانتے اور شافعیہ کے ساتھ اپنا خلاف یونہی نقل فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک سنّتِ نماز ہے اور ہمارے نزدیک سنّتِ وضو، اور متون مذہب قاطبۃً یک زبان یک زبان صریح فرمارہے ہیں کہ مسواک سُننِ وضو سے ہے تو اس سے عدول کی کیا وجہ ہے، سنّتِ شے قبلیہ ہوتی ہے یا بعدیہ یا داخلہ جیسے رکوع میں تسویہ ظہر۔ مگر روشن بیانوں سے ثابت ہُوا کہ مسواک وضو کی سنّتِ داخلہ نہیں کہ سنت بے مواظبت نہیں اور وضو کرتے میں مسواک فرمانے پر مداومت درکنار اصلاً ثبوت ہی نہیں اور سنّتِ بعدیہ نہ کوئی مانتا ہے نہ اُس کا محل ہے کہ مسواک سے خون نکلے تو وضو بھی جائے۔ بحرالرائق میں ہے:

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب الطہارۃ باب الاستیاک بالاصابع دارصادر بیروت ۱/۴۱
[2] المصنف لابن ابی شیبہ ماذکر فی السواک حدیث ۱۸۰۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۵۷
[3] الجامع الصغیر (للسیوطی) بحوالہ رستہ حدیث ۹۸۳۵ " " " ۲/۲۹۷

وعلله السراج الهندی فی شرح الهدایة بانه اذا استاك للصلٰوة ربما یخرج منه دم وھو نجس بالاجماع وان لم یکن ناقضا عند الشافعی رضی الله تعالٰی عنه۔[1]

اور سراج ہندی نے اپنی شرح ہدایہ میں اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جب نماز کے لئے وضو کرے گا تو بعض اوقات اس سے خون نکل جائے گا۔ اور یہ بالاجماع نجس ہے اگرچہ امام شافعی کے نزدیک ناقضِ وضو نہیں۔ (ت)

لاجرم ثابت ہوا کہ سنتِ قبلیہ ہے اور یہی مطلوب تھا اور خود حدیثِ صحیح مسلم اس کی طرف ناظر، اور حدیث سنن ابی داؤد اس میں نص۔

کما تقدم اما تعلیل التبیین عدم استنانه فی الوضوء بانه لایختص به۔

جیسا کہ گزرا، مگر تبیین میں مسواک کے سنتِ وضو نہ ہونے کی علت یہ بتانا کہ مسواک وضو کے ساتھ خاص نہیں۔ (ت)

اقول اولا[ف1] لایلزم لسنة الشیئ الاختصاص به الا تری ان ترك اللغو سنة مطلقا ویتأکد استنانه للصائم والمحرم والمعتکف والتسمیة کما لا تختص بالوضوء لاتختص بالاکل ولا یسوغ انکار انها سنة للاکل، وثانیا[ف2] اذا واظب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی شیئ فی شیئین فھل یکون ذلك سنة فیهما او فی احدھما اولا فی شیئ منهما الثالث

اقول اس پر اولاً یہ کلام ہے کہ سنتِ شے ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس شے کے ساتھ خاص بھی ہو۔ دیکھئے ترکِ لغو مطلقاً سنت ہے اور روزہ دار، صاحبِ احرام اور معتکف کے لئے اس کا مسنون ہونا اور مؤکد ہوجاتا ہے ــــ اور تسمیہ جیسے وضو کے ساتھ خاص نہیں کھانے کے ساتھ بھی خاص نہیں مگر تسمیہ کے کھانے کی سنت ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں۔ دوسرا کلام یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی عمل پر دو چیزوں کے اندر مواظبت فرمائیں تو وہ ان دونوں میں سنت ہوگا یا ایک میں ہوگا یا کسی میں نہ ہوگا۔ تیسری

ف1: تطفل علی الامام الزیلعی ف2: تطفل آخر علیه

---

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ سنن الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰

باطل و الا یخلف المحدود مع صدق الحد وکذا الثانی مع علاوة الترجیح بلا مرجح فتعین الاول و ثبت ان الاختصاص لا یلزم الاستنان۔

شق باطل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ تعریف صادق ہے اور مُعَرَّف صادق ہی نہیں۔ یہی خرابی دوسری شق میں بھی لازم آئے گی، مزید برآں ترجیح بلا مرجح بھی۔ تو پہلی شق متعین ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ سنّت ہونے کے لئے خاص ہونا لازم نہیں۔

اما ما فی عمدة القاری

اختلف العلماء فیه فقال بعضهم انه من سنة الوضوء وقال اٰخرون انه من سنة الصلٰوة وقال اٰخرون انه من سنة الدین و هو الاقوی نقل ذٰلك عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه[1] اھ ذکره فی باب السواك من ابواب الوضوء و زاد فی باب السواك یوم الجمعة ان المنقول عن ابی حنیفة انه من سنن الدین فحینئذ یستوی فیه کل الاحوال[2] اھ۔

اب رہا وہ جو عمدۃ القاری میں ہے: اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا سنّتِ وضو ہے بعض دیگر نے کہا سنّتِ نماز ہے۔ اور کچھ حضرات نے فرمایا سنّتِ دین ہے، اور یہی زیادہ قوی ہے، یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے اھ، یہ علامہ عینی نے ابواب الوضو کے باب السواک میں ذکر کیا، اور باب السواک یوم الجمعہ میں اتنا اضافہ کیا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ "مسواک دین کی سنّتوں میں سے ہے"۔ تو اس میں تمام احوال برابر ہوں گے اھ۔

اقول یؤیده حدیث الدیلمی عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه و سلم السواك سنة فاستاکوا ای وقت شئتم[3]۔

اقول اس کی تائید دیلمی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مسواک سنّت ہے تو تم جس وقت چاہو مسواک کرو۔

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء باب السواک تحت حدیث ۲۴۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/۲۷۴

[2] " " " کتاب الجمعۃ " الخ " ۸۸۷ " " " " ۶/۲۶۱

[3] کنز العمال بحوالہ فر حدیث ۲۶۱۶۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۳۱۱

ولکن اولا [ف۱] لاکونه سنة فی الوضوء ینفی کونه من سنن الدین بل یقررہ ولاکونه سنة مستقلة ینافی کونه من سنن الوضوء کما قررنا الاتری ان الماثور عنه رضی اللہ تعالٰی عنه انه من سنن الدین واطبقت حملة عرش مذھبه المتین المتون علی انه من سنن الوضوء و نصھا عین نصه رضی اللہ تعالٰی عنه۔

لیکن اوّلاً نہ تو اس کا سنتِ وضو ہونا، سنتِ دین ہونے کی نفی کرتا ہے ۔ بلکہ اس کی تائید کرتا ہے ۔ اور نہ ہی اس کا سنت مستقلہ ہونا، سنتِ وضو ہونے کے منافی ہے جیسا کہ ہم نے تقریر کی ۔ یہی دیکھئے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ مسواک دین کی ایک سنّت ہے اور ان کے مذہب متین کے حامل جملہ متون کا اس پر اتفاق ہے کہ مسواک وضو کی ایک سنت ہے ۔ اور نصِ متون خود امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص ہے ۔

وثانیا [ف۲] ھذا الامام العینی نفسه ناصا قبل ھذا بنحو ورقة ان باب السواک من احکام الوضوء عند الاکثرین[۱] اھ فلم نعدل عن قول الاکثرین وعن اطباق المتون لروایة عن الامام لاتنافیه اصلا۔

ثانیاً خود امام عینی نے اس سے ایک ورق پہلے صراحت فرمائی ہے کہ اکثر حضرات کے نزدیک مسواک کا باب احکامِ وضو سے ہے اھ تو ہم قولِ اکثر اور اتفاقِ متون سے امام کی ایک ایسی روایت کے سبب عدول کیوں کریں جو اس کے منافی بھی نہیں ہے ۔

وثالثا اعجب [ف۳] من ھذا قوله رحمه اللہ تعالٰی فی شرح قول الکنز وسنته غسل یدیه الی رسغیه ابتداء کالتسمیة والسواک

ثالثاً اس سے زیادہ عجیب شرح کنز میں علامہ عینی کا کلام ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ کنز کی عبارت یہ ہے : "سنته غسل یدیه الی رسغیه ابتداء کالتسمیة والسواک"۔

ف۱ : تطفل علی الامام العینی ف۲ : تطفل اٰخر علیه

ف۳ : ثالث علیه

---

[۱] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء باب السواک دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۲۷۲

اذ قال الامام الزیلعی قولہ والسواک یحتمل وجھین احدھما ان یکون مجرورا عطفا علی التسمیة والثانی ان یکون مرفوعا عطفا علی الغسل والاول اظھر لان السنة ان یستاک عند ابتداء الوضوء[1] اھ ما نصہ بل الاظھر ھو الثانی لان المنقول عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ما ذکرہ صاحب المفید ان السواک من سنن الدین فحینئذ یستوی فیہ کل الاحوال[2] اھ۔

اقول کونہ من سنن الدین کان یقابل عندکم کونہ من سنن الوضوء فما یغنی الرفع مع کونہ عطفا علی خبر سنتہ ای سنة الوضوء، وبوجہ آخر فـ ما المراد باستواء الاحوال نفی ان یختص بہ حال

(وضو کی سنت گٹوں تک دونوں ہاتھوں کو شروع میں دھونا ہے جیسے تسمیہ اور مسواک) ــــ اس پر امام زیلعی نے فرمایا: لفظ السواک کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ لفظ التسمیة پر معطوف ہوکر مجرور ہو ــــ دوسری یہ کہ لفظ غسل (دھونا) پر معطوف ہوکر مرفوع ہو ــــ اور اول زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ سنت یہ ہے کہ ابتدائے وضو کے وقت مسواک کرے اھ ــــ اس پر علامہ عینی فرماتے ہیں: بلکہ زیادہ ظاہر ثانی ہے اس لئے کہ جیسا کہ صاحبِ مفید نے ذکر کیا ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول یہ ہے کہ مسواک دین کی سُنتوں میں سے ہے تو اس صورت میں اس کے اندر تمام احوال برابر ہیں اھ۔

اقول آپ کے نزدیک مسواک کا سنتِ دین ہونا، سنتِ وضو ہونے کے مقابل تھا تو لفظ السواک کے مرفوع ہونے سے کیا کام بنے گا جب کہ وہ لفظ سنتہ (یعنی سنتِ وضو) کی خبر پر عطف ہوگا (معنی یہ ہوگا کہ اور ــــ وضو کی سنت ــــ مسواک کرنا بھی ہے ــــ تو اس ترکیب پر بھی سنتِ دین کے بجائے سنتِ وضو ہونا ہی

ف: تطفل رابع علیہ

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ سنن الوضوء دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۵

[2] حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ " " " "

بحیث تفقد السنیة فی غیرہ ام نفی التشکیك بحسب الاحوال بحیث لایکون التصاقه ببعضها ازید من بعض، علی الاول لاوجه لاستظهار الثانی فلوکان سنة فی ابتداء الوضوء ای اشد طلبا فی هذا الوقت والصق به لم ینتف استنانه فی غیر الوضوء، وعلی الثانی لاوجه للثانی ولا للاول فضلا عن کون احدهما اظهر من الاٰخر۔

نکلتا ہے ۱۲م) **بطرزِ دیگر** تمام احوال کے برابر ہونے سے کیا مراد ہے (۱) یہ کہ کسی حال میں مسواک کی ایسی کوئی خصوصیت نہیں جس کے باعث وہ دوسرے حال میں مسنون نہ رہ جائے (۲) یا احوال کے لحاظ سے تشکیک کی نفی مقصود ہے اس طرح کہ مسواک کا بعض احوال سے تعلق بعض دیگر سے زیادہ نہ ہو —— اگر تقدیر اول مراد ہے تو لفظ السواك کے رفع کو زیادہ ظاہر کہنے کی کوئی وجہ نہیں — کیونکہ مسواک اگر ابتدائے وضو میں سنّت ہو — یعنی اس وقت میں اس کا مطالبہ اور اس سے اس کا تعلق زیادہ ہو۔ تو اس سے غیرِ وضو میں اس کی مسنونیت کی نفی نہیں ہوتی — بر تقدیر دوم ترکیب ثانی کی کوئی وجہ رہ جاتی ہے نہ ترکیب اوّل کی کسی ایک کا دوسری سے زیادہ ظاہر ہونا تو درکنار۔ (کیونکہ تمام احوال کے برابر ہونے کا مطلب جب یہ ٹھہرا کہ کسی بھی حال سے اس کا تعلق دوسرے سے زیادہ نہیں، تو نہ یہ کہنے کی کوئی وجہ رہی کہ ابتدائے وضو میں سنّت ہے نہ یہ ماننے کی وجہ رہی کہ وضو میں مطلقاً سنّت ہے ۱۲م)

والعجب من البحر صاحب البحر انه جعل الاولٰی کون وقته عند المضمضة لاقبل الوضوء وتبع الزیلعی فی ان الجر اظهر لیفید ان الابتداء به سنة نبه علیه اخوہ

اور صاحبِ بحر پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو انھوں نے یہ مانا ہے کہ وقتِ مسواک حالتِ مضمضہ میں ہونا اولٰی ہے قبلِ وضو نہیں، اور دوسری طرف انھوں نے کنز میں لفظ السواك کا جر زیادہ ظاہر ماننے میں امام زیلعی کی پیروی بھی کرلی ہے جس کا مفاد یہ ہے مسواک وضو کے

فی النھر رحمھم اللہ تعالٰی جمیعا۔

شروع میں ہونا سنت ہے۔ اس پر ان کے برادر نے النھر الفائق میں تنبیہ کی، رحمہم اللہ تعالٰی جمیعا۔

اما تعلیل الفتح ان لا سنیۃ دون المواظبۃ[1] ولم تثبت عند الوضوء۔

اب رہی فتح القدیر کی یہ تعلیل کہ بغیر مداومت کے سنیت ثابت نہیں ہوتی اور وقتِ وضو مداومت ثابت نہیں۔

اقول الدلیل[ف۱] اعم من الدعوی فان المقصود نفی الاستنان للوضوء والدلیل نفی کونہ من السنن الداخلۃ فیہ فلم لایختار کونہ سنۃ قبلیۃ للوضوء۔

اقول دلیل دعوٰی سے اعم ہے، اس لئے کہ مدعا یہ ہے کہ مسواک وضو کے لئے سنت نہیں۔ اور دلیل یہ ہے کہ مسواک وضو کے اندر سنت نہیں۔ تو کیوں نہ یہ اختیار کیا جائے کہ مسواک وضو کی سنتِ قبلیہ ہے (یعنی وضو کے اندر تو نہیں مگر اس سے پہلے مسواک کرلینا سنتِ وضو ہے ۱۲م)۔

بالجملہ بحکم متون واحادیث اظہر وہی مختار بدائع وزیلعی وحلیہ ہے کہ مسواک کی سنت قبلیہ ہے ہاں سنتِ مؤکدہ اسی وقت ہے جب کہ مُنہ میں تغیر ہو۔ اس تحقیق پر جبکہ مسواک وضو کی سنت ہے مگر وضو میں نہیں بلکہ اُس سے پہلے ہے تو جو پانی کہ مسواک میں صرف ہوگا اس حساب سے خارج ہے سنت یہ ہے کہ[ف۲] مسواک کرنے سے پہلے دھولی جائے اور فراغ کے بعد دھو کر رکھی جائے اور کم از کم اوپر کے دانتوں اور نیچے کے دانتوں میں تین تین بار تین پانیوں سے کی جائے۔ درمختار میں ہے:

اقلہ ثلاث فی الاعالی وثلاث فی الاسافل بمیاہ ثلثۃ[2]۔

اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ تین بار اوپر کے دانتوں میں، تین بار نیچے کے دانتوں میں تین تین پانیوں سے ہو۔

ف۱: تطفل علی الفتح

ف۲: مسئلہ مسواک دھو کر کی جائے اور کر کے دھولیں اور کم از کم تین تین بار تین پانیوں سے ہو۔

۱؎ فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۲

۲؎ الدر المختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱

صغیری میں ہے:

یغسلہ عند الاستیاک وعند الفراغ منہ[1]۔ مسواک کو مسواک کرنے کے وقت اور اس سے فارغ ہونے کے بعد دھولے۔ (ت)

(۵) اس قدر تو درکار ہی ہے اور اس کے ساتھ اگر منہ میں کوئی تغیر رائحہ ہوا تو جتنی بار مسواک اور کلیوں سے اس کا ازالہ ہو لازم ہے اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں، بدبودار کثیف بے احتیاطی کا حُقہ پینے والوں کو[ف1] اس کا خیال سخت ضروری ہے اور ان سے زیادہ سگرٹ والے کہ اس کی بدبو مرکب تمباکو سے سخت تر اور زیادہ دیرپا ہے اور ان سب سے زائد اشد ضرورت تمباکو کھانے والوں کو ہے جن کے منہ میں اس کا جرم دبا رہتا اور منہ کو اپنی بدبو سے بسا دیتا ہے، یہ سب لوگ وہاں تک مسواک اور کلیاں کریں کہ منہ بالکل صاف ہوجائے اور بُو کا اصلاً نشان نہ رہے، اور اس کا امتحان یوں ہے کہ ہاتھ اپنے منہ کے قریب لے جاکر منہ کھول کر زور سے دو تین بار حلق سے پوری سانس ہاتھ پر لیں اور معاً سُونگھے بغیر اس کے اندر کی بدبو خود کم محسوس ہوتی ہے، اور جب منہ میں بدبو ہو تو مسجد میں جانا حرام نماز میں داخل ہونا منع[ف2]، واللہ الہادی۔

(۶) یُوں ہی جسے تر کھانسی ہو اور بلغم کثیر ولزوج کہ بمشکل بتدریج جدا ہو اور معلوم ہے کہ مسواک کی تکرار اور کلیوں غراروں کا اکثار اس کے خروج میں معین تو اس کے لئے بھی حد نہیں باندھ سکتے۔

(۷) یہی حال زکام کا ہے جبکہ ریزش زیادہ اور لزوجت دار ہو اس کے تصفیہ اور بار بار ہاتھ دھونے میں جو پانی صرف ہو وہ بھی جُدا اور نامعین المقدار ہے۔

(۸) پانوں کی کثرت[ف3] سے عادی خصوصاً جبکہ دانتوں میں فضا ہو تجربہ سے جانتے ہیں کہ چھالیا کے باریک ریزے اور پان کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس طرح منہ کے اطراف واکناف میں جاگیر ہوتے

ف1: مسئلہ حقہ اور سگرٹ پینے اور تمباکو کھانے والوں کے لئے مسواک میں کہاں تک احتیاط واجب ہے اور اُن کے امتحان کا طریقہ۔

ف2: مسئلہ منہ میں بدبو ہو تو جب تک صاف نہ کرلیں مسجد میں جانا یا نماز پڑھنا منع ہے۔

ف3: مسئلہ پان کے عادی کو کلیوں میں کتنی احتیاط لازم۔

---

[1] صغیری شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان یستاک مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴

ہیں کہ تین بلکہ کبھی دس بارہ[1] کلیاں بھی اُن کے تصفیہ تام کو کافی نہیں ہوتیں، نہ خلال اُنھیں نکال سکتا ہے نہ مسواک سوا کُلیوں کے کہ پانی منافذ میں داخل ہوتا اور جُنبشیں دینے سے اُن جمے ہُوئے باریک ذرّوں کو بتدریج چھڑا چھڑا کر لاتا ہے اس کی بھی کوئی تحدید نہیں ہوسکتی اور یہ کامل تصفیہ بھی بہت مؤکد ہے[ف] متعدد احادیث میں ارشاد ہُوا ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے فرشتہ اپنا مُنہ اس کے منہ پر رکھتا ہے یہ جو کچھ پڑھتا ہے اس کے مُنہ سے نکل کر فرشتہ کے مُنہ میں جاتا ہے اس وقت اگر کھانے کی کوئی شے اس کے دانتوں میں ہوتی ہے ملائکہ کو اس سے ایسی سخت ایذا ہوتی ہے کہ اور شئی سے نہیں ہوتی۔

البیھقی فی الشعب و تمام فی فوائدہ و الدیلمی فی مسند الفردوس والضیاء فی المختارۃ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا قام احدکم یصلی من اللیل فلیستک فان احدکم اذا قرأ فی صلوتہ وضع ملک فاہ علی فیہ ولا یخرج من فیہ شیئ الادخل فم الملک، وللطبرانی فی الکبیر عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لیس شیئ اشد علی الملکین من ان یریا بین اسنان صاحبھما شیئا وھو قائم یصلی، وفی

بیہقی شعب الایمان میں، تمام فوائد میں، دیلمی مسند الفردوس میں، اور ضیاء مختارہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو مسواک کرلے اس لئے کہ جب وہ اپنی نماز میں قرارت کرتا ہے تو ایک فرشتہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے اور جو قرارت اس کے منہ سے نکلتی ہے فرشتے کے منہ میں جاتی ہے[1] —— اور معجم طبرانی کبیر میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں فرشتوں پر اس سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں کہ وہ اپنے ساتھ والے انسان کے دانتوں کے درمیان کھانے کی کوئی چیز پائیں جب وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو[2] —— اور اس

ف: مسئلہ نماز میں منہ کی کمال صفائی کا لحاظ لازم ہے ورنہ فرشتوں کو سخت ایذا ہوتی ہے۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ شعب الایمان وتمام والدیلمی حدیث ۲۶۲۲۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۹

[2] المعجم الکبیر حدیث ۴۰۶۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۱۷۷

الباب عند ابن المبارك فی الزھد عن ابی عبد الرحمن السلمی عن امیرالمؤمنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والدیلمی عن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہما عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابن نصر فی الصلٰوۃ عن الزھری عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرسلاً والاٰجری فی اخلاق حملۃ القراٰن عن علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ موقوفا۔

بارے میں امام عبد اللہ بن مبارک کی کتاب الزہد میں بھی حدیث ہے جو ابو عبد الرحمن سلمی سے مروی ہے وہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں ــــ اور دیلمی نے بھی عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے ــــ اور ابن نصر نے کتاب الصلٰوۃ میں امام زہری سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرسلاً، اور آجری نے اخلاق حملۃ القرآن میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہٗ سے موقوفاً روایت کی ہے۔ (ت)

تنبیہ: [ف] سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسن بن زیاد کی روایت کہ مستثنٰی پانیوں سے آب اول کے نیچے گزری جس کا حاصل یہ تھا کہ ایک رطل پانی سے استنجا اور ایک رطل منہ اور دونوں ہاتھ، اور ایک رطل دونوں پاؤں کے لئے، اور اسی کو علامہ شرف بخاری رحمۃ الباری نے مقدمۃ الصلوۃ میں ذکر فرمایا کہ ؎

(۱)	در وضو آب یکمن و نیم ست	غسل را چار من ز تعلیم ست
(۲)	در وضو کن بہ نیمن استنجا	دارم دست و روئے نیمن را
(۳)	پس بدان نیم من کہ مے ماند	پائے شوید ہر انکہ مے داند[1]

(۱) پانی وضو میں ڈیڑھ سیر ہے غسل کے لئے چار سیر کی تعلیم ہے۔
(۲) وضو میں آدھے سیر سے استنجا کر، ہاتھ اور منہ کے لئے آدھے سیر کو رکھ۔
(۳) پھر اس آدھے سیر سے جو بچتا ہے پاؤں دھوئے وہ جو کہ جانتا ہے۔

اقول اس سے ظاہر یہ ہے واللہ تعالٰی اعلم کہ وضو میں صرف فرائض غسل کا حساب بتایا ہے کہ

ف: مسئلہ منہ دھونے سے پہلے کی تینوں سنتیں بھی اسی ایک مُد میں داخل ہیں یا نہیں۔

---

[1] نام حق فصل سوم در بیان مقدار آب وضو و غسل مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۴

جتنا پانی دونوں پاؤں کے لئے رکھا ہے اُسی قدر مُنہ اور دونوں ہاتھ کے لئے، اوّل تو اسی میں قدرے بُعد ہے۔ پاؤں کی ساخت اگر عالم کبیر میں شتر کی نظیر ہے جس کے سبب اُس کے تمام اطراف پر گزرنے کے لئے پانی زیادہ درکار ہے تو شک نہیں کہ ناخنِ دست سے کہنی کے اوپر تک ہاتھ کی مساحت پاؤں سے بہت زائد ہے تو غایت یہ کہ ہاتھ کے برابر پاؤں پر صرف ہو نہ کہ منہ اور دونوں ہاتھ کے مجموعہ کے برابر پاؤں پر، و لہذا حدیث میں ہاتھوں اور پاؤں پر برابر صرف کا ذکر آیا۔ بخاری و نسائی و ابوبکر بن ابی شیبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انه توضأ فغسل وجهه اخذ غرفة من ماء فتمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرى فغسل بها وجهه ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليمنى ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليسرى ثم مسح برأسه ثم اخذ غرفة من ماء فرش على رجله اليمنى حتى غسلها ثم اخذ غرفة اخرى فغسل بها رجله اليسرى ثم قال هكذا رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يتوضأ۔

انھوں نے وضو کیا تو اپنا چہرہ دھویا ایک چُلّو پانی لے کر اس سے کُلّی کی اور ناک میں ڈالا پھر ایک چُلّو لے کر اس طرح کیا — اسے اپنے بائیں ہاتھ میں ملا کر اس سے اپنا چہرہ دھویا — پھر ایک چُلّو پانی لے کر اس سے اپنا داہنا ہاتھ دھویا — پھر ایک چُلّو پانی لے کر اس سے اپنا بایاں ہاتھ دھویا پھر سر کا مسح کیا — پھر ایک چُلّو پانی لے کر اسے دائیں پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا پھر دوسرا چلّو لے کر اس سے بایاں پاؤں دھویا پھر فرمایا: میں نے اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ (ت)

عہ ورواه ابوداؤد مختصرا ويأتى و ابن ماجة ايضا فاختصره جدا وفرقه ۱۲ منه

عہ ابوداؤد نے اسے مختصراً روایت کیا۔ یہ روایت آگے آئے گی۔ اور اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا مگر بہت مختصر کر دیا اور اسے الگ الگ کر دیا ۱۲ منہ (ت)

لہ صحیح البخاری کتاب الوضو باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶
سنن النسائی باب مسح الاذنین مع الراس الخ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹
المصنف لابن ابی شیبہ فی الوضوء کم ھو مرۃ حدیث ۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۷

اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا، کلی کرنا، ناک میں ڈالنا، منہ دھونا، دونوں ہاتھ ناخنِ دست سے کہنیوں کے اوپر تک دھونا، اس تمام مجموعہ کے برابر صرف دونوں پاؤں پر صرف ہونا غایت استبعاد میں ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ابتدائی سنتیں یعنی کلائیوں تک ہاتھ تین بار دھونا تین کلیاں، تین بار ناک میں پانی، یہ سب بھی اس حساب یک ثلث سے خارج ہو۔ عجب نہیں کہ حدیث رُبَیّع رضی اللہ تعالٰی عنہا جس میں پورا وضو مع سنن مذکور ہوا اور وضو کا برتن بھی دکھایا اور راوی نے اس کا تخمینہ ایک مُد اور تہائی تک کیا اُس کا منشا یہی ہو کہ سُننِ قبلیہ کے لئے ثُلث مُد بڑھ گیا مگر احادیث مطلقہ سے متبادر وضو مع السنن ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

امرِ چہارم: کیا پانی کی یہ مقداریں کہ مذکور ہوئیں حدِ محدود ہیں کہ اُن سے کم وبیش ممنوع۔ ائمہ دین علمائے معتمدین مثل امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور امام محمود بدر عینی شرح صحیح بخاری اور امام محمد بن امیر الحاج شرح منیہ اور ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں اجماعِ اُمت نقل فرماتے ہیں کہ ان مقادیر پر قصر نہیں مقصود یہ ہے کہ پانی بلا وجہ محض زیادہ خرچ نہ ہو اور ادائے سنت میں تقصیر نہ رہے پھر کسی قدر ہو کچھ بندش نہیں حدیث وظاہر الروایۃ میں جو مقادیر وچار مُد آئیں ان سے مراد ادنٰی قدر سنت ہے، حلیہ میں ہے:

ثم اعلم انه نقل غیر واحد اجماع المسلمین علی ان الماء الذی یجزئ فی الوضوء والغسل غیر مقدر بمقدار بعینه بل یکفی فیه القلیل والکثیر اذا وجد شرط الغسل وهو جریان الماء علی الاعضاء، وما فی ظاهر الروایة من ان ادنی مایکفی فی الغسل صاع وفی الوضوء مد للحدیث المتفق علیه لیس بتقدیر لازم بل هو بیان ادنی قدر الماء المسنون فی الوضوء والغسل السابغین[1]

پھر واضح ہو کہ متعدد حضرات نے اس بات پر اجماعِ مسلمین نقل کیا ہے کہ وضو وغسل میں کتنا پانی کافی ہوگا اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں بلکہ کم وبیش اس میں کفایت کرسکتا ہے جب کہ دھونے کی شرط پائی جائے وہ یہ کہ پانی اعضاء پر بہہ جائے ____ اور وہ جو ظاہر الروایہ میں ہے کہ کم سے کم جتنا پانی غسل میں کفایت کرسکتا ہے وہ ایک صاع ہے اور وضو میں ایک مُد کیوں کہ اس بارے میں متفق علیہ حدیث آئی ہے، تو یہ کوئی لازمی مقدار نہیں بلکہ یہ کامل وضو وغسل میں پانی کی اَدنٰی مقدارِ مسنون کا بیان ہے۔ (ت)

ف: مسئلہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وضو وغسل میں پانی کی کوئی مقدار خاص لازم نہیں۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اُسی میں ہمارے مشایخ کرام سے ہے :

من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذلك اجزأہ وان لم یکفه زاد علیه[1]

جواس سے کم میں وضو وغسل کامل کرے اس کے لئے کافی ہے اور اگر اتنا کفایت نہ کرے تو اس پر اضافہ کرلے۔(ت)

بلکہ ہمارے علماء[ف1] نے تصریح فرمائی کہ غسل میں ایک صاع سے زیادت افضل ہے۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے :

الافضل ان لایقتصر علی الصاع فی الغسل بل یغتسل بازید منه بعد ان لایؤدی الی الوسواس فان ادی لایستعمل الاقدر الحاجة[2]

افضل یہ ہے کہ غسل میں ایک صاع پر محدود نہ رکھے بلکہ اس سے زائد سے غسل کرے بشرطیکہ وسوسے کی حد تک نہ پہنچائے اگر ایسا ہو تو صرف بقدر حاجت استعمال کرے۔(ت)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ قدر حاجت سے زیادہ خرچ کرنا مستحب ہے جبکہ حد وسوسہ تک نہ پہنچے ہاں وسوسہ کا قدم درمیان ہو تو حاجت سے زیادہ صرف نہ کرے۔

اقول وباللّٰہ التوفیق[ف2]، مراتب پانچ ہیں :

(۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول

ضرورت یہ کہ اس کے بغیر گزر نہ ہوسکے جیسے مکان میں جُحریت خلۃ[3] وہ سوراخ جس میں آدمی بزور سماسکے۔ کھانے میں لقیمات یقمن صلبه[4] چھوٹے چھوٹے چند لقمے کہ سدرمق کریں اوائے

ف1 : مسئلہ غسل میں ایک صاع سے زیادہ پانی خرچ کرنا افضل ہے جب تک حد اسراف بے سبب یا وسوسہ کی حالت نہ ہو۔

ف2 : شئی کے پانچ مرتبے ہیں، ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول اور ان کی تحقیق اور مکان طعام ولباس وطہارت میں ان کی مثالیں۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارۃ فی کیفیۃ الغسل مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴

[3] مسند الامام احمد بن حنبل حدیث ابی عسیب رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۸۱

[4] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الاقتصاد فی الاکل الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۸

فرائض کی طاقت دیں، لباس میں خرقۃ تواری عورتہ[۱] اتنا ٹکڑا کہ ستر عورت کرے۔
حاجت یہ کہ بے اس کے ضرر ہو جیسے مکان اتنا کہ گرمی جاڑے برسات کی تکلیفوں سے بچا سکے، کھانا اتنا جس سے ادائے واجبات وسنن کی قوت ملے، کپڑا اتنا کہ جاڑا روکے اتنا بدن ڈھکے جس کا کھولنا نماز و مجمع ناس میں خلاف ادب وتہذیب ہے مثلاً خالی پاجامے سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔(ف)

ابوداؤد والحاکم عن بریدۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نہی ان یصلی الرجل فی سراویل ولیس علیہ رداء[۲]۔

(ابوداؤد اور حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی بے چادر اوڑھے صرف پاجامے میں نماز پڑھے۔

مسند احمد وصحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایصلین احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیہ منہ شیئ[۳]۔

ہرگز کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ دونوں شانے کھلے ہوں۔

ولفظ البخاری عاتقہ بالافراد (اور بخاری نے مفرد لفظ عاتقہ ذکر کیا ہے۔ت)

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

لوصلی مع السراویل والقمیص

اگر کُرتا ہوتے ہوئے صرف پاجامے میں نماز

ف: مسئلہ خالی پاجامہ سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

---

[۱] سنن الترمذی کتاب الزہد حدیث ۲۳۴۸ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۵۲
مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۲ و ۵/ ۸۱
[۲] سنن ابی داود کتاب الصلوٰۃ باب من قال تیزر بہ اذا کان ضیقا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۳
المستدرک للحاکم " ونہی ان یصلی الرجل وسراویل الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۵۰
[۳] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا صلی فی الثوب الواحد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲
صحیح مسلم " باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد وصفۃ لبسہ " " ۱/ ۱۹۸
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۴۳

عندہ یکرہ۔[1] پڑھی تو مکروہ ہے۔(ت)

یونہی تنہا پاجامہ[ف] پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ، مردود الشہادۃ، خفیف الحرکات ہے۔ یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ آج کل اکثر لوگوں میں اس کی بے پرواہی پھیلی ہے خصوصاً وہ جن کے مکان سرِ راہ ہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتقبل شہادۃ من یمشی فی الطریق بسراویل وحدہ لیس علیہ غیرہ کذا فی النہایۃ۔[2]

اس کی شہادت مقبول نہیں جو راستے میں اس طرح چلتا ہو کہ اس کے جسم پر صرف پاجامہ ہو اور کچھ نہ ہو۔ ایسا ہی نہایہ میں ہے۔(ت)

منفعت یہ کہ بغیر اُس کے ضرر تو موجود نہیں مگر اُس کا ہونا اصل مقصود میں نافع و مفید ہے جیسے مکان میں بلندی و وسعت، کھانے میں سرکہ چٹنی سیری، لباس نماز میں عمامہ۔

زینت یہ کہ مقصود سے محض بالائی زائد بات ہے جس سے ایک معمولی افزائش حسن و خوشنمائی کے سوا اور نفع و تائید غرض نہیں جیسے مکان کے دروں میں محرابیں، کھانے میں رنگتیں کہ قورمہ خوب سُرخ ہو، فرنی نہایت سفید بُراق ہو، کپڑے میں بخیہ باریک ہو قطع میں کج نہ ہو۔

فضول یہ کہ بے منفعت جزمیں حد سے زیادہ توسع و تدقیق جیسے مکان میں سونے چاندی کے کلس، دیواروں پر قیمتی غلاف، کھانا کھائے پر میوے شیرینیاں، پائچے گٹوں سے نیچے، اول مرتبہ فرض میں ہے، دوم واجب و سُنن مؤکدہ، سوم و چہارم سُننِ غیر مؤکدہ سے مستحبات و آدابِ زائدہ تک، پنجم باختلاف مراتب مباح و مکروہِ تنزیہی و تحریمی سے حرام تک۔

قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح ثم السید الحموی فی الغمز قاعدۃ الضرر یزال ھٰھنا خمسۃ مراتب ضرورۃ وحاجۃ ومنفعۃ وزینۃ وفضول فالضرورۃ

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں، پھر سید حموی نے غمز العیون میں فرمایا: قاعدہ۔ ضرر دور کیا جائیگا۔ یہاں پانچ مراتب ہیں۔ ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول۔ ضرورت: اس

ف: مسئلہ تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ مردود الشہادۃ ہے۔

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارۃ الجنس فیما یکرہ فی الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۸

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الشہادات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۹

بلوغه حدا ان لم یتناول الممنوع ھلك او قارب وھذا یبیح تناول الحرام والحاجة کالجائع الذی لو لم یجد ما یاکله لم یھلك غیرانه یکون فی جھد ومشقة وھذا لایبیح الحرام ویبیح الفطر فی الصوم والمنفعة کالذی یشتھی خبزالبر ولحم الغنم والطعام الدسم والزینة کالمشتھی الحلوی والسکر والفضول التوسع باکل الحرام والشبھة[1] اھ۔

حد کو پہنچ جائے کہ اگر ممنوع چیز نہ کھائے تو ہلاک ہوجائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے ــــ اس سے حرام کا کھانا، جائز ہوجاتا ہے ــــ اور حاجت جیسے اتنا بھُوکا ہو کہ اگر کھانے کی چیز نہ پائے تو ہلاک تو نہ ہو مگر تکلیف اور مشقت میں پڑ جائے۔ اس سے حرام کا کھانا، جائز نہیں ہوتا اور روزے میں افطار مباح ہوجاتا ہے ــــ منفعت جیسے وہ شخص جو گیہوں کی روٹی، بکری کے گوشت اور چکنائی والے کھانے کی خواہش رکھتا ہو ــــ زینت جیسے حلوے اور شکر کی خواہش رکھنے والا ــــ اور فضول یہ کہ حرام اور مشتبہ چیز کھانے کی وسعت اختیار کرنا۔ (ت)

اقول تکلم رحمه اللّٰه تعالٰی فی مادة واحدة بخصوصھا وقنع عن التعریفات بالامثلة احالة علی فھم السامع وفی[ف] جعل الحلوی والسکر من الزینة تأمل فان فی الحلوی منافع لیست فی غیرھا وقد کان صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یحب الحلواء والعسل

اقول حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف ایک بات (کھانے) پر کلام کیا اور تعریفات پیش کرنے کے بجائے فہم سامع کے حوالے کرتے ہوئے مثالوں پر اکتفا کی ــــ اور حلوے و شکر کو زینت شمار کرنا محل تامل ہے اس لئے کہ حلوے میں کچھ ایسے فوائد ہیں جو دوسری چیز میں نہیں اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم حلوا اور شہد پسند فرماتے تھے جیسا کہ

ف: تطفل علی الفتح والحموی۔

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۹

كما اخرجه الستة[1] عن ام المؤمنين رضي الله تعالٰى عنها و ما كان يحب ما لا منفعة فيه وقد نهاه ربه تبارك وتعالٰى عن زهرة الحيٰوة الدنيا فلو لم تكن الا زينة لما احبها و لعل ما ذكر العبد الضعيف امكن و امتن.

اصحابِ ستّہ نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے ۔ اور سرکار کی یہ شان نہ تھی کہ ایسی چیز محبوب رکھیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ حالاں کہ انھیں رب تعالٰی نے دنیاوی زندگی کی آرائش سے منع فرمایا ہے تو یہ اگر محض زینت ہوتا تو سرکار اسے پسند نہ فرماتے۔ اور شاید بندۂ ضعیف نے جو ذکر کیا وہ زیادہ پختہ اور مضبوط ہے۔ (ت)

انھیں مراتب کو طہارت میں لحاظ کیجئے تو جس عضو کا جتنا دھونا فرض ہے اس کے ذرے ذرے پر ایک بار پانی تقاطر کے ساتھ اگرچہ خفیف بہہ جانا مرتبۂ ضرورت میں ہے کہ بے اس کے طہارت ناممکن، اور تثلیث مرتبۂ حاجت میں ہے یُونہی وضو میں منہ دھونے سے پہلے کی سنن ثلاث کہ یہ چاروں مؤکدات ہیں اور ان کے ترک میں ضرر من زاد اونقص فقد تعدی و ظلم (جس نے اس سے زیادہ یا کم کیا تو اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ ت) اور ہر بار پانی بفراغت بہنا جس سے کمال تثلیث میں کوئی شُبہہ نہ گزرے اور ہر ذرۂ عضو پر غور و تامل کی حاجت نہ پڑے یہ منفعت ہے، اور غرّہ و تحجیل کی اطالت زینت، اور کسی عضو کو قصداً چار بار دھونا فضول ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان امتی یدعون یوم القیٰمة غرا محجلین من اٰثار الوضوء

یعنی میری امت کے چہرے اور چاروں ہاتھ پاؤں روزِ قیامت وضو کے نور سے روشن و منور

ف: مسئلہ وضو میں غرہ و تحجیل کا بڑھانا مستحب ہے اور اس کے معنی کا بیان۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربۃ باب شرب الحلوٰۃ والعسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۴۰
سنن ابی داؤد " باب فی شرب العسل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۶۹
سنن الترمذی کتاب الاطعمۃ باب ماجاء فی حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحلوا والعسل حدیث ۱۸۳۸ دارالفکر بیروت ۳/۳۲۷
سنن ابن ماجۃ " باب الحلواء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۶

فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل رواہ الشیخان[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وفی لفظ لمسلم عنہ انتم الغر المحجلون یوم القیٰمۃ من اسباغ الوضوء فمن استطاع منکم فلیطل غرتہ وتحجیلہ[2]

ہوں گے تو تم میں جس سے ہوسکے اسے چاہیے کہ اپنے اس نور کو زیادہ کرے (اسے شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، تم لوگ وضو کامل کرنے کی وجہ سے روزِ قیامت روشن چہرے، چمکتے دست وپا والے ہوگے تو تم میں جس سے ہوسکے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی روشنی زیادہ کرے ت)

یعنی میری امت کے چہرے اور چاروں ہاتھ پاؤں روزِ قیامت وضو کے نور سے روشن ہوں گے تو تم میں جس سے ہوسکے اسے چاہیے کہ اپنے اس نور کو زیادہ کرے یعنی چہرہ کے اطراف میں جو حدیں شرعًا مقرر ہیں اس سے کچھ زیادہ دھوئے اور ہاتھ نصف بازو اور پاؤں نیم ساق تک۔ درمختار میں ہے:

من الاداب اطالۃ غرتہ وتحجیلہ[3]۔

آدابِ وضو میں سے یہ ہے کہ اپنے چہرے اور دست وپا کے نشاناتِ نور زیادہ کرے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر اطالۃ الغرۃ بالزیادۃ علی الحد المحدود وفی الحلیۃ والتحجیل فی الیدین والرجلین وھل لہ حد لم اقف فیہ علی شیئ لاصحابنا ونقل النووی اختلاف الشافعیۃ علی ثلثۃ اقوال، الاول الزیادۃ بلا توقیت الثانی الی نصف العضد والساق، الثالث

بحر میں ہے، چہرے کی روشنی زیادہ کرنا اس طرح کہ مقررہ حد سے زیادہ دھوئے ــــ اور حلیہ میں ہے کہ تحجیل کا تعلق دونوں ہاتھ پاؤں سے ہے (ہاتھ پاؤں کو مقدار سے زیادہ دھوئے) کیا زیادتی کی کوئی حد بھی ہے اس بارے میں اپنے اصحاب کی کسی بات سے واقفیت مجھے نہ ہوئی۔ امام نووی نے اس بارے میں شافعیہ کے تین اقوال لکھے ہیں اول یہ کہ بغیر کسی تحدید کے زیادتی ہو۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵
صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء " ۱/ ۱۲۶

[2] " " " " " " " " " " " " " "

[3] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴

الی المنکب والرکبتین قال والاحادیث تقتضی ذلک کلہ اھ ونقل ط الثانی عن شرح شرعۃ مقتصرا علیہ[1] اھ۔

دوم یہ کہ آدھے بازو اور نصف ساق تک زیادتی ہو۔ سوم یہ کہ کاندھے اور گھٹنوں تک زیادتی ہو۔ فرمایا کہ احادیث کا مقتضا یہ سب ہے اھ ——— اور علامہ طحطاوی نے قولِ دوم کو شرح شرعہ سے نقل کیا اور اسی پر اکتفا کی اھ۔ (ت)

درمختار مکروہاتِ وضو میں ہے:

والاسراف ومنہ الزیادۃ علی الثلاث[2]

اور اسراف، اسی سے یہ بھی ہے کہ تین بار سے زیادہ دھوئے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لوزاد (ای علی التثلیث) لطمانینۃ القلب لاباس بہ[3]

اگر اطمینانِ قلب کے لئے تین بار سے زیادہ دھویا تو اس میں حرج نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ امر بترک ما یریبہ الی مالا یریبہ وینبغی ان یقید ھذا بغیر الموسوس اما ھو فیلزمہ قطع مادۃ الوسواس عنہ وعدم التفاتہ الی التشکیک لانہ فعل الشیطان وقد امرنا بمعاداتہ ومخالفتہ رحمتی[4]

اس لئے کہ اسے حکم ہے کہ شک کی حالت چھوڑ کر عدم شک کی حالت اختیار کرے، اور یہ حکم غیر وسوسہ زدہ کے ساتھ مقید ہونا چاہئے۔ وسوسے والے پر تو یہ لازم ہے کہ وسوسے کا مادّہ قطع کرے اور تشکیک کی جانب التفات نہ کرے کیوں کہ یہ شیطان کا فعل ہے اور ہمیں حکم یہ ہے کہ اس سے دشمنی رکھیں اور اس کی مخالفت کریں۔ رحمتی۔ (ت)

اور شک نہیں کہ صرف ایک صاع سے غسل میں سر سے پاؤں تک بفراغِ خاطر تثلیث کا حصول دشوار،

---

[1] ردالمحتار | کتاب الطہارۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۸۸/۱
[2] الدرالمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۲۳/۱
[3] " | " | " | ۲۲/۱
[4] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۸۱/۱

لہذا ہمارے علمائے اطمینانِ قلب کے لئے صاع سے زیادت کو افضل فرمایا،

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دع ما یریبك الٰی ما لا یریبك فان الصدق طمانینة وان الکذب ریبة رواه الائمة احمد[1] والترمذی وابن حبان بسند جید عن الحسن المجتبٰی ریحانة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه ثم علیه وسلم وهو عند ابن قانع عنه بلفظ فان الصدق ینجی[2]

کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تجھے جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ اختیار کر جس میں تجھے شک نہ ہو۔ اس لئے کہ صدق طمانینت ہے اور کذب شک وقلق۔ اسے امام احمد، ترمذی، اور ابن حبان نے بسندِ جیّد ریحانۂ رسول حضرت حسن مجتبٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ۔۔۔ اور ابن قانع نے ان سے جو روایت کی اس میں یہ الفاظ ہیں: اس لئے کہ صدق نجات بخش ہے۔(ت)

اور یہ ضرور فوق الحاجۃ ہے کہ منفعت ہے یوں ہی میل کا چھڑانا داخلِ زینت، اور اس میں جو زیادت ہو وہ بھی فوق الحاجۃ۔ یہ معنٰی ہیں قول خلاصہ کے کہ غیر موسوس کو حاجت سے زیادہ صرف کرنا افضل ہے۔

اقول وبما وفقنی المولٰی تبارك وتعالٰی من هذا التقریر المنیر ظهر الجواب عما اورده الامام ابن امیر الحاج اذ قال بعد نقل ما قدمنا عن الخلاصة لا یعری اطلاق الافضلیة المذکورة من نظر

اقول اس تقریرِ منیر سے ۔۔۔ جس سے مولٰی تبارک وتعالٰی نے مجھ کو واقف کرایا۔ اس اعتراض کا جواب واضح ہوگیا جو امام ابن امیر الحاج نے خلاصہ کی سابقہ عبارت نقل کرنے کے بعد پیش کیا کہ: مذکورہ افضلیت کو مطلق رکھنا محلِ نظر ہے جیسا کہ تأمل کرنے والے

---

[1] سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ حدیث ۲۵۲۶ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۳۲
مسند احمد بن حنبل عن حسن رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۰۰
موارد الظمآن الٰی زوائد ابن حبان حدیث ۵۱۲ المطبعۃ السلفیہ ص ۱۳۷
نوٹ، موارد الظمآن کے الفاظ میں ہے، فان الخیر طمانینة والشر ریبة۔

[2] کشف الخفاء بحوالہ ابن قانع عن الحسن حدیث ۱۳۰۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۶۰

كمالا يخفى على المتأمل[1] اه ، ولله الحمد۔

تنبیہ : ماذكرت ان تثليث الغسل بالطمانينة عسير بالصاع شیئ تشهد له التجربة واليه انا وانت وقد استبعده ريحانة من رياحين المصطفى صلى الله تعالى عليه وعليهم وسلم اعنی السيد الامام الاجل محمد الباقر رضی الله تعالى عنه اخرج البخاری (وعزاه ف في الحلية لهما ولم ارہ لمسلم ولا عزاه اليه في العمدة ولا الارشاد) عن ابی اسحٰق حدثنا ابوجعفر انه كان عند جابر بن عبد الله هو و ابوه رضی الله تعالى عنهم وعنده قوم فسألوه عن الغسل فقال يكفيك صاع، فقال رجل ما يكفيني فقال جابر كان يكفى من هو اوفى منك شعرا وخيرا منك ثم امّنا فی ثوب[2]، قال في العمدة فی مسند اسحٰق بن راهويه

پر مخفی نہیں اھ ــــ وللہ الحمد۔

تنبیہ : یہ جو میں نے ذکر کیا کہ ایک صاع سے غسل میں اعضا کو تین تین بار دھو لینا مشکل ہے ایسی بات ہے جس پر تجربہ شاہد ہے اور ما و شما کیا ہیں اسے گلشنِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک گلِ تر امام اجل سیدنا محمد باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعید سمجھا ــــ امام بخاری نے (حلیہ میں اس پر بخاری و مسلم دونوں کا حوالہ دیا ہے ، اور میں نے یہ حدیث مسلم میں نہ دیکھی ۔ اور عمدۃ القاری وارشاد الساری میں بھی مسلم کا حوالہ نہ دیا) ابو اسحاق سے روایت کی انھوں نے فرمایا ہم سے ابو جعفر (امام محمد باقر) نے حدیث بیان فرمائی کہ وہ اور اُن کے والد حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس تھے۔ اور کچھ دوسرے لوگ بھی وہاں موجود تھے ۔ ان حضرات نے حضرت جابر سے غسل کے بارے میں پُوچھا انھوں نے فرمایا : ایک صاع تمھیں کافی ہے۔ ایک شخص نے کہا : مجھے کافی نہیں ہوتا ۔ اس پر حضرت جابر نے فرمایا : کافی تو انھیں ہو جاتا تھا جو تم سے زیادہ بال اور خیر و خوبی والے تھے ۔ پھر انھوں نے ایک ہی کپڑا اوڑھ کر ہماری امامت

ف : تطفل أخر عليهما۔

---

[1] حلية المحلی شرح منية المصلی

[2] صحيح البخاری كتاب الغسل باب الغسل بالصاع ونحوه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹

ان متولی السؤال ھو ابوجعفر[1] وقولہ قال رجل المراد بہ الحسن بن محمد بن علی بن ابی طالب الذی یعرف ابوہ بابن الحنفیۃ[2] اھ وتبعہ القسطلانی۔

بھی فرمائی ہے ____ عمدۃ القاری میں ہے کہ مسند اسحٰق بن راہویہ میں ہے کہ سوال کرنے والے ابوجعفر (امام محمد باقر) تھے ۔ اور انکی عبارت "ایک شخص نے کہا" میں قائل سے مراد حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب ہیں جن کے والد ابن الحنفیہ کے ساتھ معروف تھے اھ ____ اس پر قسطلانی نے بھی عینی کی پیروی کی ہے۔

اقول حدیث الحسن بن محمد[ف] علی ما فی الصحیحین ھکذا عن ابی جعفر قال لی جابر اتانی ابن عمك یعرض بالحسن بن محمد بن الحنفیۃ قال کیف الغسل من الجنابۃ فقلت کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاخذ ثلث اکف فیفیضھا علی راسہ ثم یفیض علی سائر جسدہ فقال لی الحسن انی رجل کثیر الشعر فقلت کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثر منك شعرا ھذا لفظ خ[3] ونحوہ عند م وفیہ قال جابر فقلت لہ یا ابن اخی کان شعر رسول اللہ

اقول حضرت حسن بن محمد کی حدیث صحیحین میں اس طرح ہے، ابوجعفر سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت جابر نے فرمایا: میرے پاس تمہارا عم زاد ___ حسن بن محمد بن الحنفیہ کی جانب اشارہ ہے ___ آیا ___ کہا: غسلِ جنابت کس طرح ہوتا ہے؟ میں نے کہا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین کف پانی لے کر اپنے سر پر بہاتے پھر باقی جسم پر بہاتے۔ اس پر حسن نے مجھ سے کہا: میرے بال بہت ہیں۔ میں نے کہا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بال تم سے زیادہ تھے ___ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ اور اسی کے ہم معنی مسلم کی روایت میں بھی ہے، اور اس میں یوں ہے کہ جابر نے فرمایا: میں نے اس سے کہا جانِ برادر! رسول اللہ

ف: تطفل علی الامام العینی والقسطلانی۔

---

[1] و [2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب الغسل تحت الحدیث ۲۵۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۹۵

[3] صحیح البخاری کتاب الغسل باب من افاض علی راسہ ثلثا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثر من شعرک واطیب[1] وھو نص فی ان محمدا لم یشھد مخاطبۃ جابر والحسن وانما حکاھا لہ جابر بخلاف حدیث الباب وفی الکلام ایضا نوع تفاوت بل الرجل القائل ھو الامام ابو جعفر نفسہ او من قال منھم مع تسلیم الباقین اخرج النسائی عن ابی اسحٰق عن ابی جعفر قال تمارینا فی الغسل عند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما فقال جابر یکفی من الغسل من الجنابۃ صاع من ماء قلنا مایکفی صاع ولا صاعان قال جابر قد کان یکفی من کان خیرا منکم و اکثر شعرا[2] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بال تمھارے بالوں سے زیادہ اور پاکیزہ تر تھے ــــ یہ روایت اس بارے میں نص ہے کہ امام محمد باقر حضرت جابر وحسن کی گفتگو کے وقت موجود نہ تھے اور ان سے حضرت جابر نے قصہ بتایا بخلاف زیر بحث حدیث کے (جس میں خود ان کی موجودگی مذکور ہے) اور کلام میں کچھ تفاوت ہے۔ بلکہ اس حدیث میں ناکافی ہونے کی بات کہنے والے خود امام ابوجعفر ہیں یا ان حضرات میں سے کوئی اور شخص جنھوں نے کہا اور باقی نے تسلیم کیا۔ (کیوں کہ نسائی کی روایت میں یہ تفصیل ہے) امام نسائی نے ابو اسحٰق سے روایت کی وہ ابوجعفر سے راوی ہیں انھوں نے کہا: ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما کے پاس غسل کے بارے میں اختلاف کیا۔ حضرت جابر نے کہا: غسل جنابت میں ایک صاع پانی کافی ہے۔ ہم نے کہا: ایک صاع دو صاع ناکافی ہے۔ حضرت جابر نے فرمایا: کافی تو انھیں ہو جاتا تھا جو تم لوگوں سے بہتر اور تم سے زیادہ بال والے تھے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

قال فی الحلیۃ یشعر ایضا بان ھذا التقدیر لیس بلازم فی کل حالۃ لکل واحد ومن ثمہ، قال الشیخ عزالدین بن عبد السلام ھذا فی حق من

حلیہ میں لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحدید ہر حال میں، ہر شخص کے لئے لازم نہیں۔ اسی لئے شیخ عزالدین بن عبد السلام نے فرمایا یہ اس کے حق میں ہے جس کا جسم نبی کریم

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض باب استحباب افاضۃ الماء علی الراس وغیرہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۹

[2] سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل نور محمد کارخانہ کراچی ۱/۴۶

يشبه جسده جسد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انتهى يعني في الحجم ولعل انكار جابر ورده على القائل لظهور ان جسد القائل كان نحو جسد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مع فهم جابر عنه الشك في كون ذٰلك كافيا له اما لوسوسة او غيرها فاتى برد عنيف ليكون اقلع لذٰلك السبب من النفس واجمع في التاسي به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ذٰلك۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم کی طرح ہو۔ انتہی۔ یعنی حجم میں۔ اور شاید حضرت جابر کا انکار اور قائل کی تردید اسی لئے تھی کہ ظاہر یہ تھا کہ قائل کا جسم رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جسم کی طرح تھا، ساتھ ہی حضرت جابر نے قائل سے متعلق یہ سمجھا کہ اسے ایک صاع کے کافی ہونے میں شک ہے جس کی وجہ وسوسہ ہے یا اور کچھ — تو اس کی ایسی سخت تردید فرمائی جو نفس سے اس شک کا سبب نکال باہر کر دے اور اس بارے میں رسول اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اقتدا پر طمانینت قلب پیدا کر دے۔

هذا التوجيه الذي وفقنا له اولىٰ من قول غير واحد من المشائخ ان ما في ظاهر الرواية (اي ما تقدم ان الصاع والمد ادنى ما يكفي) بيان لمقدار الكفاية ثم يردفونه بقولهم حتى ان من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذٰلك اجزأه وان لم يكفه زاد عليه وكذا الكلام فيما روى الحسن عن ابي حنيفة (اي ما تقدم من رطل ورطلين وثلثة في الاحوال) في الوضوء[1] اھ كلامه الشريف مزيدا ما بين الاهلة۔

یہ توجیہ جس کی ہمیں توفیق ملی متعدد مشائخ کے اس قول سے بہتر ہے کہ ظاہر الروایۃ کا کلام (یعنی وہ جو پہلے گزرا کہ صاع اور مُد ادنیٰ مقدار کفایت ہے) مقدار کفایت کا بیان ہے پھر اس کے بعد وہی مشائخ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو وضو اور غسل اس سے کم مقدار میں کامل کر لے اس کے لئے وہی کافی ہے اور اگر یہ اس کے لئے کافی نہ ہو تو اضافہ کر لے — اسی طرح اس میں بھی کلام ہے جو حسن بن زیاد نے وضو کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے روایت کی (یعنی وہ جو گزرا کہ مختلف احوال میں ایک رطل، دو رطل اور تین رطل کافی ہے) محقق حلبی کا کلام ہلالین کے درمیان ہمارے اضافوں کے ساتھ ختم ہوا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اقول اوّلاً نظر[1] رحمہ اللہ تعالٰی الی لفظ البخاری قال رجل ، ولو کان متذکرا ما فی النسائی من قول الامام الباقر رضی اللہ تعالٰی عنہ قلنا لم یرض[1] بذکر الوسوسۃ فحاشا محمد الباقر عنہا۔

اقول اوّلاً صاحب حلیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے بخاری کے الفاظ "ایک شخص نے کہا" پر نظر رکھی اگر انھیں وہ یاد ہوتا جو نسائی میں امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول مذکور ہے کہ "ہم نے کہا" تو وسوسہ کا تذکرہ پسند نہ کرتے۔ کیوں کہ امام محمد باقر وسوسہ سے دُور ہیں۔

وثانیاً لوکانت[2] علی ذکر منہ لم ین کر قولہ لظہور ان جسد القائل الخ فان ذلک ان فرض مستقیما ففی جسد بعضہم کالامام الباقر لا کلہم والقائلون القوم لقولہ قلنا ، و قول جابر من کان خیرا منکم وان تولی التکلم احد ھم۔

ثانیاً وہ روایت یاد رہتی تو یہ بات نہ کہتے کہ "ظاہر یہ تھا کہ قائل کا جسم الخ" کیوں کہ اسے اگر درست بھی مان لیا جائے تو ان میں سے بعض جیسے امام باقر کے جسم سے متعلق یہ بات ہو سکتی ہے سب سے متعلق نہیں جب کہ قائل سبھی حضرات تھے کیونکہ امام باقر کے الفاظ یہ ہیں کہ "ہم نے کہا" اور حضرت جابر کے الفاظ یہ ہیں کہ "تم لوگوں سے بہتر تھے" اگرچہ بولنے والے ان حضرات میں سے ایک ہی فرد رہے ہوں۔

وثالثاً لا[3] یقتصر الامر علی المقاربۃ فی الحجم وحدہ بل یختلف[4]

ثالثاً معاملہ صرف جسم میں قریب ہونے پر محدود نہیں ، بلکہ فرق یوں بھی ہوتا ہے

---

[1]: تطفل علی الحلیۃ [2]: تطفل اٰخر علیہا [3]: تطفل ثالث علیہا

[4]: **مسئلہ** سب کے لئے غسل و وضو میں پانی کی ایک مقدار جس طرح عوام میں مشہور ہے محض باطل ہے ایک شخص دیوقامت ہے ایک نہایت نحیف دُبلا پتلا ، ایک بہت دراز قد ہے دوسرا کمال ٹھنگنا ، ایک بدن نرم و نازک و تر ہے دوسرا خشک کھُرّا ، ایک کے تمام اعضاء پر بال ہیں دوسرے کا بدن صاف ، ایک کی داڑھی بڑی اور گھنی ، دوسرا بے ریش یا چند بال ، ایک کے سر پر بڑے بڑے بال انبوہ دوسرے کا سر مُنڈا ہوا۔ ان سب کے لئے ایک مقدار کیونکر ممکن بلکہ شخص واحد کے لئے فصلوں اور شہروں اور عمر و مزاج کے تبدل سے مقدار بدل جاتی ہے ، برسات میں بدن میں تری ہوتی ہے پانی جلد دوڑتا ہے ، جاڑے میں خشکی ہوتی ہے وعلٰی ہٰذا القیاس۔

---

[1] سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۴۶

باختلاف بدنین نعومة وخشونة و رطوبة و یبوسة وکون الشخص اجرد اواشعر وکث اللحیة اوخفیفها و تام الوفرة او محلوقها الی غیر ذٰلك من الاسباب بل یختلف لشخص واحد باختلاف الفصول والبلدان والعمر و المزاج وغیر ذٰلك۔

کہ ایک بدن نرم ہو دوسرا سخت، ایک رطب ہو دوسرا یابس، اور یوں بھی کہ ایک شخص کم بال والا ہو دوسرا زیادہ بال والا، ایک کی داڑھی گھنی دوسرے کی خفیف، ایک کے سر پر لمبے لمبے بال ہوں دوسرے کا سر مُنڈا ہوا ہو، اور اس طرح کے فرق کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں ـــ بلکہ موسم، شہر، عمر، مزاج وغیرہ کی تبدیلیوں سے خود ایک ہی شخص کا حال مختلف ہوا کرتا ہے۔

ورابعًا به ظهر[1] ان لوفرض لهم مداناة فی الحجم کان من المحال العادی المداناة فی جمیع اسباب الاختلاف بل هو محال قطعًا فی اعظمها النعومة ومن بدنه کبدن هذا القمر الزاهر صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

رابعًا اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بالفرض ان سب حضرات میں حجم کا قریب قریب ہونا ظاہر تھا تو محال عادی ہے کہ تمام اسباب اختلاف میں باہم قرب رہا ہو، بلکہ یہ محال قطعی ہے کیونکہ سب سے عظیم سبب فرق بدن کی نرمی و لطافت ہے اور ایسا کون ہوسکتا ہے جس کا بدن اس ماہِ انور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے بدن جیسا ہو۔

وخامسا لقی[2] الامام ابا قر سیدنا جابرا رضی الله تعالٰی عنهما انما کان بعد ما صار بصیرا فکیف یعرف حجم ابدانهم۔

خامسًا امام باقر کی ملاقات سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے اس وقت ہوئی جب حضرت جابر آنکھوں سے معذور ہوچکے تھے تو وہ ان لوگوں کے حجم کی شناخت کیسے کرتے۔

وسادسا کلام[3] جابر نفسه یدل انما بناه علی کثرة شعر الراس وقلته۔

سادسًا خود حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ کا کلام بھی بتا رہا ہے کہ انھوں نے بنائے کلام سر کے بالوں کی کثرت وقلت پر رکھی تھی۔

---

[1]: تطفل رابع علیها

[2]: تطفل خامس علیها

[3]: تطفل سادس علیها۔

وسابعا[1] یرید رحمہ اللہ تعالٰی الاخذ علی المشایخ انھم حملوا ظاھر الروایۃ علٰی ادنٰی مابہ الکفایۃ ثم عادوا علیھا بالنقض بقولھم من اسبغ بدونہ اجزأہ مع انہ ھو الناقل لفظ الظاھر ماتقدم ان ادنٰی مایکفی فی الغسل صاع وفی الوضوء مد فلامحمل لھا الا ماذکروا مابدلوا وماغیروا۔

سابعًا صاحبِ حلیہ رحمہ اللہ تعالٰی حضرات مشایخ پر یہ گرفت کرنا چاہتے ہیں کہ "انھوں نے ظاہر الروایہ کو ادنٰی مقدار کفایت پر محمول کیا پھر خود ہی اس کے خلاف اس کے قائل ہوئے کہ جو اس سے کم میں پُورا کرے تو اسے وہی کافی ہے۔" حالانکہ صاحبِ حلیہ نے خود ہی ظاہر الروایہ کے الفاظ یہ نقل کئے کہ غسل میں ادنٰی مقدار کافی ایک صاع اور وضو میں ایک مُد ہے۔ تو ظاہر الروایہ کا مطلب ان حضرات نے جو ذکر کیا اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور ان حضرات نے کوئی تغیر و تبدل نہ کیا۔

وثامنا[2] لایجوز ان یکون مراد الظاھر والمشائخ تقدیرھذا الشخص واحد فی الدنیا یکون اضأل الناس واقصرھم واھزلھم واصغرھم حتی لایمکن لغیرہ ان یغتسل فی قدر مایکفیہ وانما ھی متمسکۃ فی ذٰلک بالحدیث کما ذکرتم وتقدم ولایسبق الی وھم انھم لایفرقون بین قصیر صغیر ضئیل اجرد امرد محلوق الرأس وطویل کبیر عبل اشعر کث اللحیۃ وافی الوفرۃ فیحکموا ان ھذا ھو ادنٰی مایکفی کلا منھما فاذن

ثامنًا ممکن نہیں کہ ظاہر الروایہ اور حضرات مشائخ کی مراد یہ ہو کہ تحدید دنیا کے ایسے فرد واحد کے لئے ہے جو سارے انسانوں سے کم جثّہ، پست قد، دبلا پتلا اور چھوٹا ہو کہ اس کے لئے جس قدر پانی کافی ہو جاتا ہے اتنے میں دوسرے کسی شخص کے لئے غسل کر لینا ممکن ہی نہ ہو ---- دراصل اس مقدار کے سلسلے میں ظاہر الروایہ کا استناد حدیث پاک سے ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا اور حدیث بھی گزر چکی ---- اور کسی کو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ حضرات پست قامت اور دراز قامت، چھوٹے اور بڑے، نحیف اور فربہ، کم مُو اور بال دار، بے ریش اور گھنی داڑھی والے، سر مُنڈے اور وافر گیسو والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ایک طرف سے

---

[1]: تطفل سابع علیھا۔

[2]: تطفل ثامن علیھا

لم يزيد والا من جلا سويا معتدل الخلق متوسط الاحوال و حينئذ لا يكون ما اسدفوا به مناقضا لظاهر الرواية و ومغايرا للتوجيه الذی نحوتم اليه، و بالجملة اری فهمی القاصر متقاعدا عن درك مرام هذا الكلام ۔

یہ حکم کرتے ہیں کہ یہی وہ ادنٰی مقدار ہے جو دونوں میں سے ہر ایک کو کافی ہے ـــــ تو ان کی مراد کیا ہے؟ تندرست، معتدل ہیأت، متوسط حالت کا آدمی۔ جب ایسا ہے تو بعد میں جو انھوں نے ذکر کیا (اس سے کم میں ہو جائے تو وہ کافی اور اتنے میں نہ ہو سکے تو اضافہ کرے) وہ نہ ظاہر الروایہ کے مخالف نہ اس توجیہ کے مغایر جو آپ نے اختیار کی ـــــ بالجملہ میری فہم ناقص اس کلام کے مقصود کی دریافت سے قاصر ہے۔

وبعد اللتيا والتی انما بغيتی ان هذا الامام رحمه الله تعالٰی جعل الحديث المذكور مشعرا بعدم التحديد ولا يستقيم الاشعار الا بان يسلم استبعاد الامام الباقر ويجعل رد سيدنا جابر رضی الله تعالٰی عنهما حذارا ان يكون ذلك عن وسوسة او نحوها وحثا على التأسی مهما امكن لا ايجابا لانه يكفی كلاما كان يكفيه صلی الله تعالٰی عليه وسلم وفيه المقصود ۔

اس ساری بحث وتمحیص کے بعد عرض ہے کہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ امام حلبی رحمہ اللہ تعالٰی نے یہ مانا ہے کہ حدیث مذکور پتا دے رہی ہے کہ تحدید نہیں، اور یہ پتا دینا اسی وقت راست آسکتا ہے جب وہ امام باقر کا استبعاد تسلیم کریں اور یہ مانیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تردید اس اندیشہ سے تھی کہ وہ بات کہیں وسوسہ یا اسی جیسی کسی چیز کے باعث نہ ہو، اور اس بات پر آمادہ کرنے کی خاطر کہ جہاں تک ہو سکے سرکار کی پیروی کی جائے۔ یہ تردید ایجاب کے مقصد سے نہ تھی اس لئے کہ اس کے لئے تو یہی کہنا کافی تھا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے یہ مقدار کافی تھی اور مقصود اتنے ہی میں حاصل تھا۔

ثمّ اقول (ف) اذا كان هذا

ثمّ اقول جب ایک صاع کے بارے

ف: اشکال فی حدیث البخاری والکلام علیہ حسب الاستطاعۃ۔

الاستبعاد فی الصاع فما ظنك بما یقتضیه
ظاهر حدیث الغرفات المار تحت الامر
الثالث عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما
فانه یفید استیعاب کل من الوجه
والید والرجل بغرفة واحدة، وظاهر
ان المراد الاغتراف بالکف بل صرح به
قوله اخذ غرفة فاضافها الی یده
الاخری فاذن یعسر جدا استیعاب
الوجه بغرفة واحدة، فانها لا تزید
علی قدر الکف بل لا تبلغه، اذ لابد
للاغتراف من تقعیر فی
الکف، وعرض الوجه ما بین
الاذنین اکبر بکثیر من طول
الکف فماء قدر کف لا یستوعب
الوجه طولا وعرضا بحیث
یمر علی کل ذرة منه
بالسیلان، واضافته الی
الید الاخری لا تزیده
قدرا بل لو ابقی الکفان
متلاصقتین لم یبلغ
عرض مجموعهما عرض
الوجه وان فرق بینهما
ووضعتا علی الجبینین
طولا لم یستوعبهما الماء
بحیث ینحدر من جمیع مساحة

میں یہ استبعاد ہے تو اس سے متعلق کیا خیال ہے
جو امر سوم کے تحت بیان شدہ حضرت ابن عباس
رضی اللہ تعالٰی عنہما کی، چلّوؤں کے تذکرہ والی حدیث
کے ظاہر کا مقتضا ہے ــ کیونکہ اس کا مفاد تو یہ
ہے کہ بس ایک چلّو میں چہرے، ہاتھ، اور پاؤں
ہر ایک کا استیعاب ہوجاتا تھا ــ یہ بھی ظاہر ہے
کہ ہتھیلی ہی سے چلّو لینا مراد ہے بلکہ اس قول میں
تو اس کی صراحت بھی ہے کہ "ایک چلّو لے کر اسے
اپنے دوسرے ہاتھ سے ملایا" ــ جب ایسا ہے
تو ایک ہی چلّو میں پورے چہرے کو دھولینا بہت ہی
مشکل ہے۔ اس لئے کہ ایک چلّو ہتھیلی بھر سے
زیادہ نہ ہوگا بلکہ ہتھیلی بھر بھی نہ ہوگا اس لئے کہ
چلّو لینے کے لئے ضروری ہے کہ ہتھیلی کچھ گہری
رکھی جائے ــ اور ایک کان سے دوسرے کان
تک چہرے کی چوڑائی دیکھی جائے تو وہ ہتھیلی کی
لمبائی سے بہت زیادہ ہے تو ہتھیلی بھر پانی
طول اور عرض دونوں میں چہرے کا اس طرح احاطہ
نہیں کرسکتا کہ اس کے ہر ذرّے پر بہہ جائے۔
اور اسے دوسرے ہاتھ سے ملالیں تو اس کی مقدار
میں اس سے کچھ اضافہ نہ ہوسکے گا بلکہ اگر دونوں
ہتھیلیاں ملی ہوئی رکھی جائیں تو ان کی مجموعی چوڑائی
بھی چہرے کی چوڑائی کے برابر نہ ہوگی ــ اور اگر
ان کو الگ الگ کرکے پیشانی کے دونوں حصوں پر
لمبائی میں رکھا جائے تو ان دونوں میں اتنا پانی
بھرا ہوا نہ ہوگا کہ دونوں کے طول کی پوری مساحت

الطولين سيالا الى منتهى سطح الوجه فان امر اليد على مسيل الماء وذلك بها مالم يبلغه من الوجه كان غسلا لبعض ودهنا لبعض وكل ذٰلك معلوم مشاهد وامر الذراع والقدم اشد اشكالا اذ لهما اطراف متباينة السمٰوٰت و احاطة ماء قدر كف بجميع اطراف اليد من الظفر الى المرفق مما لا يعقل، والكف نفسه لاتحيط بالذراع في امرار واحد وان امررت على ظهر الذراع ثم اعدت على البطن او بالعكس لم يصحبها من الماء ما يزيد على قدر الدهن وكذٰلك في القدم مع ما فيها من الصعود بعد الهبوط لاجل الاسالة الى فوق الكعبين وعمل اليد قد ذكرنا ما فيه ومن ادعى تيسر هذا فليرنا كيف يفعل فبالامتحان يكرم الرجل اويهان۔

وقد استشعر الكرمانی فی الكواكب الدراری ورود هذا وقنع بان منع ومر واثره الامام العينی و

سے ڈھلک کر بہتے ہُوئے چہرے کی سطح زیریں کے آخری حصّہ تک پہنچ جائے۔ اور اگر ایسا کرے کہ جتنے حصّے پر پانی بہہ گیا ہے وہاں ہاتھ پھیر کر ان حصوں پر مَل لے جہاں پانی نہیں پہنچا ہے تو یہ بعض حصّوں کو دھونا اور بعض کو مَلنا ہوا ___ سب کو دھونا نہ ہوا ___ اور یہ سب مشاہدہ و تجربہ سے معلوم ہے ___ کلائی اور پاؤں کا معاملہ تو اور زیادہ مشکل ہے اس لئے کہ ان کے کنارے الگ الگ سمتوں میں پھیلے ہوئے ہیں ___ ہتھیلی بھر پانی ہی ناخن سے لے کر کہنی تک ہاتھ کے تمام اطراف و جوانب کا احاطہ کرلے یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ___ اور ایک بار پھیرنے میں خود ہتھیلی پوری کلائی کا احاطہ نہیں کرسکتی اور اگر ایک بار کلائی کی پشت پر ہتھیلی پھیرے، پھر اس کے پیٹ پر پھیرے یا اس کے برعکس کرے تو اس میں اتنا پانی نہ رہ سکے گا جو ملنے سے زیادہ کام کرسکے ___ یہی حال پاؤں کا ہے مزید اس میں یہ بھی ہے کہ پانی کو نیچے اُترنے کے بعد پھر ٹخنوں کے اوپر تک بہنے کے لئے چڑھنا بھی ہے ___ اور ہاتھ کیا کام کرسکتا ہے بس وہی جو ہم نے ابھی بتایا ___ جو دعوٰی رکھتا ہو کہ یہ آسان ہے وہ کرکے دکھا دے کہ امتحان ہی سے آدمی کو عزت ملتی ہے یا ذلّت۔

الکواکب الدراری میں امام کرمانی کو اس اعتراض کا خیال ہوا اور صرف ناقابل تسلیم کہہ کر گزر گئے اور امام عینی نے بھی ان کا کلام نقل کرکے

اقرحیث قال قال الکرمانی فان قلت لایمکن غسل الرجل بغرفۃ واحدۃ قلت الفرق ممنوع ولعل الغرض من ذکرہ علی ھذا الوجہ بیان تقلیل الماء فی العضوالذی ھومظنۃ الاسراف فیہ[۱] اھ۔

برقرار رکھا۔ وہ لکھتے ہیں کرمانی فرماتے ہیں: اگریہ کہو کہ ایک چُلّو میں پاؤں دھونا ممکن نہیں تو میں کہوں گا ہم یہ فرق نہیں مانتے۔ اور شاید اس طرح ذکر کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ پانی اس عضو میں کم صرف کیا جائے جس میں اسراف ہونے کا گمان ہے اھ۔

اقول ومجرد المنع ف فی امثال الواضحات لایسمع ولاینفع و حملہ المحقق فی الفتح علی تجدید الماء لکل عضو فقال "وما فی حدیث ابن عباس فاخذ غرفۃ من ماء الی اخر ماتقدم یجب صرفہ الی ان المراد تجدید الماء بقرینۃ قولہ بعد ذلک ثم اخذ غرفۃ من ماء فغسل بھا یدہ الیمنٰی ثم اخذ غرفۃ من ماء فغسل بھا یدہ الیسرٰی ومعلوم ان لکل من الیدین ثلث غرفات لاغرفۃ واحدۃ فکان المراد اخذ ماء للیمنی ثم ماء للیسری اذلیس یحکی الفرائض فقد حکی السنن من

اقول (میں کہتا ہوں) اس طرح کی واضح باتوں میں صرف منع سے کام نہیں چلتا نہ ہی یہ قابلِ قبول ہوتا ہے ۔۔۔ اور حضرت محقق نے فتح القدیر میں اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ ہر عضو کے لئے نیا پانی لیتے ۔۔۔ وہ لکھتے ہیں: وہ جو حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ پھر ایک چُلّو پانی لیا الی آخر الحدیث ۔۔۔ اسے اس طرف پھیرنا ضروری ہے کہ مراد نیا پانی لینا ہے اس کا قرینہ اس کے بعد ان کا یہ قول ہے کہ پھر ایک چُلّو پانی لیا تو اس سے دایاں ہاتھ دھویا، پھر ایک چلّو پانی لیا تو اس سے بایاں ہاتھ دھویا۔ اور معلوم ہے کہ ہر ہاتھ کے لئے تین چلّو لئے ہوں گے ایک ہی چُلّو نہیں، تو مراد یہ ہے کہ کچھ پانی دائیں ہاتھ کے لئے لیا پھر کچھ پانی بائیں ہاتھ کے لئے لیا۔ اس لئے کہ وہ صرف فرائض کی حکایت نہیں فرمارہے ہیں بلکہ

ف: تطفل علی الامام العینی والکرمانی۔

---

[۱] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء تحت الحدیث ۱۴۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۰۰ و ۴۰۱

المضمضة وغیرھا ولوکان لکان المراد ان ذٰلك ادنٰی مایمکن اقامة المضمضة بہ کما ان ذٰلك ادنٰی مایقام فرض الید بہ لان المحکی انما ھو وضوءہ الذی کان علیہ لیتبعہ المحکی لھم[1] اھ وتبعہ المحقق الحلبی فی الغنیۃ۔

قلت ومطمح نظرہ رحمہ اللہ تعالٰی سلخ الغرفۃ عن الوحدۃ مستند الی ان المحکی الوضوء المسنون بدلیل ذکر المضمضۃ و الاستنشاق والمسنون التثلیث فکیف یراد الوحدۃ وانما معناہ اخذ لکل عمل ماء جدید اوھو اعم من اخذہ مرۃ او مرارا فیکون معنی قولہ غرفۃ من ماء فتمضمض بھا واستنشق ان اخذ لھما ماء جدیدا ولو مرارا فلا یدل علی انھما بماء واحد کما یقولہ الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فھذا مرادہ وھو قید ینفعنا فیما نحن

مضمضہ وغیرہ سنتیں بھی بیان کی ہیں۔ اور اگر وہی ہو تو مراد یہ ہے کہ یہ وہ ادنٰی مقدار ہے جس سے عمل مضمضہ کی ادائیگی ہوسکتی ہے جیسے یہ وہ ادنٰی مقدار ہے جس سے فرض دست کی ادائیگی ہوجاتی ہے اس لئے کہ حکایت اُس وضو کی ہورہی ہے جو سرکار نے کیا تھا تاکہ دیکھنے والے لوگ اسی طریقہ کی پیروی کریں اھ۔ محقق حلبی نے غنیہ کے اندر اس کلام میں حضرت محقق کی پیروی کی ہے۔

قلت حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ چُلّو کے لفظ سے وحدت کا مفہوم الگ کردیں، اس پر ان کا استناد اس سے ہے کہ یہاں وضوئے مسنون کی نقل ہورہی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کا ذکر ہے۔ اور مسنون تین بار دھونا ہے تو وحدت کیسے مراد ہوسکتی ہے۔ اس کا معنی بس یہ ہے کہ ہر عمل کے لئے نیا پانی لیا۔ اور یہ اس سے اعم ہے کہ ایک بار لیا یا چند بار لیا تو ان کے قول "پانی کا ایک چُلّو لے کر اس سے مضمضہ اور استنشاق کیا" کا معنٰی یہ ہوگا کہ دونوں کے لئے جدید پانی لیا اگرچہ چند بار۔ تو وہ یہ نہیں بتاتا کہ مضمضہ اور استنشاق دونوں ایک ہی پانی میں ہوا جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس کے قائل ہیں ـــــ یہ ہے حضرت محقق کی مراد ـــــ اور وہ ہمارے زیرِ بحث

[1] فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴

فیہ وان کان کلامہ فی مسألۃ اخرٰی۔

اقول لکن فیہ[1] بعد لا یخفی والمحقق عارف بہ ولذا قال یجب صرفہ لکن الشان فی ثبوت الوجود وما استند بہ سیأتی الکلام علیہ **علی** ان الحدیث[2] رواہ ابن ماجۃ عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وھذا ھو مخرج الحدیث رواہ البخاری عن سلیمٰن بن بلال عن زید، والنسائی عن ابن عجلان عن زید مطوّلا، و قال ابن ماجۃ حدثنا عبداللہ بن الجراح وابوبکر بن خلاد الباھلی ثنا عبدالعزیز بن محمد عن زید، فاخرجہ مقتصرا علی قولہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مضمض و استنشق من غرفۃ واحدۃ[1] و

مسئلہ میں بھی کار آمد ہے اگرچہ ان کا کلام ایک دوسرے مسئلہ کے تحت ہے۔

اقول لیکن اس میں نمایاں بعد ہے۔ اور حضرت محقق اس سے واقف ہیں اسی لئے فرمایا، "اسے پھیرنا" واجب ہے۔ لیکن مشکل معاملہ ثبوت وجوب ہے اور جس سے انھوں نے استناد فرمایا اس پر آگے کلام ہوگا **علاوہ ازیں** یہ حدیث ابن ماجہ نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے وہ عطا بن یسار سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں۔ اور مخرج حدیث یہی زید بن اسلم ہیں۔ اسے امام بخاری نے سلیمٰن بن بلال سے روایت کیا وہ زید سے راوی ہیں۔ اور نسائی نے ابن عجلان سے روایت کیا وہ زید سے راوی ہیں مطوّلا ــــ اور ابن ماجہ نے کہا: ہم سے عبداللہ بن جراح اور ابوبکر بن خلاد باہلی نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا ہم سے عبدالعزیز بن محمد نے حدیث بیان کی وہ راوی ہیں زید سے۔ پھر اس میں صرف یہ روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایک چلّو (من غرفۃ واحدۃ) سے مضمضہ و استنشاق کیا ــــ اور

ف1: تطفل علی المحقق والغنیۃ۔

ف2: تطفل اٰخر علیھما۔

---

[1] سنن ابن ماجۃ ابواب الطہارۃ باب المضمضۃ والاستنشاق الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۳

من هذا الطریق اخرجه النسائی فقال اخبرنا الهیثم بن ایوب الطالقانی قال حدثنا عبدالعزیز بن محمد قال ثنا زید بن اسلم وفیه رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ فغسل یدیہ ثم تمضمض واستنشق من غرفۃ واحدۃ[1] الحدیث، فھذا لایقبل الانسلاخ عن الوحدۃ وکافٍ فی الجواب ما افادہ اخرا بقولہ ولوکان لکان الخ مع ما قدمن احادیث ناطقۃ بالمذھب وزاد تلمیذہ المحقق فی الحلیۃ حدیثا اخر رواہ البزار بسند حسن۔

اسی طریق سے امام نسائی نے تخریج کی تو انھوں نے فرمایا: ہمیں ہیثم بن ایوب طالقانی نے خبر دی انھوں نے کہا عبدالعزیز بن محمد نے بتایا انھوں نے کہا ہم سے زید بن اسلم نے حدیث بیان کی۔ اس میں یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ دھوئے پھر ایک چُلّو (من غرفۃ واحدۃ) سے مضمضہ واستنشاق کیا' الحدیث — تو اس روایت سے وحدت کا معنی الگ نہیں کیا جاسکتا (کیوں کہ اس میں غرفۃ واحدۃ صراحۃً موجود ہے) اور جواب میں وہی کافی ہوگا جو آخر میں افادہ فرمایا کہ اگر وہی ہو تو مراد یہ ہے کہ وُہ ادنٰی مقدار ہے الخ۔ اس کے ساتھ ہمارے مذہب کی تائید میں بولتی ہوئی وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت محقق پہلے پیش کر آئے۔ اور ان کے تلمیذ محقق نے حلیہ میں ایک اور حدیث کا اضافہ کیا جو بزار نے بسندِ حسن روایت کی۔

وانا **اقول** وباللہ التوفیق للعبد الضعیف فی الحدیث وجہان:

اقول وباللہ التوفیق، میرے نزدیک تاویلِ حدیث کے دو طریقے ہیں:

الاول حمل الغرفۃ علی المرۃ ای غسل کل عضو مرۃ مرۃ وبھذا تنحل العقد بمرۃ ولانسلم ان ذکر المضمضۃ والاستنشاق یستلزم استیعاب جمیع السنن لم

پہلا طریقہ یہ کہ لفظ غرفۃ کو مرۃ پر محمول کیا جائے یعنی ہر عضو کو ایک ایک بار دھویا۔ اسی سے ساری گرہیں یکبار گی کھل جائیں گی — اور یہ ہمیں تسلیم نہیں کہ مضمضہ اور استنشاق کا ذکر اسے مستلزم ہے کہ تمام سُنّتوں کا احاطہ رہا ہو۔

---

[1] سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۹

لایجوز ان یکون ھذا بیانا لجواز الاقتصار علی مرۃ فی الفرائض والسنن ومافیہ من البعد اللفظی یقربہ جمع طرق الحدیث۔

یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہ وضو اس امر کے بیان کیلئے ہو کہ فرائض اور سنن دونوں ہی میں ایک بار پر اقتصار جائز ہے۔ اس میں جو لفظی بُعد نظر آرہا ہے وہ اس حدیث کے مختلف طُرق جمع کرنے سے قریب آجائے گا۔

فلعبد الرزاق عن عطاء بن یسار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ توضأ فغسل کل عضو منہ غسلۃ واحدۃ ثم ذکر ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یفعلہ[1]

(۱) عبدالرزاق کی روایت میں عطاء بن یسار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے یہ ہے کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنے ہر عضو کو ایک بار دھویا۔ پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔

ولسعید بن منصور فی سننہ بلفظ توضأ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فأدخل یدہ فی الاناء فمضمض و استنشق مرۃ واحدۃ ثم ادخل یدہ فصب علی وجھہ مرۃ و صب علی یدہ مرۃ مرۃ ومسح براسہ واذنیہ مرۃ ثم اخذ ملأ کفہ من ماء فرش علی قدمیہ وھو منتعل[2] وسیأتی تفسیر ھذا الرش فی الحدیث۔

(۲) سنن سعید بن منصور کے الفاظ یہ ہیں: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنا دستِ مبارک برتن میں ڈالا پھر کُلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا ایک بار۔ پھر اپنا دست مبارک داخل کرکے (پانی نکالا) تو ایک بار اپنے چہرے پر بہایا اور اپنے ہاتھ پر ایک ایک بار بہایا۔ اور اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔ پھر ہتھیلی بھر پانی لے کر اپنے قدموں پر چھڑکا جب کہ حضور نعلین پہنے ہوئے تھے۔ اس چھڑکنے کی تفسیر آگے حدیث ہی میں آئے گی۔

بل روی البخاری قال حدثنا محمد بن یوسف ثنا

(۳) بلکہ امام بخاری نے روایت کی، فرمایا: ہم سے محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا

---

[1] المصنف لعبدالرزاق کتاب الطہارۃ باب کم الوضوء من غسلۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۱

[2] کنز العمال بحوالہ سعید بن منصور حدیث ۲۶۹۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۴۵۳

سفیٰن عن زید بلفظ توضأ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرۃ مرۃ۔[1]

ہم سے سفیان نے حدیث بیان کی وہ زید سے راوی ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا۔

وقال ابوداؤد حدثنا مسدد ثنا یحیٰی عن سفیٰن ثنی زید۔[2]

(۴) ابوداؤد نے کہا: ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے راوی ہیں انھوں نے کہا مجھ سے زید نے حدیث بیان کی۔

وقال النسائی اخبرنا محمد بن مثنی ثنا یحیٰی عن سفیٰن ثنا زید۔[3]

(۵) نسائی نے کہا، ہمیں محمد بن مثنٰی نے خبر دی انھوں نے کہا ہم سے یحیٰی نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے راوی ہیں انھوں نے کہا ہم سے زید نے حدیث بیان کی۔

وقال الامام الاجل الطحاوی حدثنا ابن مرزوق ثنا ابوعاصم عن سفیٰن عن زید۔ ولفظ الاولین فیہ "الا اخبرکم بوضوء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتوضأ مرۃ مرۃ"[5] وبمعناہ لفظ الطحاوی۔

(۶) امام اجل طحاوی نے کہا: ہم سے ابن مرزوق نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا ہم سے ابوعاصم نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے وہ زید سے راوی ہیں۔ ابوداؤد ونسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا وضو نہ بتاؤں ــــ پھر انھوں نے ایک ایک بار وضو کیا ــــ اور اسی کے ہم معنی امام طحاوی کے الفاظ ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء مرۃ مرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷
[2] سنن ابی داود کتاب الطہارۃ 〃 〃 〃 آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸
[3] سنن النسائی 〃 〃 〃 〃 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۵
[4] شرح معانی الآثار 〃 باب الوضوء للصلوٰۃ مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸
[5] سنن ابی داود 〃 باب الوضوء مرۃ مرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸
سنن النسائی 〃 〃 〃 〃 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۵

وللنسائی من طریق ابن عجلان المذکور بعد ما مر وغسل وجہہ وغسل یدیہ مرۃ مرۃ ومسح برأسہ واذنیہ مرۃ[1] الحدیث۔

(۷) ابن عجلان کے مذکورہ طریق سے نسائی کی روایت میں سابقہ الفاظ کے بعد یہ ہے: اور اپنا چہرہ دھویا اور اپنے دونوں ہاتھ ایک ایک بار دھوئے اور اپنے سر اور دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا ___ الحدیث۔

وفی ھذا والذی مر عن سعید بن منصور ابانۃ ما ذکرتہ من ان ذکر المضمضۃ والاستنشاق لایستلزم استیعاب السنن حتی ینافی ترک التثلیث فقد تظافرت الروایات علی لفظ مرۃ والاحادیث یفسر بعضہا بعضا فکیف وقد اتحد المخرج۔

اس میں اور سعید بن منصور سے نقل شدہ روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے جو میں نے ذکر کیا کہ مضمضہ واستنشاق کا تذکرہ تمام سنتوں کے احاطہ کو مستلزم نہیں کہ ترک تثلیث کے منافی ہو۔ کیوں کہ روایات "ایک بار" کے لفظ پر متفق ہیں اور احادیث میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے۔ پھر جب مخرج ایک (زید بن اسلم) ہیں تو ایک حدیث دوسری کی مفسر کیوں نہ ہوگی۔

اقول وقد یشد عضدہ ان الحدیث مطولا عند ابن ابی شیبۃ بزیادۃ ثم غرف غرفۃ فمسح رأسہ واذنیہ الحدیث[2] فالغرفۃ التی کانت توضئ کلا من الوجہ والید والرجل لو استعملت فی الرأس لغسلتہ فانما اراد واللہ تعالٰی اعلم

اقول اس کی تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ابی شیبہ کے یہاں یہ حدیث مطولاً اس اضافہ کے ساتھ ہے: ثم غرف غرفۃ فمسح راسہ واذنیہ (پھر ایک چلّو لے کر اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا) تو جس چلّو سے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں میں سے ہر ایک کا وضوء ہوجاتا تھا وہ اگر سر میں استعمال ہوتا تو اسے دھونے کا کام کردیتا (نہ کہ اس سے صرف مسح ہوتا ۱۲م)

---

[1] سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۹

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ″ باب فی الوضوء کم ھو مرۃ حدیث ۴۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۷

المرة مع التجديد۔

ورحم الله اباحاتم اذ قال ماكنا نعرف الحديث حتى نكتبه من ستين وجها وانا اعلم ان الجادة فى روايات الوقائع حمل الاعم على الاخص ولكن لاغروفى العكس لاجل التصحيح۔

والثانى حمل الغرفة على الحفنة اى بكلتا اليدين وربما تطلق عليها فروى البخارى عن ام المؤمنين رضى الله تعالٰى عنها فيما حكت غسله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "ثم يصب على رأسه ثلث غرف بيديه"[1] ولابى داؤد عن ثوبان رضى الله تعالٰى عنه عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم "اما المرأة فلا عليها ان لاتنقضه لتغرف على راسها ثلث غرفات بكفيها"[2] ويؤيده حديث ابوداؤد

تو مراد — واللہ تعالٰی اعلم — وہی ایک ایک بار ہے ساتھ ہی پانی کی تجدید بھی۔

خدا کی رحمت ہو ابو حاتم پر کہ وہ فرماتے ہیں ہمیں حدیث کی معرفت نہ ہوتی جب تک اسے ساٹھ طریقوں سے نہ لکھ لیتے — اور مجھے معلوم ہے کہ واقعات کی روایات میں عام راہ یہ ہے کہ اعم کو اخص پر محمول کیا جائے مگر تصحیح کی خاطر اس کے برعکس کرنا بھی جائے عجب نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ کہ غرفہ کو حفنہ پر (چلّو کو لپ پر) یعنی دونوں ہاتھ ملا کر لینے پر محمول کیا جائے۔ اور بعض اوقات لفظ غرفہ کا اس معنٰی پر اطلاق ہوتا ہے (۱) بخاری کی روایت میں ہے جو حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غسل مبارک کی حکایت میں آئی ہے کہ: "پھر اپنے سر پر تین چلّو دونوں ہاتھوں سے بہاتے"۔ (۲) ابوداؤد کی روایت میں ہے جو حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے "لیکن عورت پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ بال نہ کھولے، وہ اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلّو ڈالے" (۳) اور اس کی تائید ابوداؤد

---

[1] صحیح البخاری کتاب الغسل باب الوضوء قبل الغسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب المرأۃ ھل تنقض شعرھا عند الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴

والطحاوی عن محمد بن اسحٰق عن محمد بن طلحۃ عن عبید اللہ الخولانی عن عبد اللہ بن عباس عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفیہ ثم ادخل یدیہ جمیعا فاخذ حفنۃ من ماء فضرب بہا علی رجلہ وفیہا النعل فغسلہا بہا ثم الاخرٰی مثل ذٰلک[1]، ولفظ الطحاوی ثم اخذ بیدیہ جمیعا حفنۃ من ماء فصک بہا علی قدمہ الیمنی والیسرٰی کذٰلک[2] و اخرجہ ایضا احمد و ابو یعلٰی و ابن خزیمۃ[3] وابن حبان والضیاء وھذا معنی ما مر من حدیث سعید بن منصور ان شاء اللہ تعالٰی والمعنی الاٰخر المسح وقد نسخ اوکان وفی القدمین جوربان ثخینان علی مابینہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی۔

طحاوی کی روایت سے ہوتی ہے جس کی سند یہ ہے ــ عن محمد بن اسحاق ــ عن محمد بن طلحہ ــ عن عبد اللہ الخولانی ــ عن عبد اللہ بن عباس ــ عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم ــ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ــ اس میں یہ ہے کہ پھر اپنے دونوں ہاتھ ڈال کر لپ بھر پانی لے کر اسے پاؤں پر مارا ــ جبکہ پاؤں میں جُوتا موجود تھا ــ تو اس سے پاؤں دھویا پھر اسی طرح دوسرا پاؤں دھویا۔ اور روایت طحاوی کے الفاظ میں یہ ہے: پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے لپ بھر پانی لیا، تو اسے اپنے دائیں قدم پر زور سے مارا پھر بائیں پر بھی اسی طرح کیا ــ اس کی تخریج امام احمد، ابو یعلٰی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور ضیاء نے بھی کی ہے ــ اور یہی اس کا معنی ہے ــ ان شاء اللہ تعالٰی ــ جو سعید بن منصور کی حدیث میں آیا کہ فرش علٰی قدمیہ تو اپنے دونوں قدموں پر چھڑکا " ۱۲م) ــ دوسرا معنی مسح ہے جو بعد میں منسوخ ہوگیا ــ یا مسح اس حالت میں ہوا کہ قدموں پر موٹے پاتابے تھے جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۶

[2] شرح معانی الآثار " باب فرض الرجلین فی وضوء الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

[3] صحیح ابن خزیمہ حدیث ۱۴۸ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۷۷

موارد الظمآن کتاب الطہارۃ حدیث ۱۵۰ المطبعۃ السلفیۃ ص ۶۶

کنز العمال بحوالہ حم، د، ع وابن خزیمۃ الخ ۲۶۹۶۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۴۵۹ و ۴۶۰

اقول وماذکرت من الوجھین فلنعم المحملان ھما لمثل طریق ابن ماجۃ حدثنا ابوبکر بن خلاد الباھلی ثنا یحیی بن سعید القطان عن سفین عن زید وفیہ رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ غرفۃ غرفۃ[1] وحدیث ابن عساکر عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ غرفۃ غرفۃ وقال لایقبل اللہ صلٰوۃ الابہ[2] فیکون علی الحمل الاول کحدیث سعید بن منصور وابن ماجۃ والطبرانی والدارقطنی والبیھقی عن ابن عمر وابن ماجۃ والدارقطنی عن ابی بن کعب والدارقطنی فی غرائب مالک عن زید بن ثابت وابی ھریرۃ معارضی اللہ تعالٰی عنھم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ مرۃ مرۃ وقال ھذا وضوء لایقبل اللہ صلٰوۃ الابہ[3] وکذا

اقول میں نے جو دو طریقے ذکر کئے یہ بہت عمدہ محمل ہیں اس طرح کی روایات کے جو مثلاً بطریق ابن ماجہ یوں آئی ہیں ہم سے ابوبکر بن خلاد باہلی نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا ہم سے یحیٰی بن سعید قطان نے حدیث بیان کی وہ سفیان سے وہ زید سے راوی ہیں۔ اس میں یہ ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایک ایک چلّو سے وضو کیا —— اور ابن عساکر کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایک ایک چلّو سے وضو کیا۔ اور فرمایا: اللہ نماز قبول نہیں فرماتا مگر اسی سے —— تو یہ ہمارے بیان کردہ پہلے طریقہ کے مطابق حضرت ابن عمر سے سعید بن منصور، ابن ماجہ، طبرانی، دارقطنی اور بیہقی کی حدیث کی طرح ہوجائے گی، اور جیسے حضرت ابی بن کعب سے ابن ماجہ و دارقطنی کی حدیث، اور حضرت زید بن ثابت اور ابوہریرہ دونوں حضرات رضی اللہ تعالٰے عنہم سے غرائب مالک میں دارقطنی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا اور فرمایا: یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ کوئی نماز قبول نہیں فرماتا —— اسی طرح

---

[1] سنن ابن ماجۃ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی الوضوء مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۳

[2] کنز العمال بحوالہ کر عن ابی ہریرۃ حدیث ۲۶۸۳۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۴۳۱

[3] سنن ابن ماجۃ باب ماجاء فی الوضوء مرۃ ومرتین وثلثا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

لليدين والرجلين فی حدیث ابن
عباس غیر انه یکدرهما جمیعا فی
الوجه قوله اخذ غرفة من
ماء فجعل بها هکذا اضافها
الی یده الاخری فغسل بها
وجهه[1] الان یتکلف فیحمل علی
ان اضاف الغرفة ای الاغتراف
الی الید الاخری ایضا غیر قاصر
له علی ید واحدة فیرجع الی
الاغتراف بالیدین ویکون لحدیث
ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما ایضا
عن علی کرم الله تعالٰی وجهه عن
رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم
ادخل یده الیمنٰی فافرغ بها علی
الاخرٰی ثم غسل کفیه ثم تمضمض واستنثر
ثم ادخل یدیه فی الاناء جمیعا فاخذ
بهما حفنة من ماء فضرب بها علی
وجهه ثم الثانیة ثم الثالثة مثل ذٰلك[2] و
رواه الطحاوی مختصرا فقال اخذ
حفنة من ماء بیدیه جمیعا فصك بهما
وجهه ثم الثانیة مثل ذٰلك ثم الثالثة فذکر[3]

حضرت ابن عباس کی حدیث میں دونوں ہاتھوں
اور پیروں سے متعلق جو مذکور ہے اس کا بھی یہ
عمدہ محمل ہوگا۔ مگر یہ ہے کہ چہرے سے متعلق
دونوں تاویلیں اس سے مکدر ہوتی ہیں کہ ان کا قول
ہے ایک چلّو پانی لے کر اسے اس طرح کیا، اسے
دوسرے ہاتھ سے ملا کر چہرہ دھویا۔ مگر یہ کہ بتکلف
اسی معنی پر محمول کیا جائے کہ انھوں نے چلّو لینے میں
دوسرے ہاتھ کو بھی ملا لیا ایک ہاتھ پر اکتفا نہ کی تو
یہ دونوں ہاتھ سے چلّو لینے کے معنی کی طرف راجع
ہوجائے گا اور اسی طرح ہوجائے گا جیسے حضرت
ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث، حضرت
علی کرم اللہ وجہہ سے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی
علیہ وسلم سے ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ داخل کرکے
اس سے دوسرے ہاتھ پر پانی ڈالا پھر دونوں
ہتھیلیوں کو دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر
جھاڑا پھر برتن میں دونوں ہاتھ ڈال کر ایک لپ
پانی لے کر چہرے پر مارا، پھر دوسری پھر تیسری
بار اسی طرح کیا۔ اسے امام طحاوی نے مختصراً
روایت کیا۔ اس میں یہ ہے کہ اپنے دونوں
ہاتھوں سے چہرے پر مارا، پھر دوسری بار اسی طرح
کیا، پھر تیسری بار ایسے ہی۔ تو مضمضہ و

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب غسل الوجہ بالیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶
[2] سنن ابی داود کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۶
[3] شرح معانی الآثار " باب حکم الاذنین فی وضوء الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۰

الی المضمضۃ والاستنشاق الاغتراف بکف واحدۃ فاذا اتی علی الوجہ اضافہ الی الید الاخری ایضا فان لم یقبل ھذا فقد علمت ان استیعاب الوجہ بکف واحدۃ متعسر بل متعذر۔

اقول بل لربما تبقی الحفنۃ باقیۃ فضلا عن الکفۃ والدلیل علیہ ھذا الحدیث الذی ذکرنا تخریجہ عن الامام احمد وابی داؤد وابن خزیمۃ وابی یعلی والامام الطحاوی وابن حبان والضیاء عن ابن عباس عن علی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھم وسلم حیث قال بعد ذکر غسل الوجہ بثلث حفنات کما تقدم ثم اخذ بکفہ الیمنی قبضۃ من ماء فصبھا علی ناصیتہ فترکھا تستن علی وجھہ ثم غسل ذراعیہ الی المرفقین ثلثا ثلثا[1] الحدیث وھذا ایضا معلوم مشاھد۔

وبالجملۃ لولم یصرف حدیث الغرفۃ عن ظاھرہ لرجع الغسل الی الدھن وھو خلاف الروایۃ والدرایۃ بل الاجماع والروایۃ الشاذۃ عن

استنشاق تک تو ایک ہاتھ سے چلو لینا ذکر کیا ــــ جب چہرے پر آئے تو دوسرا ہاتھ بھی ملا لیا ــــ اگر یہ تاویل نہ مانی جائے تو معلوم ہوچکا کہ ہتھیلی بھر پانی سے چہرے کا استیعاب دشوار بلکہ متعذر ہے۔ (ت)

اقول بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوگا کہ دونوں ہاتھ سے لینے پر بھی کچھ حصہ باقی رہ جائے گا صرف ہتھیلی بھر لینے کی تو بات ہی کیا ہے ــــ اس پر دلیل یہی حدیث ہے جس کی تخریج ہم نے امام احمد، ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابویعلی، امام طحاوی، ابن حبان اور ضیاء سے ذکر کی، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں جیسا کہ گزرا تین لپ سے چہرہ دھونے کے تذکرے کے بعد ہے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے مٹھی بھر پانی لے کر پیشانی پر ڈال کر اسے چہرے پر بہتا چھوڑ دیا۔ پھر اپنی کلائیوں کو کہنیوں تک تین تین بار دھویا ــــ یہ بھی تجربہ ومشاہدہ سے معلوم ہے۔

الحاصل اگر چلو لینے والی حدیث کو اس کے ظاہر سے نہ پھیریں تو دھونا بس ملنا ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہ روایت، درایت بلکہ اجماع کے بھی خلاف ہے ــــ اور امام ابویوسف

---

[1] سُنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۶

الامام الثانی رحمہ اللہ تعالٰی مؤولۃ کما فی رد المحتار عن الحلیۃ عن الذخیرۃ وغیرھا فاذن لایبقی الا ان نقول انا لانقدر علی مثل ما فعل ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما تلک المرۃ فضلا عن فعل صاحب الاعجاز الجلیل المروی مرار الجمع الجزیل بالماء القلیل علیہ من ربہ اعلٰی صلوۃ و اکمل تبجیل۔

رحمہ اللہ تعالٰی سے جو شاذ روایت آئی ہے وہ مؤول ہے جیسا کہ ردالمحتار میں حلیہ سے، اس میں ذخیرہ وغیرہا سے نقل ہے۔ تاویل نہ کریں تو بس یہی صورت رہ جاتی ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اس بار حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جس طرح وضو کیا ویسے وضو پر ہمیں قدرت نہیں۔ اور ان کے عمل کی تو بات ہی اور ہے جو ایسے عظیم اعجاز والے ہیں کہ بار ہا بڑے لشکر کو قلیل پانی سے سیراب کر دیا۔ ان پر ان کے رب کی جانب سے اعلٰی واکمل درود و تحیت ہو۔

ویقرب منہ او اغرب منہ ماوقع فی سنن سعید بن منصور عن الامام اجل ابرھیم النخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لم یکونوا یلطموا وجوھھم بالماء وکانوا اشد استبقاء للماء منکم فی الوضوء وکانوا یرون ان ربع المد یجزئ من الوضوء وکانوا اصدق ورعا و اسخی نفسا واصدق عند الباس[1]۔

اور اسی سے قریب یا اس سے بھی زیادہ عجیب وہ ہے جو سنن سعید بن منصور میں امام اجل ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ حضرات اپنے چہروں پر زور سے پانی نہ مارتے تھے اور وضو میں وہ تم سے بہت زیادہ پانی بچانے کی کوشش رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ چوتھائی مُد وضو کیلئے کافی ہے اس کے ساتھ وہ تھے ورع و پرہیزگاری والے، بہت فیاض طبع، اور جنگ کے وقت نہایت ثابت قدم بھی تھے۔

اقول فلا ادری کیف اجتزؤا بربع ما جعلہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجزئا بل لایظن بھم انھم قنعوا بالفرائض دون السنن فاذن یکفی

اقول نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جسے کافی قرار دیا (ایک مد۔ دو رطل) معلوم نہیں اس کے چوتھائی سے ان حضرات نے کیسے کفایت حاصل کر لی، بلکہ ان کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ سنتیں چھوڑ کر

[1] کنز العمال بحوالہ ص حدیث ۲۰۷۲۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۷۳

لغسل اليدين الى الرسغين والمضمضة والاستنشاق وغسل الوجه و اليدين الى المرفقين والرجلين الى الكعبين كل مرة سدس رطل من الماء وهذا مما لايعقل ولايقبل الا بمعجزة نبي اوكرامة ولي صلى الله تعالٰى على الانبياء والاولياء وسلم۔

انھوں نے صرف فرائض پر قناعت کر لی تو (سنتوں کی ادائیگی کے ساتھ چوتھائی مُد میں تین تین بار جب انھوں نے سارے اعضاء دھوئے ۱۲م) لازم ہے کہ گٹوں تک دونوں ہاتھ دھونے، کُلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے، چہرہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ، اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں ہر ایک کے ایک بار دھونے میں صرف ۱/۶ رطل پانی کافی ہوجاتا تھا۔ یہ عقل میں آنے والی اور ماننے والی بات نہیں مگر کسی نبی کے معجزے یا ولی کی کرامت ہی سے ایسا ہوسکتا ہے، تمام انبیاء اور اولیا پر خدائے برتر کا درود وسلام ہو۔

فان قلت مايدريك لعل المراد بالمد المد العمري المساوي لصاع النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم الاربعا فيكون ربع المد ثلثة ارباع المد النبوي صلى الله تعالٰى عليه وسلم۔

اگر کہئے آپ کو کیا معلوم شاید مُد سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالٰی کا مُد مراد ہو جو چوتھائی کمی کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صاع کے برابر تھا تو وہ چوتھائی مُد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تین چوتھائی (۳/۴) مُد کے برابر ہوگا۔

قلت كلا فان ابرهيم سبق خلافة عمر رضي الله تعالٰى عنهما مات فی سنة خمس اوست وتسعين واميرالمؤمنين في رجب سنة احدى ومائة وخلافته سنتان ونصف رضي الله تعالٰى عنه والله تعالٰى اعلم۔

میں کہوں گا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دورِ خلافت سے پہلے وفات فرما گئے۔ ان کی وفات ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوئی اور امیر المومنین کی وفات رجب ۱۰۱ھ میں ہوئی اور مدتِ خلافت ڈھائی سال رہی، رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ف: تاریخ وفات امام ابراہیم نخعی وامیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

برکات السماء فی حکم اسراف الماء

(بے جا پانی خرچ کرنے کے حکم کے بارے میں آسمانی برکات)

امر پنجم: طہارت میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے۔

اقول ملاحظۂ کلمات علماء سے اس میں چار قول معلوم ہوتے ہیں ان میں قوی تر دو ہیں، اور فضلِ الٰہی سے امید ہے کہ بعد تحقیق وحصولِ توفیق اختلاف ہی نہ رہے وباللہ التوفیق۔

(۱) مطلقاً حرام وناجائز ہے حتی کہ اگر نہر جاری میں وضو کرے یا نہائے اُس وقت بھی بلاوجہ صرف گناہ وناروا ہے، یہ قول بعض شافعیہ کا ہے جسے خود شیخ مذہب شافعی سیدنا امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں نقل فرماکر ضعیف کردیا، اور اسی طرح دیگر محققین شافعیہ نے اُس کی تضعیف کی۔

(۲) مکروہ ہے اگرچہ نہر جاری پر ہو اور کراہت صرف تنزیہی ہے اگرچہ گھر میں ہو یعنی گناہ نہیں صرف خلافِ سنت ہے، حلیہ وبحرالرائق میں اسی کو اوجہ اور امام نووی نے اظہر اور بعض دیگر ائمہ شافعیہ نے صحیح کہا اور حکم آب جاری کو عام ہونے سے قطع نظر کریں تو کلام امام شمس الائمہ حلوانی وامام فقیہ النفس سے بھی اُس کا استفادہ ہوتا ہے ہاں شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں عموم کی طرف صاف اشارہ کیا اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا:

اجمع العلماء علی النھی عن الاسراف فی الماء ولوکان علی شاطئ البحر والاظھر انہ مکروہ کراھۃ تنزیہ وقال بعض اصحابنا الاسراف حرام[۱]

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ پانی میں اسراف منع ہے اگرچہ سمندر کے کنارے پر ہو، اور اظہر یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے، اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ اسراف حرام ہے۔ (ت)

منیہ وحلیہ میں فرمایا:

م لایسرف فی الماء[۲] ش ای لایستعمل منہ فوق الحاجۃ الشرعیۃ[۳]

(م کے تحت متن کے الفاظ ہیں ش کے تحت شرح کے ۱۲م) م پانی میں اسراف نہ کرے

ف: مسئلہ وضو یا غسل میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنے کا کیا حکم ہے اور اس باب میں مصنف کی تحقیق مفرد۔

[۱] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الطہارۃ باب القدر المستحب من الماء الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۳۷۴

[۲] منیۃ المصلی آداب الوضوء مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۹

[۳] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

م وان کان علی شط نھر جار[۱] ش ذکر شمس الائمۃ الحلوانی انہ سنۃ وعلیہ مشی قاضی خان وھو اوجہ کما ھو غیر خاف فالاسراف یکون مکروھا کراھۃ تنزیہ وقد صرح النووی انہ الاظھر وحکی حرمۃ الاسراف عن بعض اھل مذھبہ وعبارۃ بعض المتأخرین منھم و الزیادۃ فی الغسل علی الثلث مکروہ علی الصحیح وقیل حرام وقیل خلاف الاولی[۲]

ش یعنی حاجتِ شرعیہ سے زیادہ پانی استعمال نہ کرے م اگرچہ بہتے دریا کے کنارے ش شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا کہ یہ سنت ہے۔ اسی پر قاضی خاں چلے اور یہ اَوجہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ تو اسراف مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور امام نووی نے اس کے اظہر ہونے کی تصریح کی اور اسراف کا حرام ہونا اپنے بعض اہل مذہب سے حکایت کیا۔ اور ان حضرات شافعیہ کے بعض متاخرین کی عبارت یہ ہے: تین بار سے زیادہ دھونا صحیح قول پر مکروہ ہے اور کہا گیا کہ حرام ہے اور کہا گیا کہ خلافِ اَولیٰ ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

الاسراف ھو الاستعمال فوق الحاجۃ الشرعیۃ وان کان علی شط نھر وقد ذکر قاضی خان ترکہ من السنن ولعلہ الاوجہ فیکون مکروھا تنزیھا[۳]

اسراف یہ ہے کہ حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرے اگرچہ دریا کے کنارے ہو، اور قاضی خاں نے ذکر کیا ہے کہ اس کا ترک سنّت ہے اور شاید یہی اَوجہ ہے تو اسراف مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (ت)

(۳) مطلقاً مکروہ تک نہیں، نہ تحریمی نہ تنزیہی، صرف ایک ادب وامرِ مستحب کے خلاف ہے۔ بدائع امام ملک العلما ابوبکر مسعود و فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق و منیۃ المصلی وغیرہا میں ترکِ اسراف کو صرف آداب ومستحبات سے شمار کیا سُنّت تک نہ کہا اور مستحب کا ترک مکروہ نہیں ہوتا بلکہ سنت کا۔ حلیہ میں ہے:

قال فی البدائع والادب فیما بین الاسراف والتقتیر اذ الحق بین الغلو و

بدائع میں فرمایا ادب اسراف اور تقتیر (زیادتی اور کمی) کے درمیان ہے اس لئے کہ حق غلو اور

---

[۱] منیۃ المصلی آداب الوضوء مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۲۹
[۲] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[۳] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

التقصیر قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الامور اوسطہا انتہی و ذکر الحلوانی انہ سنۃ فعلی الاول یکون الاسراف غیر مکروہ وعلی الثانی کراھۃ تنزیہ[1]

تقصیر (حد سے تجاوز اور کوتاہی) کے مابین ہے' نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کاموں میں بہتر درمیانی ہیں، انتہی۔ اور امام حلوانی نے ذکر فرمایا کہ ترکِ اسراف سنّت ہے تو قول اول کی بنیاد پر اسراف مکروہ نہ ہوگا اور ثانی کی بنیاد پر مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (ت)

بحر میں ہے:

فی فتح القدیر ان المندوبات نیف وعشرون ترک الاسراف والتقتیر وکلام الناس[2] الخ فعلی کونہ مندوبا لایکون الاسراف مکروھا وعلی کونہ سنۃ یکون مکروھا تنزیھا۔

فتح القدیر میں ہے کہ مندوباتِ وضو بیس[2] سے زیادہ ہیں۔ اسراف وتقتیر اور کلام دنیا کا ترک الخ۔ تو ترک مندوب ہونے کی صورت میں اسراف مکروہ نہ ہوگا اور سنّت ہونے کی صورت میں مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

(و) من الاداب (ان لایسرف فی الماء) کان ینبغی ان یعدہ فی المناھی لان ترک الادب لاباس بہ[3]

(اور) آداب میں سے یہ ہے کہ (پانی میں اسراف نہ کرے) اسے ممنوعات میں شمار کرنا چاہیے تھا اس لئے کہ ترکِ ادب میں تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اقول طہارت ف میں ترکِ اسراف کا صرف ایک ادب ہونا مذہب وظاہر الروایۃ ونص صریح محرر المذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، امام بخاری نے خلاصہ فصل ثالث فی الوضو میں ایک جنس سنن وآداب وضو میں وضع کی اُس میں فرمایا:

ف: تطفل علی الغنیۃ

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان لیستاک سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴

اما سنن الوضوء فنقول من السنة غسل اليدين الى الرسغين ثلثا[1] الخ۔

لیکن وضو کی سنتیں، تو ہم کہتے ہیں سنت ہے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین بار دھونا الخ (ت)

پھر سنتیں گنا کر فرمایا:

واما اداب الوضوء فی الاصل من الادب ان لایسرف فی الماء ولا یقتر وان یشرب فضل وضوئه او بعضه قائما او قاعدا مستقبل القبلة[2] الخ۔

رہے آدابِ وضو، تو اصل (مبسوط) میں ہے کہ ادب یہ ہے کہ پانی میں نہ اسراف کرے نہ کمی کرے اور اپنے وضو کا بچا ہوا کل یا کچھ پانی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قبلہ رُو پی جائے الخ (ت)

اُسی کا بدائع و فتح القدیر و غنیہ و خلاصہ و ہندیہ وغیرہا میں اتباع کیا اور اس سے زائد کس کا اتباع تھا تو اس پر مواخذہ محض بے محل ہے واللہ الموفق۔

(۴) نہر جاری میں اسراف جائز کہ پانی ضائع نہ جائے گا اور اس کے غیر میں مکروہ تحریمی۔ مدقق علائی نے درمختار میں اسی کو مختار رکھا، علامہ مدقق عمر بن نجیم نے نہر الفائق میں کراہت تحریم ہی کو ظاہر کہا اور اسی کو امام قاضی خاں و امام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما اکابر کا مفاد کلام قرار دیا کہ ترک اسراف کو سنت کہنے سے ان کی مراد سنتِ مؤکدہ ہے اور سنتِ مؤکدہ کا ترک مکروہ تحریمی نیز مقتضائے کلام امام زیلعی کہ مطلق مکروہ سے غالباً مکروہِ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ اور بحر الرائق میں اسے قضیۂ کلام ملتقی بتایا کہ اُس میں اسراف کو منہیات سے شمار فرمایا اور ہر منہی عنہ کم از کم مکروہ تحریمی ہے۔

اقول اور یہی عبارت آئندہ جواہر الفتاوٰی سے مستفاد

لفحوٰیها اذ المفاهیم[ف] معتبرة فی الکتب کما فی الدر والغمز والشامی وغیرها ولقضیة دلیلها ایضا کما لایخفی۔

اس کے مضمون وسیاق کے پیش نظر کیونکہ کتابوں میں مفہوم معتبر ہوتا ہے جیسا کہ درمختار، غمز العیون اور شامی وغیرہا میں ہے ـــــ اور اس کے مقتضائے دلیل کے پیش نظر بھی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

ف: المفاهیم معتبرة فی الکتب بالاتفاق۔

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارت الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۱

[2] " " " " ۱/ ۲۵

شرح تنویر میں ہے :

بل فی القہستانی معزیا للجواہر الاسراف فی الماء الجاری جائز لانہ غیر مضیع فتأمل[1]

بلکہ قہستانی میں جواہر کے حوالے سے ہے کہ بہتے پانی میں اسراف جائز ہے اس لئے کہ پانی بے کار نہ جائے گا ، تو تأمل کرو ۔ (ت)

پھر فرمایا :

مکروہ الاسراف فیہ تحریما لو بماء النہر والمملوك لہ اما الموقوف علی من یتطہر بہ ومنہ ماء المدارس فحرام[2]

پانی میں اسراف مکروہ تحریمی ہے اگر دریا کا پانی یا اپنی ملکیت کا پانی استعمال کرے لیکن طہارت حاصل کرنے والوں کے لئے وقف شدہ پانی ہو جس میں مدارس کا پانی بھی داخل ہے تو اسراف حرام ہے ۔ (ت)

بحر میں ہے :

صرح الزیلعی بکراہتہ وفی المنتقی انہ من المنہیات فتکون تحریمیۃ[3]

امام زیلعی نے اس کے مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی اور منتقی میں اسے منہیات سے شمار کیا تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا ۔ (ت)

منحۃ الخالق میں نہر سے ہے :

الظاہر انہ مکروہ تحریما اذ اطلاق الکراہۃ مصروف الی التحریم فما فی المنتقی موافق لما فی السراج[عہ] و

ظاہر یہ ہے کہ اسراف مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ کراہت مطلق بولی جائے تو تحریمی کی جانب پھیری جاتی ہے تو منتقی کا کلام سراج کے مطابق ہے اور

عہ قال فی المنحۃ صوابہ لما فی الخانیۃ کما لا یخفی اذ لا ذکر للسراج فی قولہ

منحۃ الخالق میں ہے صحیح یہ کہنا ہے کہ "خانیہ کے مطابق" جیسا کہ پوشیدہ نہیں اس لئے کہ سراج کا کوئی تذکرہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] الدر المختار | کتاب الطہارۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲

[2] " | " | " | ۱/۲۴

[3] البحر الرائق | " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۲۹

المراد بالسنة المؤكدة لاطلاق | سنّت سے مراد سنتِ مؤکدہ ہے اس لئے کہ اسراف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا فی الشارح[1] اھ ای صاحب البحر، وانا **اقول** ھذا بعید خطا ومعنی، اما الاول فظاھر اذ لامناسبة بین لفظی السراج والخانیة، واما الثانی[ف] فلان النھر فرع موافقة المنتقی المصرح بکونه من المنھیات علی اطلاق الکراھة فان مطلقھا یحمل علی التحریم ولا ذکر للکراھة فی عبارة الخانیة نعم اراد توجیه ما فی الخانیة الی مااستظھرہ بقوله بعدُ[2] والمراد بالسنة الخ والاقرب خطا ومعنی بل الذی یجزم السامع بانه ھو الواقع فی اصل نسخة النھر فحرفه الناسخ ان نقول صوابه لما فی الشرح والمراد بالشرح التبیین شرح

نہ تو کلامِ نہر میں ہے نہ کلامِ شارح یعنی کلامِ بحر میں ہے"۔ **اقول** یہ خط اور معنی دونوں اعتبار سے بعید ہے اول تو ظاہر ہے اس لئے کہ لفظ "سراج" اور لفظ "خانیہ" میں کوئی مناسبت نہیں۔ اور ثانی اس لئے کہ کلام منتقی جس میں اسراف کے منہیات سے ہونے کی تصریح ہے اس کی کلام دیگر کے ساتھ مطابقت کی تفریع صاحبِ نہر نے اس پر فرمائی ہے کہ کراہت مطلق بولی جاتی ہے تو کراہت تحریم پر محمول ہوتی ہے اور عبارت خانیہ میں کراہت کا کوئی تذکرہ نہیں ۔۔ ہاں انہوں نے کلامِ خانیہ کی توجیہ اس عبارت سے کرنی چاہی ہے جو بعد میں لکھی ہے کہ سنت سے مراد سنتِ مؤکدہ ہے الخ۔ رسم الخط اور معنی دونوں لحاظ سے قریب تر ۔۔ بلکہ جسے سننے کے بعد سامع جزم کرے کہ یقیناً نہر کے اصل نسخہ میں یہی ہوگا اور کاتب نے تحریف کردی ہے ۔۔ یہ ہے کہ ہم کہیں صحیح عبارت "موافق لما فی الشرح" ہے، یعنی کلامِ منتقی اس کے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ف: معروضة علی العلامة ش

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق | کتاب الطہارۃ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۲۹

[2] " " " " " "

النھی عن الاسراف و بہ یضعف جعلہ مندوبا۔[1]

سے مطلقاً نہی ہے اور اسی سے اُسے مندوب قرار دینا ضعیف ہوجاتا ہے۔(ت)

اب بتوفیق اللہ تعالٰی یہاں تحقیق مقام وتنقیح مرام وتصحیح احکام ونقض وایرام کے لئے بعض تنبیہات نافعہ ذکر کریں۔

التنبیہ الاوّل عرض العلامۃ الشامی نور قبرہ السامی بالمحقق صاحب البحر انہ تبع قولا لیس لاحد من اھل المذھب حیث قال "قولہ تحریما الخ نقل ذلک فی الحلیۃ عن بعض المتأخرین من الشافعیۃ وتبعہ علیہ فی البحر وغیرہ[2] الخ۔

تنبیہ (۱) علامہ شامی نور قبرہ السامی نے محقق صاحبِ بحر پر تعریض فرمائی کہ انہوں نے ایک ایسے قول کا اتباع کرلیا جو اہل مذہب میں سے کسی کا نہیں، اس طرح کہ وہ درمختار کے قول تحریما الخ کے تحت لکھتے ہیں، اسے حلیہ میں بعض متاخرین شافعیہ سے نقل کیا ہے جس کی پیروی صاحبِ بحر وغیرہ نے کرلی ہے الخ۔

اقول ف لم یتبعہ البحر بل

اقول صاحبِ بحر نے اس کی پیروی

ف: معروضۃ اخری علیہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مشروح البحر والنھر الکنز للامام الزیلعی فانہ ھو الذی صرح بالکراھۃ واطلقھا ونقلہ البحر وقرنہ بکلام المنتقی واللہ تعالٰی اعلم اھ عفی عنہ۔

مطابق ہے جو شرح میں ہے۔ اور شرح سے مراد امام زیلعی کی تبیین الحقائق ہے جو البحر الرائق اور النھر الفائق کے متن کنز الدقائق کی شرح ہے۔ اسی میں کراہت کی صراحت اور اطلاق ہے اسی کو صاحبِ بحر نے نقل کیا اور اس کے ساتھ منتقی کا کلام ملادیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۹

استوجه كراهة التنزيه ثم نقل
عن الزيلعي كراهته وعن المنتقى
النهي عنه وافاد ان مقتضاه كراهة
التحريم وهذا ليس اختيارا له
بل اخبار عما يعطيه كلام المنتقى كما
اخبر اولا ان قضية عدم الفتح تركه من
المندوبات عدم كراهته اصلا فليس
فيه ميل اليه فضلا عن الاتباع
عليه ولاسيما ليس في كلامه
التنصيص بجريان الحكم في الماء
الجاري والاطلاق لايسد ههنا
مسد الافصاح بالتعميم للفرق البين
بالتضييع وعدمه، فكيف يجعل
متابعا للقول الاول، وعن هذا
ذكرنا كل من قضية كلام المنع في
القول الرابع دون الاول اذ لاينسب
الا الى من يفصح بشمول
الحكم النهر ايضا نعم
تبعه عليه في الغنية
اذ قال الاسراف مكروه
بل حرام وان كان
على شط نهر جار
لقوله تعالى ولا تبذر

نہیں کی بلکہ انھوں نے مکروہ تنزیہی ہونے کو اَوجَہ کہا
پھر امام زیلعی سے اس کا مکروہ ہونا اور منتقی سے منہی عنہ
ہونا نقل کیا اور افادہ کیا کہ اس کا مقتضا کراہت تحریم
ہے۔ یہ اس قول کو اختیار کرنا نہ ہوا بلکہ کلام منتقی
سے جو مفہوم اخذ ہوتا ہے اسے بتانا ہوا جیسے اس سے
پہلے انھوں نے بتایا کہ صاحبِ فتح کے ترک اسراف
کو مندوبات سے شمار کرنے کا مقتضا یہ ہے کہ
اسراف بالکل مکروہ نہ ہو تو اس میں اس کا اتباع
درکنار اس کی جانب میلان بھی نہیں، خصوصاً جبکہ
ان کے کلام میں آبِ رواں کے اندر حکمِ اسراف جاری
ہونے کی تصریح بھی نہیں۔ اور مطلق بولنا اس مقام
پر حکم کو صاف صریح طور پر عام قرار دینے کے قائم مقام
نہیں ہو سکتا اس لئے کہ پانی کو ضائع کرنے اور
نہ کرنے کا بیّن فرق موجود ہے تو انھیں قول اول کا
متبع کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے ـــ اسی لئے جن حضرات
کے کلام کا مقتضا ممانعت ہے انھیں ہم نے قول
چہارم میں ذکر کیا، قول اول کے تحت ذکر نہ کیا اس لئے
کہ قولِ اول اسی کی جانب منسوب ہو سکتا ہے جو صاف
طور پر اس کا قائل ہو کہ اسراف کا حکم دریا کو بھی
شامل ہے ـــ ہاں اس قول کی پیروی غنیہ میں ہے
کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: اسراف مکروہ بلکہ
حرام ہے اگرچہ نہر جاری کے کنارے ہو
اس لئے کہ باری تعالٰی کا ارشاد ہے

ف: معروضة ثالثة عليه

تبذیرا[1] اھ۔

التنبیہ الثانی کان عرض علی البحر واقی بالتصریح علی الدر فقال ما ذکرہ الشارح ھنا فقد علمت انہ لیس من کلام مشائخ المذھب[2] اھ۔

اقول والدر ایضا مصفی عن ھذا الکدر کدر مکنون وانما اغتر المحشی العلامۃ بقولہ لوبماء النھر ولو یفرق بین تعبیری التوضی من النھر وبماء النھر ورأیتنی کتبت ھٰھنا علی الدر قولہ لو بماء النھر:

اقول ای فی الارض لا فی النھر وارادتعمیم الماء المباح والمملوک اخراجا للماء الموقوف فلاینافی ما قدمہ عن القھستانی عن الجواھر[3] اھ ما کتبت علیہ۔

ولا تبذر تبذیرا اور فضول خرچی نہ کر اھ۔(ت)

تنبیہ (۲) صاحبِ بحر پر تو تعریض کی تھی اور صاحبِ درمختار کے معاملہ میں تو تصریح کردی اور لکھا کہ: "شارح نے یہاں جو بیان کیا تمھیں معلوم ہے کہ وہ مشائخ مذہب میں سے کسی کا کلام نہیں" اھ

اقول اس کدورت سے دُر بھی کسی دُرِ مکنون کی طرح صاف ہے ـــــ علامہ محشی کو درمختار کے لفظ "لو بماء النھر" سے دھوکا ہوا اور التوضی من النھر اور التوضی بماء النھر (دریا سے وضو کرنا اور دریا کے پانی سے وضو کرنا) کی تعبیروں میں فرق نہ کرسکے۔ یہاں دُرِ مختار کے قول "لو بماء النھر" پر دیکھا کہ میں نے یہ حاشیہ لکھا ہے:

اقول (پانی میں اسراف مکروہ تحریمی ہے اگر نہر کے پانی سے طہارت حاصل کرے) یعنی نہر کے پانی سے زمین میں (وضو کرے) نہر کے اندر نہیں انھوں نے وقف شدہ پانی کو خارج کرنے کے لئے حکم آب مباح اور آب مملوک کو عام کرنا چاہا ہے تو یہ اس کے منافی نہیں جو وہ قہستانی کے حوالے سے جواہر سے سابقاً نقل کرچکے اھ۔ میرا حاشیہ ختم ہوا۔

ف: معروضۃ رابعۃ علیہ

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان یستاک سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴ و ۳۵
[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۰
[3] جدالممتار علی ردالمحتار " المجمع الاسلامی مبارکپور اعظم گڑھ (ہند) ۱/ ۹۹

ومما اكد الاشتباه على العلامة المحشی ان المحقق الحلبی فی الحلیة نقل مسألة الماء الموقوف وماء المدارس عن عبارة الشافعی المتأخر فتمامها بعد قوله مکروہ علی الصحیح وقیل حرام وقیل خلاف الاولٰی و محل الخلاف ما اذا توضأ من نہر او ماء مملوك له فان توضأ من ماء موقوف حرمة الزیادة والسرف بلاخلاف لان الزیادة غیر ماذون فیہا و ماء المدارس من ھذا القبیل لانہ انما یوقف ویساق لمن یتوضوء الوضوء الشرعی ولم یقصد اباحتہا لغیر ذلك[1] اھ۔

اور علامہ شامی کے اشتباہ کو تقویت اس سے بھی ملی کہ محقق حلبی نے آب موقوف اور آب مدارس کا مسئلہ شافعی متاخر کی عبارت سے نقل کیا کیونکہ ان شافعی کے قول "مکروہ بر قول صحیح، اور کہا گیا حرام اور کہا گیا خلافِ اولیٰ" کے بعد ان کی بقیہ عبارت یہ ہے: اور محلِ اختلاف وہ صورت ہے جب نہر سے وضو کیا ہو یا اپنی ملکیت کے پانی سے کیا ہو تو زیادتی و اسراف بلا اختلاف حرام ہے اس لئے کہ زیادتی کی اجازت نہیں اور مدارس کا پانی اسی قبیل سے ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں کے لئے وقف ہوتا اور لایا جاتا ہے جو اس سے وضوئے شرعی کریں اور ان کے علاوہ کے لئے اس کی اباحت مقصود نہیں ہوتی اھ۔

ثم رأی المسألتین فی عبارتی البحر والدر ورای الحکم فیہما بکراھة التحریم فسبق الی خاطرہ انہما تبعا قیل التحریم العام ولیس کذلك فان حرمة الاسراف فی الاوقات مجمع علیہا وقد غیرا فی التعبیر بما یبرئہما عن تعمیم التحریم، فلم یقولا توضأ من نہر بل قال البحر ھذا اذا کان

پھر علامہ شامی نے یہ دونوں مسئلے بحر اور در کی عبارتوں میں بھی دیکھے یعنی یہ کہ ان دونوں میں کراہت تحریم کا حکم موجود ہے۔ تو ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ دونوں نے تحریم عام کے قول کی پیروی کر لی ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں۔ اس لئے کہ اوقاف میں اسراف کی حرمت اجماعی ہے اور دونوں حضرات نے تعبیر میں اتنی تبدیلی کر دی جس کے باعث تحریم کو عام قرار دینے سے بری ہو گئے۔ تو ان حضرات نے "توضأ من نہر" (دریا سے وضو کیا) نہ کہا بلکہ بحر نے کہا: ھذا اذا کان

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ماء نهر[1] وقال الدر لو بماء النهر[2] والفرق فی التعبیرین لایخفی علی المتأمل۔

ماء نہر (یہ حکم اس وقت ہے جب دریا کا پانی ہو الخ) اور صاحب درمختار نے کہا، لوبماء النھر (اگر دریا کے پانی سے وضو کرے الخ) اور تأمل کرنے والے پر دونوں تعبیروں کا فرق مخفی نہیں۔

وبیان ذلك علی ما **اقول** ان التوضؤ من النھر وان لم یدل مطابقة الاعلی التوضی بالاغتراف منه لکن یدل عرفا علی نفی الواسطة فمن ملأکوزا من نھر واغترف عند التوضی من الکوز لایقال توضأ من النھر بل من الکوز الاعلی ارادة حذف ای بماء ماخوذ من النھر والتوضی من نھر بلا واسطة انما یکون فی متعارف الناس بان تدخل النھر او تجلس علی شاطئه وتغترف منه بیدك وتتوضأ فیه فوقوع الغسالة فی النھر ھو الطریق المعروف للتوضی من النھر فیدل علیه دلالة التزام للعرف المعھود

اقول اس کی توضیح یہ ہے کہ التوضی من النھر (دریا سے وضو کرنا) اگرچہ معنی مطابقی کے لحاظ سے یہی بتاتا ہے کہ اس سے ہاتھ یا برتن میں پانی لے کر وضو کرنا ــــ لیکن عرفاً اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس سے بغیر کسی واسطہ کے وضو کرنا تو اگر کسی نے برتن میں دریا سے پانی بھر لیا اور وضو کے وقت برتن سے ہاتھ میں پانی لے کر وضو کیا تو یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے دریا سے وضو کیا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ برتن سے وضو کیا۔ مگر حذف مراد لے کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ دریا سے ــــ یعنی دریا سے لئے ہوئے پانی سے وضو کیا ــــ اور نہر سے بلاواسطہ وضو کرنے کی صورت لوگوں کے عرف میں یہ ہوتی ہے کہ کوئی دریا کے اندر جا کر ــــــــــــ یا اس کے کنارے بیٹھ کر اس سے ہاتھ میں پانی لیتے ہوئے اسی میں وضو کرے کہ غسالہ دریا ہی میں گرے یہی نہر سے وضو کا معروف طریقہ ہے کہ غسالہ اسی میں گرتا ہے تو عرف معلوم کے سبب اس پر اس

---

[1] البحر الرائق — کتاب الطہارۃ — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹
[2] الدر المختار — " — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴

بخلاف التوضی بماء النھر فلا دلالۃ له علی وقوع الغسالۃ فی شیئ اصلا الاتری ان من توضأ فی بیته بماء جُلب من النھر تقول توضأ بماء النھر لامن النھر ھذا ھو العرف الفاشی، والفرق فی الاسراف بین الماء الجاری وغیرہ بانه تضییع فی غیرہ لا فیه، انما یبتنی علی وقوع الغسالۃ فیه ولا مدخل فیه للاغتراف، فمن ملأ جرۃ من نھر وسکبھا علی الارض من دون نفع فقد ضیع وان افرغ جرۃ عندہ فی نھر لم یضیع والدال علی ھذا المبنی ھو لفظ من نھر لا لفظ بماء النھر کما علمت، ففی الاول تکون دلالۃ علی تعمیم التحریم لا فی الثانی ھذا ھو الفارق بین تعبیر ذٰلك الشافعی وتعبیر البحر والدر وحینئذ یجد الدر معه الجواھر والمنتقی والنھر وغیرھا فلا یکون

لفظ کی دلالت التزامی پائی جائے گی ۔۔ اور التوضی بماء النھر (دریا کے پانی سے وضو کرنے) کا مفہوم یہ نہیں ہوتا اس لفظ کی دلالت کسی چیز کے اندر غسالہ کے گرنے پر بالکل نہیں ہوتی ۔ دیکھئے اگر کسی نے اپنے گھر میں اُس پانی سے وضو کیا جو دریا سے لایا گیا تھا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے دریا کے پانی سے وضو کیا اور یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے دریا سے وضو کیا ۔ یہی عام مشہور عرف ہے ۔ آبِ رواں اور غیر رواں کے درمیان اسراف میں یہ فرق کہ غیر جاری میں پانی برباد ہوتا ہے اور جاری میں برباد نہیں ہوتا ، اس کی بنیاد غسالہ کے اس کے اندر گرنے ہی پر ہے ۔۔ اور اس فرق میں ہاتھ یا برتن سے پانی لینے کو کوئی دخل نہیں کیوں کہ اگر کسی نے دریا سے گھڑا بھر کر زمین پر بے فائدہ بہادیا تو اس نے پانی برباد کیا ۔۔ اور اگر اپنے پاس کا بھرا ہوا گھڑا دریا میں اُنڈیل دیا تو اس نے پانی برباد نہ کیا اور اس بنیاد کو بتانے والا لفظ وہی "من نھر" (دریا سے) ہے "بماء النھر" (دریا کے پانی سے) نہیں جیسا کہ واضح ہوا ۔ تو من نھر کہنے میں اس پر دلالت ہوتی ہے کہ حکم تحریم دریا سے وضو کو بھی شامل ہے اور بماء النھر کہنے میں یہ دلالت نہیں ہوتی ۔ یہی فرق ہے ان شافعی کی تعبیر میں اور بحر و دُر کی تعبیر میں ۔۔ اور جب ایسا ہے تو صاحبِ دُر اپنے ساتھ جواہر کو بھی پائیں گے اور ملتقی و نھر وغیرہا کو بھی ۔۔ تو وہ غیر مذہب کے کسی

متبعا القيل فی غير المذهب۔

اقول فبتحقيقنا هذا ظهر الجواب عما اخذ به الامام المحقق الحلبی فی الحلية على المشائخ حيث يطلقون هٰهنا من مكان فی يقولون توضأ من حوض من نهر من كذا ويريدون وقوع الغسالة فيه قال فی المنية[1] اذا كان الرجال صفوفا يتوضؤن من حوض كبير جاز قال فی الحلية[2] التوضی منه لا يستلزم البتة وقوع الغسالة فيه بخلاف التوضی فيه ووقوع غسالاتهم فيه هو مقصود الافادة واطال فی ذلك وكرره فی مواضع من كتابه وهو من باب التدقق والمشائخ يتساهلون باكثر من هذا فكيف وهو المفاد من جهة المعتاد۔

قولِ ضعیف کی پیروی کرنے والے نہ ہوں گے۔

اقول ہماری اسی تحقیق سے اس کا جواب بھی واضح ہوگیا جو امام محقق حلبی نے حلیہ میں حضرات مشائخ پر گرفت کی ہے اس طرح کہ وہ حضرات یہاں "فی" (میں) کی جگہ "من" (سے) بولتے ہیں کہتے ہیں توضأ من حوض، من نهر، من كذا (حوض سے، دریا سے، فلاں سے وضو کیا) اور مراد یہ لیتے ہیں کہ غسالہ اسی میں گرا۔ منیہ میں لکھا: جب بہت سے لوگ قطاروں میں کسی بڑے حوض سے وضو کریں تو جائز ہے — اس پر حلیہ میں لکھا، حوض سے وضو کرنا قطعی طور پر اس بات کو مستلزم نہیں کہ غسالہ اسی میں گرے بخلاف حوض میں وضو کرنے کے — اور لوگوں کا غسالہ اس میں گرتا ہو یہی بتانا مقصود ہے — اس اعتراض کو بہت طویل بیان کیا ہے اور اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر بار بار ذکر کیا ہے حالاں کہ یہ عبارت میں بے جا تدقیق کے باب سے ہے۔ حضرات مشائخ تو اس سے بہت زیادہ تسامح سے کام لیتے ہیں پھر اس میں کیا جب کہ عرف عام اور طریق معمول کا مفاد بھی یہی ہے۔ (ت)

ف: تطفل على الحلية

---

[1] منية المصلی فصل فی الحياض مكتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۷

[2] حلية المحلی شرح منية المصلی

تنبیہ (۳) علامہ عمر بن نجیم نے نہر الفائق میں قول سوم کو دوم کی طرف راجع کیا اور اپنے شیخ اکرم و اخ اعظم محقق زین رحمہما اللہ تعالٰی کی تقریر سے یہ جواب دیا کہ ترک اسراف کو ادب یا مستحب گننا اسے مقتضی نہیں کہ اسراف مکروہِ تنزیہی بھی نہ ہُوا کہ آخر خلافِ مستحب ہے اور خلافِ مستحب خلافِ اولٰی اور خلافِ اولٰی مکروہِ تنزیہی۔

قال فی المنحۃ قال فی النھر لا نسلم ان ترك المندوب غیر مکروہ تنزیھا لما فی فتح القدیر من الجنائز و الشھادات ان مرجع کراھۃ التنزیہ خلاف الاولٰی ولاشك ان تارك المندوب اٰت بخلاف الاولٰی اھ[1]۔

منحۃ الخالق میں ہے نہر میں کہا، ہم اسے نہیں مانتے کہ ترکِ مندوب، مکروہ تنزیہی نہیں اس لئے کہ فتح القدیر میں جنائز اور کتاب الشہادات میں لکھا ہے کہ کراہت تنزیہ کا مآل خلافِ اولٰی ہے اور مندوب کو ترک کرنے والا بلاشبہہ خلافِ اولٰی کا مرتکب ہے اھ۔ (ت)

یہی جواب کلامِ بدائع پر محقق حلبی کی تقریر سے ہوگا۔ علامہ شامی نے یہاں اُسے مقرر رکھا اور ردالمحتار میں صراحۃً اُس کا اتباع کیا،

حیث قال مامشی علیہ فی الفتح و البدائع وغیرھما من جعل ترکہ مندوبا فیکرہ تنزیھا[2] اھ۔

اس طرح وُہ لکھتے ہیں: جس پر فتح، بدائع وغیرہما میں گئے ہیں وہ یہ ہے کہ ترکِ اسراف کو مندوب قرار دیا ہے تو وہ اسراف تنزیہی ہوگا اھ (ت)

اقول و باللہ استعین (میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہُوں۔ ت)

اوّلاً ف یہ معلوم کیجئے کہ مکروہ تنزیہی کی تحدید میں کلماتِ علما مختلف بھی ہیں اور مضطرب بھی، فتح القدیر کی طرح نہ ایک کتاب بلکہ بکثرت کتب میں ہے کہ کراہت تنزیہ کا مرجع خلافِ اولٰی ہے اس طور پر ہر مستحب کا ترک بھی مکروہِ تنزیہی ہونا چاہئے۔ درمختار آخر مکروہاتِ نماز میں ہے،

یکرہ ترك کل سنۃ و مستحب[3]۔

ہر سنّت و مستحب کا ترک مکروہ ہے۔ (ت)

ف: مکروہ تنزیہی کی تحدید میں عُلماء کا اختلاف اور عبارات میں اضطراب۔

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی الاسراف فی الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

[3] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

اور بہت محققین کراہت کے لئے دلیل خاص یا صیغۂ نہی کی حاجت جانتے ہیں یعنی جبکہ فعل سے باز رہنے کی طلب غیر حتمی پر دال ہو۔

اقول ولو قطعی الثبوت[1] فان المدار علی ماذکرنا من حال الطلب کما قدمنا تحقیقہ فی الجود الحلو وان قال فی الحلیۃ من صدر الکتاب" المنھی خلاف المامور فان کان النھی المتعلق بہ قطعی الثبوت والدلالۃ فحرام وان کان ظنی الثبوت دون الدلالۃ او بالعکس فمکروہ تحریما وان کان ظنی الثبوت والدلالۃ فمکروہ تنزیہا[1] اھ۔

اقول اگرچہ دلیل قطعی الثبوت ہو اس لئے کہ مدار اسی پر ہے جسے ہم نے ذکر کیا یعنی یہ کہ طلب کا حال کیا ہے حتمی ہے یا غیر حتمی، جیسا کہ اس کی تحقیق الجود الحلو میں ہم کر چکے۔ اگرچہ حلیہ کے اندر شروع کتاب میں یہ لکھا ہے: منہی، مامور کا مخالف ہے۔ اگر اس سے تعلق رکھنے والی نہی ثبوت اور دلالت میں قطعی ہو تو وہ حرام ہے۔ اور اگر ثبوت میں ظنی ہو دلالت میں نہیں، یا برعکس صورت ہو تو مکروہِ تحریمی ہے۔ اور اگر ثبوت و دلالت میں ظنی ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اھ۔ (ت)

اور شک نہیں کہ اس تقدیر پر ترکِ مستحب مکروہ نہ ہوگا۔ مجمع الانہر باب الاذان میں ہے:

لاکراھۃ فی ترك المندوب[2]۔

ترکِ مندوب میں کوئی کراہت نہیں۔ (ت)

اضطراب یہ کہ جن صاحبِ فتح[2] قدس سرہٗ نے جابجا تصریح فرمائی کہ خلافِ اولٰی مکروہ تنزیہی ہے اور اوقاتِ مکروہہ نماز میں فرمایا کہ جانبِ ترک میں مکروہِ تنزیہی جانبِ فعل میں مندوب کے رتبہ میں ہے:

حیث قال التحریم فی مقابلۃ الفرض فی الرتبۃ وکراھۃ التحریم فی رتبۃ الواجب والتنزیہ برتبۃ المندوب[3]۔

ان کے الفاظ یہ ہیں، تحریم رتبہ میں فرض کے مقابل ہے اور کراہت تحریم رتبہ میں واجب کے مقابل اور کراہت تنزیہ مندوب کے رتبہ میں ہے (ت)

---

[1]، تطفل علی الحلیۃ

[2]، تطفل ما علی الفتح۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الصلوٰۃ باب الاذان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۵

[3] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت فصل فی الاوقات المکروہۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۲

انھیں نے تحریر الاصول میں فرمایا کہ مکروہ تنزیہی وہ ہے جس میں صیغۂ نہی وارد ہو اور جس میں نہی نہیں وہ خلافِ اولٰی ہے اور کراہت تنزیہ کا مرجع خلافِ اولٰی کی طرف ہونا ایک اطلاق موسع کی بنا پر ہے

حیث قال فی الباب الاول من المقالۃ الثانیۃ من التحریر مسألۃ اطلاق المامور بہ علی المندوب ما نصہ" المکروہ منھی ای اصطلاحا حقیقۃ" مجازا" لغۃ" و المراد تنزیھا ویطلق علی الحرام وخلاف الاولی مما لاصیغۃ فیہ والا فالتنزیھیۃ مرجعھا الیہ[1]

اس طرح کہ تحریر الاصول مقالۂ دوم کے باب اول مسألہ اطلاق المامور بہ علی المندوب کے تحت لکھا: مکروہ اصطلاح میں حقیقۃً منہی ہے اور لغت میں مجازاً — اور مکروہ سے مراد تنزیہی ہے اور اس کا اطلاق حرام پر بھی ہوتا ہے اور اس خلافِ اولٰی پر بھی جس سے متعلق صیغۂ نہی وارد نہیں ورنہ کراہت تنزیہ کا مرجع وہی ہے (جس میں صیغۂ نہی وارد ہو)۔ (ت)

جس حلیہ[ف۱] میں یہ فرمایا کہ علی الاول یکون الاسراف غیر مکروہ[2] (اسراف کو خلافِ ادب ٹھہرانے والے قول پر اسراف مکروہ نہ ہوگا۔ ت) اُسی کے صدر میں ہے:

المکروہ تنزیھا مرجعہ الی خلاف الاولی والظاھر انھما متساویان[3]

مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولٰی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں تساوی ہے۔ (ت)

جس غنیہ[ف۲] کے اوقات (نماز) میں باتباع فتح تصریح فرمائی کہ التنزیھیۃ مقابلۃ المندوب[4] (کراہتِ تنزیہیہ بمقابلۂ مندوب ہے۔ ت) اُسی کے مکروہاتِ صلوٰۃ میں فرمایا:

الفعل ان تضمن ترك واجب فھو مکروہ کراھۃ تحریم، وان تضمن ترك سنۃ فھو مکروہ

فعل اگر ترکِ واجب پر مشتمل ہو تو مکروہِ تحریمی ہے اور ترکِ سنّت پر مشتمل ہو تو مکروہِ تنزیہی، لیکن

ف۱: تطفل علی الحلیۃ

ف۲: تطفل علی الغنیۃ

---

[1] التحریر فی اصول الفقہ المقالۃ الثانیہ الباب الاول مصطفٰی البابی مصر ص ۲۵۶ و ۲۵۷

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3]

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی الشرط الخامس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۳۶

کراھۃ تنزیہ ولکن تتفاوت فی الشدۃ والقرب من التحریمیۃ بحسب تأکد السنۃ۔[1]

یہ شدّت اور مکروہِ تحریمی سے قرب کے معاملہ میں سنّت کے تاکید پانے کے لحاظ سے تفاوت رکھتا ہے۔ (ت)

نیز صدر کتاب میں فرمایا:

(اعلم ان للصلوۃ سُنناً) وترکہا یوجب کراھۃ تنزیہ (وآدابا) جمع ادب ولاباس بترکہ ولاکراھۃ (وکراھیۃ) والمراد بہا ما یتضمن ترك سنۃ وھو کراھۃ تنزیہ او ترك واجب وھو کراھۃ التحریم۔[2]

(واضح ہو کہ نماز کی کچھ سُنتیں ہیں) اور ان کا ترک کراہت تنزیہ کا موجب ہے (اور کچھ آداب ہیں) یہ ادب کی جمع ہے اور اس کے ترک میں کوئی حرج اور کراہت نہیں (اور کچھ مکروہات ہیں) ان سے مراد وہ جو ترکِ سُنّت پر مشتمل ہو یہ مکروہ تنزیہی ہے یا وہ جو ترک واجب پر مشتمل ہو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

جس بحرف کے اوقات (نماز) میں تھا التنزیہ فی مرتبۃ المندوب[3] (کراہت تنزیہی مندوب کے مقابل مرتبہ میں ہے۔ ت) اُسی کے باب العیدین میں فرمایا:

لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ اذلابد لہا من دلیل خاص فلذا کان المختار عدم کراھۃ الاکل قبل الصلوۃ اھ ای صلوۃ الاضحی۔[4]

ترکِ مستحب سے کراہت لازم نہیں اس لئے کہ کراہت کے لئے دلیل خاص ضروری ہے۔ اسی لئے مختار یہ ہے کہ نماز عید قرباں سے پہلے کھالینا مکروہ نہیں۔ (ت)

اور درعہ بارۂ ترک اسراف ان کا کلام گزرا اُسی کے مکروہاتِ نماز میں ایسی ہی تصریح فرما کر پھر

ف: تطفل علی البحر

عہ نیز ثانیاً میں اُن کا کلام آتا ہے کہ امام زیلعی نے لطم وجہ کو مکروہ لکھا تو اس کا ترک سنت ہوگا نہ کہ مستحب ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل مکروہات الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۵

[2] " " " مقدمۃ الکتاب " " ۱۳

[3] البحرالرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۹

[4] " " باب العیدین " " ۲/۱۶۳

خود اس پر اشکال وارد کردیا کہ ہر مستحب خلافِ اولٰی ہے اور یہی کراہت تنزیہ کا حاصل،

حیث قال السنۃ ان کانت غیر مؤکدۃ فترکہا مکروہ تنزیہا وان کان الشیئ مستحبا او مندوبا ولیس بسنۃ فینبغی ان لایکون ترکہ مکروھا اصلا کما صرحوا بہ انہ یستحب یوم الاضحٰی ان لایأکل قالوا ولو اکل فلیس بمکروہ فلم یلزم من ترك المندوب ثبوت کراھتہ الا انہ یشکل علیہ ما قالوہ ان المکروہ تنزیہا خلاف الاولی ولاشك ان ترك المستحب خلاف الاولی[1] اھ۔

ان کے الفاظ یہ ہیں، سنت اگر غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے اور کوئی شیئ مستحب یا مندوب ہے اور سنّت نہیں ہے تو اس کا ترک مکروہ بالکل نہ ہونا چاہئے جیسے علماء نے تصریح فرمائی کہ عید اضحٰی کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کھالیا تو مکروہ نہیں تو ترکِ مستحب سے کراہت کا ثبوت لازم نہ ہوا مگر اس پر اشکال علماء کے اس قول سے پڑتا ہے کہ مکروہ تنزیہی خلاف اولٰے ہے اور اس میں شک نہیں کہ ترکِ مستحب خلافِ اولٰی ہے اھ۔

اما العلامۃ الشامی فاضطرب اقوالہ ھٰھنا اکثر واوفر ف ففی مستحبات الوضوء نقل مسألۃ الاکل یوم الاضحی واستظہر ان ترك المستحب لایکرہ حیث قال اقول وھذا ھو الظاھر ان النوافل فعلہا اولی ولایقال ترکہا مکروہ[2] اھ ثم بعد صفحۃ رجع وقال قدمنا ان الترك المندوب

لیکن علامہ شامی تو ان کے اقوال کا اضطراب یہاں بہت بڑھا ہوا ہے ــــ مستحباتِ وضو میں روزِ اضحٰی کھانے کا مسئلہ نقل کیا اور ترکِ مستحب کے مکروہ نہ ہونے کو ظاہر کہا، عبارت یہ ہے: میں کہتا ہوں یہی ظاہر ہے اس لئے کہ نوافل کی ادائیگی اولٰے ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا ترک مکروہ ہے اھ ــــ پھر ایک صفحہ کے بعد رجوع کیا اور کہا: ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ

ف: معروضۃ علی العلامۃ ش

[1] البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۲

[2] رد المحتار کتاب الطہارۃ مستحبات الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۴

مکروہ تنزیہا[1] اھ۔ وقال فی مکروھات الوضوء[ف1] المکروہ تنزیھا یرادف خلاف الاولی[2] اھ ورجع آخر مکروھات الصلوٰۃ فقال "الظاھر ان خلاف الاولی اعم فقد لایکون مکروھا حیث لادلیل خاص کترك صلوٰۃ الضحی[3] اھ وقال فی صدرھا[ف2] قلت ویعرف ایضا بلادلیل نھی خاص بان تضمن ترك واجب او سنۃ فالاول مکروہ تحریما والثانی تنزیھا[4] اھ ورجع فی اخرھا فقال بعد مامر" وبہ یظھران کون ترك المستحب راجعا الی خلاف الاولی لایلزم منہ ان یکون مکروھا الابنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلابد لہ من دلیل[5] اھ۔

ترکِ مندوب مکروہِ تنزیہی ہے اھ ۔ مکروہاتِ وضو میں کہا، مکروہِ تنزیہی خلافِ اولیٰ کا مرادف ہے اھ ۔ اور مکروہاتِ نماز کے آخر میں رجوع کرکے کہا: ظاہر یہ ہے کہ خلافِ اولیٰ اعم ہے بعض اوقات یہ مکروہ نہیں ہوتا، ایسی جگہ جہاں کوئی دلیل خاص نہ ہو جیسے نمازِ چاشت کا ترک اھ ۔ مکروہاتِ نماز کے شروع میں کہا: میں کہتا ہوں اس کی معرفت نہی خاص کی دلیل کے بغیر بھی ہوتی ہے اس طرح کہ کسی واجب یا سنّت کے ترک پر مشتمل ہو۔ اول مکروہ تحریمی ہے اور ثانی مکروہ تنزیہی اھ ۔ اور مکروہاتِ نماز کے آخر میں رجوع کیا اس طرح کہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد کہا: اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترکِ مستحب خلافِ اولیٰ کی طرف راجع ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں مگر یہ کہ خاص نہی ہو اس لئے کہ کراہت ایک حکمِ شرعی ہے تو اس کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے اھ ۔

ف1: معروضۃ اخرٰی علیہ

ف2: معروضۃ ثالث علیہ

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مستحبات الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۵

[2] " " مکروہات الوضوء " " " " " ۱/۸۹

[3] " کتاب الصلوٰۃ باب یفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا " " " " ۱/۴۳۹

[4] " " " " " " " " " " ۱/۴۲۹

[5] " " " " " " " " " " ۱/۴۳۹

ثم بعد ورقة[ف۱] رجع عن هذا الرجوع فقال فی مسألۃ استقبال النیرین فی الخلاء" الظاھر ان الکراھۃ فیہ تنزیھیۃ مالم یرد نھی خاص[۱] اھ۔

پھر ایک ورق کے بعد بیت الخلا میں سورج اور چاند کے رُخ پر ہونے کے مسئلہ میں اس سے رجوع کیا اور کہا: ظاہر یہ ہے کہ کراہت اس میں تنزیہی ہے جب تک کہ کوئی خاص نہی وارد نہ ہو اھ۔

وقال فی[ف۲] المنحۃ عند قول البحر قد صرحوا بان التفات[ف۳] البصر یمنۃ ویسرۃ من غیر تحویل الوجہ اصلا غیر مکروہ مطلقا والاولی ترکہ لغیر حاجۃ مانصہ ای فیکون مکروھا تنزیھا کما ھو مرجع خلاف الاولی کما مر[عہ۱]۔ وبہ صرح فی النھر وفی الزیلعی وشرح الملتقی للباقانی انہ مباح لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یلاحظ اصحابہ فی صلوتہ بموق عینیہ ولعل المراد عند عدم[عہ۲] الحاجۃ فلاینافی

بحر کی عبارت ہے: علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ذرا بھی چہرہ پھیرے بغیر نگاہ سے دائیں بائیں التفات مطلقاً مکروہ نہیں اور اولٰی یہ ہے کہ کوئی حاجت نہ ہو تو اس سے باز رہے۔ اس پر منحۃ الخالق میں لکھا: یعنی ایسی صورت میں یہ مکروہ تنزیہی ہوگا جیسا کہ یہ خلافِ اولٰی کا مآل ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ اور نہر میں بھی اسی کی تصریح کی ہے۔ زیلعی میں اور باقانی کی شرح ملتقی میں ہے کہ یہ مباح ہے اس لئے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز میں گوشہ چشم سے ملاحظہ کیا کرتے تھے۔ اور شاید مراد عدم حاجت کی حالت ہے تو یہ اس کے

ف۱: معروضۃ رابعۃ علیہ

ف۲: معروضۃ خامسۃ علیہ

ف۳: مسئلہ نماز میں اگر کن انکھیوں سے بے گردن پھیرے اِدھر اُدھر دیکھے تو مکروہ نہیں، ہاں بے حاجت ہو تو خلاف اولٰی ہے۔

عہ۱: ای فی البحر صدر المکروھات ان المکروہ تنزیھا مرجعہ الٰی ماترکہ اولٰی اھ منہ۔

عہ۱: یعنی بحر کے اندر مکروہاتِ نماز کے شروع میں گزرا کہ مکروہ تنزیہی کا مرجع ترک اولٰی ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: اقول لعل لفظۃ عدم وقعت زائدۃ من قلم الناسخ فالصواب عدم العدم اھ منہ۔

عہ۲: اقول شاید لفظ "عدم" کاتب کے قلم سے سہواً زائد ہوگیا ہے کیونکہ صحیح عدم عدم ہے (یعنی یہ کہ مراد وقتِ حاجت ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۰
[۲] البحرالرائق " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹

ماھنا[1] اھ ثم رجع عما قریب فقال خلاف الاولٰی اعم من المکروہ تنزیھا وترك المستحب خلاف الاولٰی دائما لا مکروہ تنزیھا دائما بل قد یکون مکروھا ان وجد دلیل الکراھۃ والا فلا[2] اھ۔

منافی نہیں جو یہاں ہے اھ — پھر کچھ ہی آگے جاکر اس سے رجوع کرکے کہا: خلافِ اولٰی مکروہ تنزیہی سے اعم ہے اور ترکِ مستحب ہمیشہ خلافِ اولٰی ہوتا ہے، ہمیشہ مکروہ تنزیہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی مکروہ ہوتا ہے اگر دلیل کراہت موجود ہو ورنہ نہیں۔

اقول ومن العجب[ف۱] ان البحر کان صرح فی الالتفات بنفی الکراھۃ مطلقا وان الاولٰی ترکہ لغیر حاجۃ فکان نصا فی نفی الکراھۃ رأسا مع کونہ ترك الاولٰی فی بعض الصور ففسرہ بضدہ اعنی اثبات الکراھۃ لکونہ ترك الاولٰی مع نقلہ عن الزیلعی والباقانی انہ مباح وظاھرہ الاباحۃ الخالصۃ بدلیل الاستدلال بالحدیث فلم یتذکر ھناك ان خلاف الاولٰی لایستلزم الکراھۃ مالم یرد نھی۔

اقول اور تعجب یہ ہے کہ بحر نے تصریح کی تھی کہ التفات میں کوئی بھی کراہت نہیں اور اولٰی یہ ہے کہ حاجت نہ ہو تو اسے ترک کرے یہ اس بارے میں نص تھا کہ ذرا بھی کراہت نہیں باوجودیکہ یہ بعض صورتوں میں ترک اولٰی ہے — علامہ شامی نے اس کی تفسیر اس کی ضد سے کی یعنی یُوں کہ یہ ترک اولٰی ہے اس لئے مکروہ ہے باوجودیکہ زیلعی اور باقانی سے اس کا مباح ہونا بھی نقل کیا ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ مباح خالص ہے جس کی دلیل حدیث سے استدلال ہے تو انھیں وہاں یہ یاد نہ رہا کہ خلاف اولٰی کراہت کو مستلزم نہیں جب تک کوئی نہی وارد نہ ہو۔

بالجملہ اس میں شک نہیں کہ فتح القدیر میں محقق علی الاطلاق کی تصریحات اسی طرف ہیں کہ ترک مستحب بھی مکروہ تنزیہی ہے تو ان کا[ف۲] آداب میں گنا نفی کراہت تنزیہ پر کیونکر دلیل ہو خصوصاً اسی بحث کے آخر میں وہ صاف صاف کراہت اسراف کی تصریح بھی فرماچکے،

حیث قال یکرہ الزیادۃ علی ثلث

ان کے الفاظ یہ ہیں: اعضاء کو تین بار سے

ف۱: معروضۃ سادسۃ علیہ

ف۲: تطفل علی البحر

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۱

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۳۲

فی غسل الاعضاء[1] اھ۔ زیادہ دھونا مکروہ ہے اھ (ت)

اور خود علامہ صاحب بحر نے بھی اُسے اُن سے نقل فرمایا تو اُس حمل پر باعث کیا رہا۔

ثانیاً، اقول اس سے قطع نظر بھی ہو تو محقق نے انھیں آداب میں یہ افعال بھی شمار فرمائے

نزع خاتم علیہ اسمہ تعالٰی او اسم نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حال الاستنجاء وتعاھد ماتحت الخاتم وان لایلطم وجھہ بالماء والدلک خصوصا فی الشتاء وتجاوز حدود الوجہ والیدین والرجلین لیستیقن غسلھما[2]۔

استنجا کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر باری تعالٰی کا یا اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام ہو۔ اور انگشتری کے نیچے والے حصہ بدن دھونے میں خاص خیال رکھنا۔ چہرے پر پانی کا تھپیڑا نہ مارنا۔ اعضاء کو ملنا خصوصاً جاڑے میں۔ چہرے، ہاتھوں اور پیروں کی حدوں سے زیادہ پانی پہنچانا، تاکہ ان حدوں کے دُھل جانے کا یقین ہو جائے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ وقت استنجا اُس انگشتری کا جس پر اللہ عزوجل یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک یا کوئی متبرک لفظ ہو اتار لینا صرف مستحب ہی نہیں قطعاً سنت، اور اس کا ترک ضرور مکروہ بلکہ اساءت ہے بلکہ مطلقاً کچھ لکھا ہو حروف ہی کا ادب چاہیے بلکہ ایسی انگوٹھی پہن کر بیت الخلا میں جانا ہی مکروہ ہے ولہذا تعویذ لے جانے کی اجازت اُس وقت ہوئی کہ غلاف مثلاً موم جامہ میں ہو، اور پھر بھی فرمایا کہ اب بھی بچنا ہی اولٰی ہے اگرچہ غلاف ہونے سے کراہت نہ رہی۔

ف۱: مسئلہ جس انگشتری پر کوئی متبرک نام لکھا ہو وقتِ استنجا اس کا اتار لینا بہت ضرور ہے۔

ف۲: مسئلہ مطلقاً حروف کی تعظیم چاہیے کچھ لکھا ہو۔

ف۳: مسئلہ جس انگشتری پر کچھ لکھا ہو اُسے پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ ہے۔

ف۴: مسئلہ تعویذ اگر غلاف میں ہو تو اُسے پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ نہیں پھر بھی اس سے بچنا افضل ہے۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲

[2] " " " " " "

ردالمحتار میں ہے:

نقلوا عندنا ان للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ و ذکر بعض القراء ان حروف الھجاء قرأن انزلت علی ھود علیہ الصلوٰۃ والسلام[1] الخ۔

منقول ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی بھی عزت ہے اگرچہ الگ الگ لکھے ہوں۔ اور بعض قرار نے ذکر کیا کہ حروفِ تہجی وہ قرآن ہیں جس کا نزول حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوا الخ (ت)

اُسی میں عارف باللہ سیدی عبدالغنی قدس سرہ القدسی سے ہے:

حروف الھجاء قرأن انزلت علی ھود علیہ الصلوٰۃ والسلام کما صرح بذلک الامام القسطلانی فی کتابہ الاشارات فی علم القراءات[2]۔

حروفِ تہجی قرآن ہیں یہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے جیسا کہ امام قسطلانی نے اپنی کتاب "الاشارات فی القراءات" میں اس کی تصریح کی ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

یکرہ ان یدخل الخلاء و معہ خاتم مکتوب علیہ اسم اللہ تعالٰی او شیئ من القرأن[3]۔

خلا میں ایسی انگوٹھی لے کر جانا مکروہ ہے جس پر اللہ تعالٰی کا نام یا قرآن سے کچھ لکھا ہوا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

رقیۃ فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول الخلاء بہ والاحتراز افضل[4]۔

ایسا تعویذ خلاء میں لے کر جانا مکروہ نہیں جو الگ غلاف میں ہو اور بچنا افضل ہے۔ (ت)

ف: حروفِ ہجا ایک قرآن ہے کہ سیدنا ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اترا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۲۷
[2] " " قبیل باب المیاہ " " " ۱/۱۲۰
[3] البحرالرائق " باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۳
[4] الدرالمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴

یوں ہی انگشتری ڈھیلی ہو تو اُسے جنبش دینی وضو میں سنّت ہے اور تنگ ہو کہ بے تحریک پانی نہ پہنچے گا تو فرض۔ خلاصہ میں ہے:

فی مجموع النوازل تحریك الخاتم سنة ان کان واسعا و فرض ان کان ضیقا بحیث لم یصل الماء تحته[1]

مجموع النوازل میں ہے: انگوٹھی کو حرکت دینا سنّت ہے اگرچہ کشادہ ہو، اور فرض ہے اگر اتنی تنگ ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچے۔ (ت)

یوں ہی وضو میں مُنہ پر زور سے چھپاکا مارنا مکروہ اور اس کا ترک مسنون۔ درمختار میں ہے:

مکروھه لطم الوجه او غیرہ بالماء تنزیھا[2]

چہرے یا کسی اور عضو پر پانی کا تھپیڑا مارنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

ان الزیلعی صرح بان لطم الوجه بالماء مکروہ فیکون ترکه سنة لا ادبا[3]

امام زیلعی نے تصریح فرمائی ہے کہ چہرے پر پانی کا تھپیڑا مارنا مکروہ ہے تو اس کا ترک صرف ادب نہیں بلکہ سنّت ہوگا۔ (ت)

یونہی اعضا کا ملنا بھی مثل غسل سنّتِ وضو بھی ہے، درمختار میں ہے:

من السنن الدلك و ترك الاسراف و ترك لطم الوجه بالماء[4]

سُنّتوں سے ہے اعضا کو ملنا، اسراف ترک کرنا، چہرے پر پانی کا تھپیڑا لگانے کو ترک کرنا۔ (ت)

ف۱: مسئلہ انگوٹھی ڈھیلی ہو تو وضو میں اسے پھرا کر پانی ڈالنا سنّت ہے اور تنگ ہو کہ بے جنبش دئے پانی نہ پہنچے تو فرض۔ یہی حکم بالی وغیرہ کا ہے۔

ف۲: مسئلہ وضو میں منہ پر زور سے چھپاکا مارنا مکروہ ہے بلکہ کسی عضو پر اس زور سے نہ ڈالے کہ چھینٹیں اُڑ کر بدن یا کپڑوں پر جائیں۔

ف۳: مسئلہ اعضا کا مل مل کر دھونا وضو اور غسل دونوں میں سنّت ہے۔

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارات الفصل الثالث سنن الوضوء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۳

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴

[3] البحر الرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹

[4] الدر المختار " " " ۱/ ۲۲

خلاصہ فصل وضو جنس آخر صفتِ وضو میں ہے،

والدلك عندنا سنة[1] اعضاء کو ملنا ہمارے نزدیک سُنّت ہے (ت)

رہا اعضا میں حدودِ شرعیہ سے اتنا تجاوز[ف1] جس سے یقین ہو جائے کہ حدودِ فرض کا استیعاب ہو لیا۔

اقول اگر یقین[ف2] سے یقین فقہی مراد ہو جیسا کہ کتبِ فقہیہ میں وہی متبادر ہے تو یہ ادب وسنت درکنار خود واجب ولابدی ہے۔ ہاں یقین کلامی مراد ہو تو ادب کہنا عجب نہیں۔

هذا وقد نبه من هذه الافعال الاربعة على سنية الاخيرين في البحر۔

یہ ذہن نشین رہے، ان چار افعال میں سے آخری دو کے مسنون ہونے پر بحر میں تنبیہ کر دی۔ (ت)

اقول والعجب[ف3] ترك الاولين مع نقله اياهما ايضا عن الفتح فالسكوت يكون اشد ايهاما مما لو لم يأثرهما ولاشك ان الثاني مثل الرابع الذي استند فيه البحر الى ان الخلاصة جعله سنة فكذلك نص فيها على سنية الثاني ايضا اما[ف4] الاول فاهم الكل واحقها بالتنبيه والبحر نفسه صرح في الاستنجاء

اقول اور تعجب ہے کہ پہلے دونوں کو ترک کر دیا حالاں کہ ان دونوں کو بھی فتح القدیر سے نقل کیا ہے اس لئے یہاں سکوت اُس صورت سے زیادہ ایہام خیز ہے جب کہ ان دونوں کو نقل ہی نہ کیا ہوتا۔ اور چہارم (اعضا کو ملنا) سے متعلق تو بحر نے خلاصہ کی سند پیش کی کہ اس میں اسے سنّت قرار دیا ہے جب کہ بلاشبہہ دوم (انگشتری کو حرکت دینا) بھی اسی کی طرح ہے کہ اس سے متعلق بھی خلاصہ میں مسنون ہونے کی تصریح ہے، رہا اول (جس انگشتری

ف1: اعضائے وضو دھونے میں حدِ شرعی سے اتنی خفیف تحریر بڑھانا جس سے حدِ شرعی تک استیعاب میں شبہہ نہ رہے واجب ہے۔

ف2: تطفل ما على الفتح۔

ف3: تطفل على البحر

ف4: تطفل اخر عليه

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارات الفصل الثالث جنس آخر فی سنن الوضوء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲

بما سمعت ولکن جل من لایغیب عن علمہ شئ قط۔

پر خدا ورسول کا نام ہو اسے اتار لینا) تو وہ سب سے اہم اور سب سے زیادہ مستحق تنبیہ ہے اور خود بحر نے بیانِ استنجا میں وہ تصریح کی ہے جو پیش ہوئی۔ لیکن بزرگ ہے وہ جس کے علم سے کوئی شے کسی وقت اوجھل نہیں ہوتی۔(ت)

یہاں سے واضح ہوا کہ محقق کا اس عبارت میں ترک اسراف کو (ادب) شمار فرمانا نفی کراہت پر حاکم نہیں ہوسکتا۔

اقول وکان من احسن[ف۱] الاعذار عن المحقق رحمہ اللہ تعالٰی انہ تجوز فاطلق الادب علی مایعم السنن لکنہ ھٰھنا قد میز السنن من الاداب کما میز فی الخلاصۃ واخذ[ف۲] علی الکتاب فی جعلہ التیامن واستیعاب الرأس بالمسح مستحبین وقال بعد اقامۃ الدلیل فالحق[عہ] ان الکل سنۃ ومسح الرقبۃ مستحب[۱] اھ ثم قال ومن

اقول حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی کی جانب سے سب سے بہتر عذر یہ تھا کہ انھوں نے مجازاً لفظ ادب کا اطلاق اس پر کیا ہے جو سنتوں کو بھی شامل ہو۔۔۔ لیکن انھوں نے یہاں سنتوں کو آداب سے الگ رکھا ہے جیسے خلاصہ میں الگ الگ رکھا ہے اور حضرت محقق نے کتاب (ہدایہ) پر داہنے سے شروع کرنے، اور مسح میں پورے سر کے احاطہ کو مستحب قرار دینے پر گرفت کی ہے اور دلیل قائم کرنے کے بعد لکھا ہے: تو حق یہ ہے کہ سب سنت ہے اور گردن کا مسح مستحب ہے اھ پھر

ف۱: تطفل علی الفتح

ف۲: مسئلہ وضو میں ہاتھ اور یونہی پاؤں بائیں سے پہلے دہنا دھونا یعنی سیدھے سے ابتدا کرنا سنت ہے اگرچہ بہت کتب میں اسے مستحب لکھا۔

عہ تبعہ علی الاول فی البرہان ثم الشرنبلالی وغیرھما وعلی الثانی من لایحصی اھ منہ۔

عہ اول پر حضرت محقق کا اتباع برہان پھر شرنبلالی وغیرہما میں ہے اور ثانی پر بے شمار لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے اھ منہ (ت)

---

[۱] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱

السنن الترتيب بين المضمضة والاستنشاق (وعد اشياء ثم قال) الاٰداب ترك الاسراف والتقتير[1] الخ فسياق كلامه رحمه الله تعالٰى ينفى العذر المذكور والله تعالٰى اعلم۔	لکھا ہے: اور سُنتوں میں سے مضمضہ و استنشاق کے درمیان ترتیب ہے اور کچھ دوسری چیزیں شمار کیں پھر لکھا: آداب: ترکِ اسراف و تقتیر الخ۔ تو حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی کا سیاق، عذر مذکور کی نفی کردیتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ثالثاً، اقول عبارتِ بدائع میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام ملک العلماء رحمہم اللہ تعالٰی نے ترک اسراف کو صرف ادب ہی نہ فرمایا بلکہ حق بتایا تو اسراف خلافِ حق ہوا باطل ہوا اور اس کا ادنٰی درجہ کراہت فماذا بعد الحق الا الضلال[2] (پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ ت) بلکہ اسراف کو غلو کہا اور دین میں غلو ممنوع، لاتغلوا فی دینکم[3] (اپنے دین میں زیادتی نہ کرو۔ ت)۔

رابعاً، اقول ان تمام تائیدات کے بعد بھی نہر و ردالمحتار کا مطلب کہ قول سوم کو دوم کی طرف راجع کرنا ہے تمام نہیں ہوتا۔ مانا کہ بدائع و فتح کی عبارات نفی کراہت نہ کریں مانا کہ فتح کی رائے میں ترک ادب بھی مکروہ ہو مگر نص امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کیا جواب ہے جس میں اس کے ادب ہونے کی تصریح فرمائی اور مستحبات محققہ کے ساتھ اس کی گنتی آئی اب اگر تحقیق یہ ہے کہ ترکِ مندوب مکروہ نہیں تو ضرور کلام امام کہ امام کلام ہے نفی کراہت کا اشعار فرمائے گا اس بارہ میں کلماتِ علماء کا اختلاف و اضطراب سُن چکے۔

وانا **اقول** وباللہ التوفیق **اولاً** حب و کراہت میں تناقض نہیں کہ ایک کا رفع دوسرے

ف۱: مسئلہ جہاں اور اعضاء میں ترتیب سنّت ہے کہ پہلے منہ دھونے پھر ہاتھ پھر سر کا مسح پھر پاؤں دھونا، یونہی مضمضہ و استنشاق میں بھی۔ یعنی سنّت ہے کہ پہلے کُلّی کرے اس کے بعد ناک میں پانی ڈالے۔

ف۲: تطفل علی الحلیۃ

ف۳: تطفل علی النہر و ش۔

ف۴: **فائدہ جلیلہ** دربارۂ مکروہ تنزیہی و تحریمی و اساءت و خلافِ اولٰی مصنف کی تحقیق نفیس فوائد کثیرہ پر مشتمل اور واجب و سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ کے فرق احکام۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۷۱

کے ثبوت کو مستلزم ہو۔ دیکھو مباح سے دونوں مرتفع ہیں تو ترکِ مستحب مطلقاً مستلزمِ کراہت کیوں ہُوا۔

ثانیاً، اقول اگر ترکِ مستحب موجبِ کراہت ہو تو آدمی جس وقت خالی بیٹھا ہو اور کوئی مطالبہ شرعیہ اُس وقت اُس پر لازم نہ ہو لازم کہ اُس وقت لاکھوں مکروہ کا مرتکب ٹھہرے کہ مندوبات بیشمار ہیں اور وہ اُس وقت اُن سب کا تارک۔

ثالثاً، اقول کراہت کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ وہ مقابل سنت ہے نہ مقابل مندوب جو بندہ ہو کر بلاوجہ وجیہ ایسی چیز کا ارتکاب کرے جسے اُس کا مولٰی مکروہ رکھتا ہے وہ کسی ملامت و سرزنش کا بھی مستحق نہ ہو تو مولٰی کے نزدیک مکروہ ہونے کا کیا اثر ہوا، اور جب فعل پر سرزنش چاہئے تو اس کا مرتبہ جانبِ ترک میں وہی ہوا جو جانبِ فعل میں سنت کا ہے کہ اس کے ترک پر ملامت ہے نہ کہ مندوب کا جس کے ترک پر کچھ نہیں، ظاہر ہے کہ کراہت کچھ ہے کی مقتضی ہے اور ترکِ مستحب پر کچھ نہیں، اور کچھ نہیں کچھ ہے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

رابعاً، اقول وباللہ التوفیق تحقیق بالغ وتمیز بازغ یہ ہے کہ فعل مطلوب شرعی کا ترک نادراً ہوگا یا عادۃً، اور ہر ایک پر سزا کا استحقاق ہوگا یا سرزنش کا، یا کچھ نہیں، تو دونوں ترک تین قسم ہوئے، اور تین کو تین میں ضرب دینے سے نو قسمیں عقلی پیدا ہوئیں، ان میں تین بداہۃً باطل ہیں، ترکِ عادی پر کچھ نہ ہو اور نادر پر عذاب یا عتاب، سوم ترکِ عادی پر عتاب اور نادر پر عقاب۔ اور دو قسمیں شرعاً وجود نہیں رکھتیں، ترکِ عادی پر عقاب یا عتاب اور نادر پر کچھ نہیں، کہ شرعاً مستحب کے ترکِ نادر پر کچھ نہیں تو عادی پر بھی کچھ نہیں، اور سنت کے ترکِ عادی پر عتاب ہے تو نادر پر بھی ہے کہ وہ حکمِ سنت ہے اور حکمِ شے کو شے سے انفکاک نہیں۔ اصول امام فخر الاسلام و امام حسام الدین و امام نسفی میں ہے:

حکم السنۃ ان یطالب المرء باقامتھا من غیر افتراض ولا وجوب لانھا طریقۃ امرنا باحیائھا فیستحق اللائمۃ بترکھا[1]

سنت کا حکم یہ ہے کہ آدمی سے اسے قائم کرنے کا مطالبہ ہو بغیر اس کے کہ یہ فرض یا واجب ہو۔ کیونکہ یہ ایسا طریقہ ہے جسے زندہ کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تو اس کے ترک پر ملامت کا مستحق ہوگا۔ (ت)

---

[1] اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹

لاجرم چار قسمیں رہیں :

(۱) ترک عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب استحقاق عذاب ہو یہ بحال قطعیت فرض ورنہ واجب ہے۔

(۲) عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔ یہ سنتِ مؤکدہ ہے کہ اگر نادر پر بھی عذاب ہو تو اُس میں اور واجب میں فرق نہ رہے گا اور عادی پر بھی عتاب ہی ہو تو اس میں اور سنتِ غیر مؤکدہ میں تفاوت نہ ہوگا حالانکہ وہ اُن دونوں میں برزخ ہے۔

(۳) عادی ہو یا نادر، مطلقاً مورثِ عتاب ہو، یہ سنّتِ زائدہ ہے۔

(۴) مطلقاً عذاب وعتاب کچھ نہ ہو، یہ مستحب ومندوب وادب ہے۔ پھر از انجا کہ فعل و ترک میں تقابل ہے بغرض تعادل واجب ہے کہ ایسی ہی چار قسمیں جانبِ ترک نکلیں یعنی جس کا ترک مطلوب ہے :

(۱) اس کا فعل عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب استحقاق عذاب ہو، یہ بحال قطعیت حرام ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) فعل عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب، یہ اساءت ہے جس کی نسبت علماء نے تحقیق فرمائی کہ کراہت تنزیہی سے افحش اور تحریمی سے اخف ہے۔

(۳) مطلق مورثِ عتاب ہی ہو، یہ کراہت تنزیہی ہے۔

(۴) مطلقاً کچھ نہ ہو، یہ خلافِ اولٰی ہے۔

تنویر : اس تقریرِ منیر سے چند جلیل فائدے متجلی ہوئے :

(۱) سنّتِ مؤکدہ کا ترک مطلقاً گناہ نہیں بلکہ اس کے ترک کی عادت گناہ ہے۔

(۲) اساءت کے بارے میں اگرچہ کلماتِ علماء مضطرب ہیں کوئی اُسے کراہت سے کم کہتا ہے کما فی الدر[۱] صدر سنن الصلوٰۃ و بہ نص الامام عبد العزیز فی الکشف وفی التحقیق۔ (جیسا کہ درمختار میں سنن نماز کے شروع میں ہے اور امام عبد العزیز بخاری نے کشف میں اور تحقیق میں اسی کی تصریح کی ہے۔ ت)

کوئی زائد، کما فی الشامی[۲] عن شرح المنار للزین (جیسا کہ شامی میں محقق زین بن نجیم کی

---

[۱] الدر المختار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۳

[۲] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۸

شرح منار سے نقل ہے۔ ت) کوئی مساوی کمافی الطحطاوی[1] ثمہ و فی ادراک الفریضۃ عن الحلبی شارح الدر (جیساکہ طحطاوی نے سنن نماز اور باب ادراک الفریضہ میں حلبی شارح درمختار سے نقل ہے۔ ت) مگر عند التحقیق اُس کا مقابل سنت مؤکد ہونا چاہیے کہ جس طرح سنّتِ مؤکدہ واجب و سنّتِ زائدہ میں برزخ ہے یُونہی اسارت کراہت تحریم وکراہت تنزیہ میں کمافی الشامی[2] (جیساکہ شامی میں ہے۔ ت) علمگیریہ ف میں سراج وہاج سے ہے:

ان ترك المضمضة والاستنشاق اثم على الصحیح لانهما من سنن الهدى وتركها یوجب الاساءة بخلاف السنن الزوائد فان تركها لایوجب الاساءة اھ[3]۔

اگر مضمضہ و استنشاق کا تارک ہو تو برقولِ صحیح گنہگار ہوگا اس لئے کہ یہ سنن ہدٰی سے ہیں اور ان کا ترک موجبِ اسارت ہے بخلاف سنن زوائد کے، کہ ان کا ترک موجبِ اسارت نہیں اھ۔

اقول قوله اثم اى ان اعتاد كما هو معروف فى محله فیه وفى نظائره۔

اقول قول مذکور "گنہگار ہوگا" یعنی اگر ترک کا عادی ہو جیساکہ یہ معنی اپنی جگہ اس بارے میں اور اس کی نظیروں میں معروف ہے۔ (ت)

اصول امام فخر الاسلام و امام حسام الدین و امام نسفی میں ہے:

والسنن نوعان سنة الهدى وتاركها یستوجب اساءة وكراهیة

سنّت کی دو۲ قسمیں ہیں: (۱) سنتِ ہدٰی، اس کا تارک اسارت وکراہت کا مستحق ہے۔

ف: **مسئلہ** وضو میں کُلی یا ناک میں پانی ڈالنے کا ترک مکروہ ہے اور اس کی عادت ڈالے تو تو گنہگار ہوگا، یہ مسئلہ وہ لوگ خوب یاد رکھیں کہ جو کُلّیاں ایسی نہیں کرتے کہ حلق تک ہر چیز کو دھوئیں اور وہ کہ پانی جن کی ناک کو چُھو جاتا ہے سُونگھ کر اُوپر نہیں چڑھاتے یہ سب لوگ گنہگار رہیں اور غسل میں تو ایسا نہ ہو تو سرے سے نہ غسل ہوگا نہ نماز۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۲۱۳

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۹

[3] الفتاوی الہندیۃ بحوالہ السراج الوہاج کتاب الطہارۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۶،۷

والزوائد وتارکھالایستوجب اساءۃ۔[1]

(۲) سنّتِ زائدہ، اس کا تارک اسارت کا مستحق نہیں۔(ت)

ردالمحتار صدر سنن الوضوء میں ہے:[ف]

مطلق السنۃ الشامل لقسمیھا وھما السنۃ المؤکدۃ المسماۃ سنۃ الھدٰی و غیرالمؤکدۃ المسماۃ سنۃ الزوائد۔[2]

مطلق لفظِ سنّت دونوں قسموں کو شامل ہے دونوں قسمیں یہ ہیں: (۱) سنّتِ مؤکدہ جس کا نام سنّتِ ہُدٰی ہے (۲) سنّتِ غیر مؤکدہ جس کا نام سنّتِ زائدہ ہے۔(ت)

بحرالرائق سنن نماز مسئلہ رفع یدین للتحریمہ میں ہے:

انہ من سنن الھدٰی فھو سنۃ مؤکدۃ۔[3]

وہ سنن ہُدٰی سے ہے تو وہ سنّتِ مؤکدہ ہے(ت)

(۳) کراہت تنزیہ نہ مستحب کے مقابل ہے نہ سنّتِ مؤکدہ کے، بلکہ سنّتِ غیر مؤکدہ کے مقابل ہے۔ اسے مستحب کے مقابل کہنا خلافِ تحقیق ہے اور مطلق سنّت کے مقابل بتانا بمعنی اعم ہے جبکہ اُسے اسارت کو بھی شامل کرلیا جائے جس طرح کبھی اسارت کو اعم لے کر سنّتِ زائدہ کے مقابل بولتے ہیں جس طرح اطلاق موسع میں خلافِ اولٰی کو مکروہ تنزیہی کہہ دیتے ہیں۔

(۴) خلافِ اولٰی مستحب کا مقابل ہے اور اپنے معنی خاص پر مکروہ تنزیہی سے بالکل جدا، ہاں بمعنی اعم اُسے بھی شامل، اور کراہتِ تنزیہ کا اس کی طرف مرجع ہونا اسی معنے پر ہے۔ بحر کے اشکال مذکور لیشکل علیہ ما قالوہ ان المکروہ تنزیھا مرجعہ الی خلاف الاولٰی[4] (اس پر علماء کے اس قول سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس کا مرجع خلافِ اولٰی ہے۔ت) پر منحۃ الخالق میں فرمایا:

الکراھۃ لابدلھا من دلیل خاص

کراہت کے لئے دلیل خاص ضروری ہے۔ اسی

ف: سُنّتِ ہُدٰی سنّتِ مؤکدہ کا نام ہے اور سُنّتِ زائدہ سنّتِ غیر مؤکدہ کا۔

---

[1] اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹
[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۱
[3] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۰۲
[4] ؎ " باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا " " " " ۲/۳۲

وبذٰلك يندفع الاشكال لان المكروه تنزيها الذی ثبتت کراھته بالدليل يكون خلاف الاولٰى ولايلزم من كون الشئ خلاف الاولٰى ان يكون مكروها تنزيها مالم يوجد دليل الكراھة۔[1]

اشکال دفع ہوجاتا ہے اس لئے کہ مکروہ تنزیہی جس کی کراہت دلیل سے ثابت ہے وہ خلاف اولٰی ہے اور کسی شَے کے خلافِ اولٰی ہونے سے یہ لازم نہیں کہ مکروہ تنزیہی ہو جب تک کہ دلیلِ کراہت دستیاب نہ ہو۔(ت)

(۵) کراہت کے لئے اگرچہ تنزیہی ہو ضرور دلیل کی حاجت ہے

کمانص علیه فی الحدیقة الندیة وغیرھا وبیناہ فی رشاقة الکلام۔

جیسا کہ اس پر حدیقۂ ندیہ وغیرہا کی صراحت موجود ہے اور ہم نے اسے رسالہ رشاقۃ الکلام میں بیان کیا ہے۔(ت)

اقول ف **خلافِ سنّت ہونا خود کراہت پر دلیل شرعی ہے**

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من رغب عن سنتی فلیس منی[2] رواہ الشیخان عن انس ولابن ماجة عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها من لم یعمل بسنتی فلیس منی[3] فما مر عن العلامة الشامی من انها قد یعرف بلا دلیل خاص کان تضمن ترك

کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو میری سنت سے رُوگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت انس سے روایت کیا۔ اور ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ابن ماجہ کی روایت میں ہے: تو جو میری سنّت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔ تو وہ کلام جو علامہ شامی سے نقل ہُوا مناسب نہیں (وہ کہتے ہیں) "کراہت کی معرفت کبھی دلیل خاص کے بغیر ہوتی ہے جیسے یہ کہ وہ کسی

ف: معروضة علی العلامة ش

---

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیها ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۲

[2] صحیح البخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۵۷/۲ و ۷۵۸

صحیح مسلم " باب استحباب النکاح " " " ۴۴۹/۱

[3] سنن ابن ماجة ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

واجب او سنة[1] لیس کماینبغی ولانعنی بالخاص خصوص النص فی الجزئی المعین اذلاحاجة الیہ قطعا لصحة الاحتجاج بالعمومات والقواعد الشرعیة الکلیة قطعا۔

واجب یا سنّت کے ترک پر مشتمل ہو"— دلیل خاص سے ہماری مراد یہ نہیں کہ اس معینہ جزئیہ میں کوئی خاص نص ہو اس لئے کہ اس کی حاجت قطعاً نہیں کیوں کہ شریعت کے عمومی احکام اور قواعد کلیہ سے بھی استدلال بلاشبہہ درست ہے۔ (ت)

(۶) یہ نفیس جلیل تفرقہ[ف۱] مقتضائے تقسیم عقلی واقتضائے نفس لفظ کراہت و قضیۂ تفرقۂ احکام ہیں نہ کہ نری اصطلاح اختیاری کہ جس کا جو چاہا نام رکھ لیا،

کماقاله المحقق فی الحلیة ان ھذا امر یرجع الی الاصطلاح والتزامه لیس بلازم[2] اھ ونقل قبیله عن اللامشی فی حد المکروہ ھو مایکون ترکه اولٰی من فعله وتحصیله اھ ثم قال اعلم ان المکروہ تنزیھا مرجعه الی ماھو خلاف الاولی والظاھر انھما متساویان کما اشار الیه اللامشی[3] اھ وتبعه فی ردالمحتار۔

جیساکہ محقق حلبی نے حلیہ میں لکھاکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا مرجع اصطلاح ہے اور اس کا التزام کوئی ضروری نہیں اھ۔ اور اس سے کچھ پہلے لامشی سے تعریف مکروہ میں نقل کیا کہ یہ وہ ہے جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہے اھ۔ پھر لکھا کہ : واضح ہو کہ مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولٰی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں تساوی ہے جیساکہ لامشی نے اس کی طرف اشارہ کیا اھ — اس کلام پر علامہ شامی نے بھی ردالمحتار میں ان کا اتباع کیا۔ (ت)

(۷) مشہور احکام خمسہ[ف۲] ہیں : واجب[1]، مندوب[2]، مکروہ[3]، حرام[4]، مباح[5] وبه بدء فی

ف۱ : تطفل علی الحلیة وش۔

ف۲ : احکامِ شرعیہ پانچ نہ سات نہ نو بلکہ گیارہ ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۲۹

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ کتاب الطہارۃ مستحبات الوضوء " " " " " " ۱/ ۸۴

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مسلم الثبوت (اسی کو مسلم الثبوت میں پہلے نمبر پر بیان کیا۔ ت) یہ مذہب شافعیہ سے الیق ہے کہ ان کے یہاں واجب و فرض میں فرق نہیں

والیہ اشار تبعا للتحریر فی التحریر بقولہ بعدہ والحنفیۃ لاحظوا حال الدال[1] الخ۔

اور اسی کی طرف مسلم میں اس کے بعد محقق ابن الہمام کی تحریر الاصول کی تبعیت میں یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ حنفیہ نے دلیل کی حالت کا اعتبار کیا ہے الخ (ت)

اور بعض نے برعایت مذہب حنفی فرض و واجب اور حرام و مکروہ تحریمی کو تقسیم میں جُدا جُدا اخذ کرکے سات قرار دیے و بہ ثنی فی المسلم (اسی کو مسلم الثبوت میں دوسرے نمبر پر بیان کیا ہے۔ ت) بعض نے فرض، واجب، سنت، نفل، حرام، مکروہ، مباح یوں سات گنے،

وعلیہ مشی فی التنقیح وتبعہ مولٰی خسرو فی مرقاۃ الوصول والعلامۃ الشمس محمد بن حمزۃ الفناری فی فصول البدائع۔

اسی پر صدر الشریعۃ تنقیح میں چلے ہیں اور مُلا خسرو نے مرقاۃ الوصول میں اور علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناری نے فصول البدائع میں تنقیح کی پیروی کی ہے۔ (ت)

بعض نے سنت میں سنت ہُدٰی و سنت زائدہ اور مکروہ میں تحریمی و تنزیہی قسمیں کرکے نو شمار کئے

کما نص علیہ الفناری فی اٰخر کلامہ ویشیر الیہ کلام التوضیح۔

جیسا کہ فناری نے اپنے آخر کلام میں اس کی صراحت کی ہے اور کلام توضیح میں اس کی جانب اشارہ ہے۔ (ت)

اقول تقسیم اول[ف۱] میں کمال اجمال اور مذہب شافعی سے الیق ہونے کے علاوہ صحت مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو وقد علمت انہ خلاف التحقیق (اور واضح ہو چکا کہ یہ خلافِ تحقیق ہے۔ ت) نیز سنت[ف۲] و مندوب میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی و شافعی کسی کے مطابق نہیں۔ یہی دونوں کمی تقسیم دوم میں بھی ہیں سوم[ف۳] و چہارم میں عدم مقابلہ بدیہی کہ سوم[ف۴] میں جانب فعل چار چیزیں ہیں اور جانب ترک دو۔ چہارم[ف۵] میں جانبِ فعل پانچ ہیں اور جانبِ ترک تین۔ پھر

ف۱: تطفل علی المشہور
ف۲: تطفل اٰخر علیہ
ف۳: معروضتان علی مسلم الثبوت
ف۴: تطفل علی التوضیح والمولٰی خسرو
ف۵: تطفل علی الشمس الفناری

[1] مسلم الثبوت الباب الثانی فی الحکم مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۲

جانب ترک بسط اقسام کرکے تصحیح[1] مقابلہ کیجئے تو اسی مقابلہ نفل وکراہت سے چارہ نہیں مگر بتوفیق اللہ تعالٰی تحقیقِ فقیر سب غلطوں سے پاک ہے اس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام گیارہ ہیں پانچ جانبِ فعل میں متنازلاً فرض[1]، واجب[2]، سنتِ مؤکدہ[3]، غیر مؤکدہ[4]، مستحب[5]۔ اور پانچ جانبِ ترک میں متصاعداً خلافِ اولٰی[1]، مکروہِ تنزیہی[2]، اساءت[3]، مکروہ تحریمی[4]، حرام[5] جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارھواں مباح خالص ــــ اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عُقدوں کو حل کریگی کلمات اس کے موافق مخالف سب طرح کے ملیں گے مگر بحمداللہ تعالٰی اس سے متجاوز نہیں فقیہ طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مُذَہَّب ہے والحمد للہ رب العٰلمین اس تحقیق انیق کے بعد قول سوم ہرگز دوم کی طرف راجع ہو کر منتفی نہیں بلکہ وہی من حیث الروایۃ سب سے اقوی ہے کہ حاص نص ظاہر الروایہ کا مقتضی ہے۔

تنبیہ ۴: علامہ عمر نے جبکہ قول چہارم اختیار فرمایا امام اجل قاضی خان وغیرہ کا ترکِ اسراف کو سنت فرمانا بھی اسی طرف راجع کرنا چاہا کہ سنت سے مراد مؤکدہ ہے اور اس کا ترک مکروہِ تحریمی۔

اقول اقوال بعض متاخرین میں اس کی تائیدوں کا پتا چلے گا۔ بحرالرائق[1] آخر مکروہات الصلوٰۃ پھر ردالمحتار میں ہے:

السنۃ اذا کانت مؤکدۃ قویۃ لایبعد ان یکون ترکہا مکروھا کراھۃ تحریم کترک الواجب[1]۔	سنت جب مؤکد قوی ہو تو بعید نہیں کہ اس کا ترک، ترکِ واجب کی طرح مکروہ تحریمی ہو۔ (ت)

ابوالسعود علی مسکین پھر طحطاوی علی الدرالمختار صدر مکروہات نماز میں ہے:

الفعل اذا کان واجبا او ما فی حکمہ	فعل جب واجب ہو یا وہ ہو جو واجب کے حکم

ف۱: تطفل اُخر علی ھؤلاء الثلثۃ ف۲: تطفل علی النہر

ف۳: مسئلہ سنتِ مؤکدہ کا ترک ایک آدھ بار مورثِ عتاب ہے مگر گناہ نہیں، ہاں ترک کی عادت کرے تو گنہگار ہوگا، اور اس بارے میں دفع اوہام وتوفیق اقوال علمائے کرام۔

[1] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۲
ردالمحتار " " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۳۹/۱
حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " " " " " المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۲۷۶/۱

من سنة الھدی ونحوھا فالترك یکرہ تحریما وان کانت سنۃ زائدۃ اومافی حکمہا من الادب ونحوہ یکرہ تنزیہا اھ[1]۔

میں ہے یعنی سنّتِ ہُدٰی اور اس کے مثل تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے، اور اگر سنّتِ زائدہ ہو یا وہ ہو جو اس کے حکم میں ہے یعنی ادب اور اس کے مثل تو اس کا ترک مکروہِ تنزیہی ہے۔

اقول اولا[ف۱] تبعا القھستانی فانه ذکرہ ثمه ولم ینقله عن احد بل زعم ان کلامھم یدل علیه فما کان للسید الازھری ان یسوقه مساق المنقول۔

اقول، اوّلاً ان دونوں حضرات (ابو السعود وطحطاوی) نے قہستانی کی پیروی کی ہے۔ قہستانی نے یہ بات مکروہاتِ نماز کے شروع میں ذکر کی اور اسے کسی سے نقل نہ کیا بلکہ یہ دعوٰی کیا کہ کلامِ علماء اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو سید ازہری کو یہ نہ چاہئے تھا کہ اسے اس طرح ذکر کریں جیسے وہ کوئی منقول قاعدہ ہے۔

وثانیا[ف۲] لایدری ماذا اراد بنحوھا فالحکم لایسلم له فی السنة المؤکدۃ مالم یتعود بالترك ففیم یثبت بعدھا وھل تری قائلا به احدا۔

ثانیاً سنت ہدٰی کے بعد "اور اس کے مثل" کہا ـــ پتا نہیں اس سے کیا مراد ہے خود سنتِ مؤکدہ کو واجب کا حکم نہیں ملتا جب تک کہ اس کے ترک کی عادت نہ ہو پھر اس کے بعد کس چیز میں وہ حکم ثابت ہوگا؟ کیا اس کا بھی کوئی قائل مل سکتا ہے؟

کشف بزدوی وتحقیق علی الحسامی بحث عزیمت ورخصت میں اصول امام ابو الیسر فخر الاسلام بزدوی سے ہے:

ف۱: معروضة علی السید ابی السعود۔

ف۲: معروضة علی القھستانی والسیدین ابی السعود و ط۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۲۶۹ و ۲۷۰
فتح المعین " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۱

حکم السنۃ ان یندب الی تحصیلہا ویلام علی ترکہا مع لحوق اثم یسیر[1]

سنّت کا حکم یہ ہے کہ اس کی بجا آوری کی دعوت ہو اور اس کے ترک پر ملامت ہو ساتھ ہی کچھ گناہ بھی لاحق ہو۔ (ت)

درمختار صدر حظر میں ہے :

یاثم بترک الواجب ومثلہ السنۃ المؤکدۃ۔[2]

ترکِ واجب سے گنہگار ہوگا اور اسی کے مثل سنّتِ مؤکدہ بھی ہے (ت)

مگر صحیح وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے کہ سنّتِ مؤکدہ کا ایک آدھ بار ترک گناہ نہیں، ہاں بُرا ہے، اور عادت کے بعد گناہ و ناروا ہے۔

اقول وھذا ان شاء اللہ تعالٰی سر قول الامام الاجل فخر الاسلام ان تارک السنۃ المؤکدۃ یستوجب اساءۃ[3] ای بنفس الترک وکراھۃ ای تحریمیۃ ای عند الاعتیاد اذ ھی المحمل عند الاطلاق ولھذا قال الامام عبد العزیز فی شرحہ ان الاساءۃ دون الکراھۃ[4] واکتفی فی السنۃ الزائدۃ بنفی الاساءۃ لان نفی الادنی یدل علی نفی الاعلٰی بالاولٰی وحیث ان الکراھۃ التنزیھیۃ ادنی من

اقول اور یہی اِن شاء اللہ تعالٰی امام اجل فخر الاسلام کے اس ارشاد کا رمز ہے کہ "سنّتِ مؤکدہ کا تارک اساءت کا مستحق ہے"۔ یعنی نفس ترک سے ــــ "اور کراہت کا "مستحق ہے ــــ یعنی کراہت تحریمیہ کا، جب کہ عادت ہو۔ اس لئے کہ مطلق بولنے کے وقت کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے۔ اسی لئے امام عبد العزیز بخاری نے اپنی شرح میں فرمایا کہ : اساءت کا درجہ کراہت سے نیچے ہے ــــ اور سنّتِ زائدہ میں نفی اساءت پر اکتفا کی اس لئے کہ ادنٰی کی نفی سے اعلٰی کی نفی بدرجۂ اولٰی معلوم ہو جائے گی۔ اور چونکہ کراہت تنزیہیہ اساءت سے ادنٰی ہے تو

---

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۳۰۸

[2] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[3] اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹

[4] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۳۱۰

الاساءة فنفی الاعلیٰ لایستلزم نفی الادنی ولذا ذکر توجه اللائمة حکم ترك مطلق السنة ثم قسمها قسمین وفرق بلزوم الاساءة وعدمه فتحصل ان المؤکدة وغیرها تشترکان فی توجه الملام علی الترك وتفارقان فی ان ترك المؤکدة اساءة وبعد التعود کراهة تحریم ولیس فی ترك غیرها الاکراهة التنزیه، ولعمری ان اشارات هذا الامام الهمام ادق من هذا حتی لقبوه ابا العسر واباه الامام صدر الاسلام ابا الیسر۔

اعلیٰ کی نفی سے ادنیٰ کی نفی لازم نہ آئے گی — اسی لئے مستحقِ ملامت ہونا مطلق سنت کے ترک کا حکم بتایا پھر سنت کی دو قسمیں کیں اور اسارت لازم آنے اور نہ لازم آنے سے دونوں میں فرق کیا۔ تو حاصل یہ نکلا کہ سنتِ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں اس حکم میں مشترک ہیں کہ ترک پر ملامت ہو گی اور دونوں آپس میں یوں جدا جدا ہیں کہ مؤکدہ کا ترک اسارت ہے اور عادت کے بعد کراہت تحریم ہے اور غیر مؤکدہ کے ترک میں صرف کراہت تنزیہ ہے — بخدا اس امام ہمام کے ارشادات اس سے بھی زیادہ دقیق ہوتے ہیں یہاں تک کہ علماء نے انھیں "ابوالعُسر" اور ان کے برادر امام صدر الاسلام کو "ابوالیُسر" کا لقب دیا۔

جہاں جہاں کلماتِ علماء میں اس پر حکم اثم ہے اُس سے مراد بحالِ اعتیاد ورنہ اس میں اور واجب میں فرق نہ رہے۔

اقول والفرق بتشکیك الاثم [۱] کما لجأ الیه فی البحر لا یجدی لان التشکیك حاصل فی الواجبات انفسها۔

اقول اور گناہ کی تشکیک سے فرق — جیسا کہ بحر میں اس کا سہارا لیا ہے — کارآمد نہیں اس لئے کہ تشکیک تو خود واجبات میں بھی حاصل ہے (کسی واجب میں کم درجہ کا گناہ ہے کسی میں اس سے سخت ۱۲ م)

اور جب اس کا مطلق ترک گناہ نہیں تو مکروہ تحریمی بے عادت نہیں ہو سکتا کہ ہر مکروہ تحریمی [۲] گناہ ومعصیت صغیرہ ہے، ردالمحتار صدر واجباتِ صلاۃ میں ہے:

صرح العلامة ابن نجیم فی رسالته

علامہ ابن نجیم نے بیان معاصی سے متعلق اپنے

---

[۱]: تطفل علی البحر

[۲]: مکروہ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے۔

المؤلفة فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر[1]

رسالہ میں تصریح فرمائی ہے کہ ہر مکروہ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے۔(ت)

منیہ میں ہے:

لایترك رفع الیدین ولو اعتاد یاثم[2]

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا ترک نہ کرے اور اگر ترک کی عادت کرے تو گنہگار ہوگا (ت)

غنیہ میں ہے:

لانہ سنۃ مؤکدۃ اما لو ترکہ بعض الاحیان من غیر اعتیاد لا یأثم وھذا مطرد فی جمیع السنن المؤکدۃ[3]۔

اس لئے کہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے لیکن اگر بغیر عادت کے کسی وقت ترک کردیا تو گنہگار نہ ہوگا اور یہ حکم تمام سُننِ مؤکدہ میں عام ہے۔(ت)

حلیہ میں کلام مذکور امام ابوالیسر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

وھو حسن لکن بعد وجود الدلیل الدال علی لحوق الاثم لتارك السنۃ بمجرد الترك لہا ولیس ذلك بالسہل الوجود[4]۔

یہ کلام عمدہ ہے مگر اس کے بعد تارکِ سنت کے لئے محض ترک سے ہی گناہ لاحق ہونے پر دلالت کرنے والی دلیل مل جائے اور یہ بہت آسان نہیں۔(ت)

ردالمحتار سنن صلوٰۃ میں نہرالفائق سے بحوالہ کشف کبیر کلام امام ابی الیسر نقل کرکے فرمایا:

فی شرح التحریران المراد الترك بلاعذر علی سبیل الاصرار وفی شرح الکیدانیۃ عن الکشف قال محمد فی المصرین علی ترك السنۃ بالقتال وابویوسف بالتادیب اھ،

شرح تحریر میں ہے کہ ترک سے مراد بلاعذر بطور اصرار ترک کرنا ــــــ اور شرح کیدانیہ میں کشف کے حوالہ سے ہے امام محمد نے ترک سنت پر قتال کا، اور امام ابویوسف نے تادیب کا حکم دیا اھ۔ تو

ف: مسئلہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین سنّت مؤکدہ ہے ترک کی عادت سے گنہگار ہوگا ورنہ مکروہ ضرور ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۰۶
[2] منیۃ المصلی فصل فی صفۃ الصلوٰۃ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۲۷۸
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صفۃ الصلوٰۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۰
[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فیتعین حمل الترك علی الاصرار توفیقا بین کلامهم[1]

متعین ہے کہ ترک کو اصرار پر محمول کیا جائے تاکہ ان حضرات کے کلام میں تطبیق ہوجائے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

کونہ سنۃ مؤکدۃ لایستلزم الاثم بترکہ مرۃ واحدۃ بلاعذر فیتعین تقیید الترك بالاعتیاد[2]۔

اس کا سنتِ مؤکدہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ بلاعذر ایک بار ترک سے بھی گنہگار ہوجائے تو متعین ہے کہ ترک کے ساتھ عادت کی قید لگائی جائے۔ (ت)

اُسی کے سُنن[ف۱] وضو میں دربارۂ نیت ہے:

یاثم بترکہا اثما یسیرا کما قدمناہ عن الکشف والمراد الترك بلاعذر علی سبیل الاصرار کما قدمنا عن شرح التحریر وذٰلك لانہا سنۃ مؤکدۃ کما حققہ فی الفتح[3]

نیتِ وضو کے ترک سے کچھ گنہگار ہوگا جیسا کہ کشف کے حوالے سے ہم نے سابقًا نقل کیا اور مراد یہ ہے کہ بلاعذر بطور اصرار ترک کرے جیسا کہ شرح تحریر کے حوالے سے ہم نے پہلے لکھا ــــ یہ اس لئے جیسا کہ فتح القدیر میں تحقیق کی ہے کہ وضو میں نیت سنّتِ مؤکدہ ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

حکی فی الخلاصۃ خلافا فی ترکہ (ای ترك رفع الیدین عند التحریمۃ) قیل یأثم وقیل لا، قال والمختار ان اعتادہ اثم لا ان کان احیانا انتہی، وینبغی ان نجعل

خلاصہ کے اندر وقت تحریمہ رفع یدین کے ترک میں اختلاف کی حکایت کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ترک سے گنہگار ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ گنہگار نہ ہوگا۔ اور مختار یہ ہے کہ اگر اس کی عادت ہو تو گنہگار ہوگا اور اگر احیانًا ترک کیا تو گنہگار

ف۱: مسئلہ وضو میں نیت نہ کرنے کی عادت سے گنہگار ہوگا اس میں نیت سنتِ مؤکدہ ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۹

[2] " " " " " " " "

[3] " کتاب الطہارۃ سنن الوضوء " " " ۱/ ۷۳

شق ھذا القول محمل القولین فلا اختلاف ولا اثم لنفس الترک بل لان اعتادہ للاستخفاف و الا فمشکل او یکون واجباً[1]

نہ ہوگا انتہی۔ اور مناسب یہ ہے کہ اس قول مختار کی دونوں شقوں کو ہم ان دونوں قولوں کی مراد قرار دیں تو کوئی اختلاف نہ رہ جائے گا۔ اور گناہ نفسِ ترک کی وجہ سے نہیں بلکہ استخفاف کی وجہ سے اس کی عادت بنا لینے سے ہے، ورنہ مشکل ہے یا پھر واجب ہو جائے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ للرجال وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ثمرتہ تظھر فی الاثم بترکھا مرۃ۔[2]

جماعت مردوں کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے، اور کہا گیا واجب ہے، اور اسی پر عامہ علماء ہیں، اور ثمرۂ اختلاف ایک بار ترک سے گنہگار ہونے کے حکم میں ظاہر ہوگا۔ (ت)

اُسی کے سُنَنِ وضو میں ہے:

وتثلیث الغسل المستوعب ولا عبرۃ[ف۱][ف۲] للغرفات ولو اکتفی بمرۃ ان اعتادہ

تین بار اس طرح دھونا کہ ہر مرتبہ پورے عضو کا احاطہ ہو جائے، اس میں چلّوؤں کی تعداد کا اعتبار نہیں۔

ف۱: مسئلہ طہارت میں ہر عضو کا پُورا تین بار دھونا سنّتِ مؤکّدہ ہے، ترک کی عادت سے گنہگار ہوگا۔

ف۲: مسئلہ پانی ڈالنے کی گنتی معتبر نہیں جتنا دھونے کا حکم ہے اس پر پورا پانی بہہ جانا معتبر ہے، مثلاً ہاتھ پر ایک بار پانی ڈالا کہ تہائی کلائی پر بہا، باقی پر بھیگا ہاتھ پھیرا، دوبارہ دوسری تہائی دُھلی، سہ بارہ تیسری۔ تو یہ ایک ہی بار دھونا ہوا۔ ہر بار پورے ہاتھ پر کہنی سمیت پانی ذرہ ذرہ پر بہتا تو تین بار ہوتا۔ اس طرح دھونے کی عادت سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر سَو بار پانی ڈالا اور ایک ہی جگہ بہا کچھ حصے کسی دفعہ نہ بہا اگرچہ بھیگا ہاتھ پھرا تو وضو ہی نہ ہوگا۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۴۴

[2] الدرالمختار " باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

اثم والالا[1]۔

اگر ایک بار دھونے پر اکتفا کی تو بصورت عادت گنہگار ہے اور عادت نہ ہو تو نہیں۔ (ت)

و۱ خلاصہ میں ہے:

ان توضأ مرة مرة ان فعل لعزة الماء لعذر البرد اولحاجة لایکرہ وکذا ان فعله احیانا اما اذا اتخذ ذلك عادة یکرہ اھ[2]۔

اگر ایک بار وضو کیا اس وجہ سے کہ پانی کم یاب ہے یا ٹھنڈک لگنے کا عذر یا کوئی حاجت ہے تو مکروہ نہیں اسی طرح اگر احیاناً ایسا کیا لیکن جب اسے عادت بنالے تو مکروہ ہے اھ۔

اقول ای تحریما لانه سنة مؤکدة وھی محمل الاطلاق والمنفیة عن فعله احیانا من دون عذر۔

اقول یعنی مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ وہ سنتِ مؤکدہ ہے اور کراہت مطلق بولنے سے یہی مراد ہوتی ہے اور بلا عذر احیاناً کرنے سے جس کراہت کی نفی کی گئی ہے اس سے بھی یہی تحریمی مراد ہے۔ (ت)

اس کے نظائر کثیر وافر ہیں

فلا نظر الی ماوقع فی البحر صدر سنن الصلوٰة وقد ردہ فی ردالمحتار ببعض ماذکرنا ھنا وباللہ التوفیق۔

تو وہ قابلِ توجہ نہیں جو بحر میں سنن نماز کے شروع میں تحریر ہے اور ردالمحتار میں یہاں ہمارے ذکر کردہ بعض کلام کے ذریعہ اس کی تردید بھی کردی ہے، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ (ت)

و۲ خوبتر یہ ہے کہ جب ہمارے مشائخِ عراق نے جماعت کو واجب اور مشائخِ خراسان نے سنتِ مؤکدہ فرمایا

ف۱: مسئلہ اگر پانی کم ہے یا سردی سخت ہے یا اور کسی ضرورت کے لئے پانی درکار ہے اس وجہ سے اعضا ایک ایک بار دھوئے تو مضائقہ نہیں۔

ف۲: تطفل علی النھر۔

---

[1] الدرالمختار | کتاب الطہارات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲

[2] خلاصۃ الفتاوی | الفصل الثالث | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۱/۲۲

اور مفید میں یُوں تطبیق دی کہ واجب ہے اور اس کا ثبوت سنت سے خود علامہ عمر نے نہر میں اسے نقل کرکے فرمایا:

ھذا یقتضی الاتفاق علی ان ترکہا (مرۃ) بلا عذر یوجب اثما مع انہ قول العراقیین والخراسانیین علی انہ یاثم اذا اعتاد الترک کما فی القنیۃ اھ[1]

اس کا مقتضایہ ہے کہ بلا عذر ایک بار ترک کرنے سے گنہگار ہونے پر اتفاق ہو حالاں کہ یہ مشائخ عراق کا قول ہے اور اہل خراسان یہ کہتے ہیں کہ جب ترک کی عادت ہو تو گنہگار ہوگا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (ت)

فائدہ: اس مسئلہ پر باقی کلام اور سنت کی تعریف و اقسام اور سنت غیر مؤکدہ کی تحقیق احکام اور اس کا مستحب سے فرق اور مکروہِ تحریمی و تنزیہی کی بحث جلیل اور یہ کہ مکروہ تنزیہی اصلاً گناہ نہیں، اور یہ کہ مکروہِ تحریمی مطلقاً گناہ ہے اور یہ کہ وہ بے اصرار ہرگز کبیرہ نہیں اور ان مسائل میں فاضل لکھنوی کی لغزشوں کا بیان، یہ سب ہمارے رسالہ جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ (۱۳۰۴ھ) میں ہے وباللہ التوفیق۔

تنبیہ ۵: جبکہ علامہ عمر نے کراہت تحریم کا استظہار کیا علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں تو اُن کا کلام مقرر رکھا مگر ردالمحتار میں رائے جانب کراہت تنزیہ گئی لہذا دلائل تحریم کا جواب دینا چاہا، علامہ عمر نے تین۳ دلیلیں پیش فرمائی تھیں:

(۱) کلام امام زیلعی میں کراہت کو مطلق رکھنا۔

(۲) اسراف سے نہی کی حدیثوں کا مطلق یعنی بے قرینہ صارفہ ہونا۔

(۳) ملتقی میں اسے منہیات سے گننا۔

علامہ شامی نے اوّل کا یہ جواب دیا کہ مطلق کراہت ہمیشہ تحریم پر محمول نہیں

کما ذکرنا انفا[2] اھ واشار بہ الی ماقدمہ قبل ھذہ بصفحۃ عن البحر ان المکروہ نوعان احدھما ماکرہ تحریما وھو

جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا اھ (ردالمحتار) اس سے ان کا اشارہ اس کلام کی طرف ہے جو اس سے ایک صفحہ پہلے بحر کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ مکروہ کی دو۲ قسمیں ہیں، ایک مکروہ تحریمی ــــ یہی مطلق

---

[1] النہر الفائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ والحدث فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

المحمل عند اطلاقهم الكراهة كما فی زكاة فتح القدیر، ثانیهما المکروه تنزیها وکثیرا ما یطلقونه کما فی شرح المنیة[1]

کراہت بولنے کے وقت مراد ہوتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں کتاب الزکاۃ میں ہے ۔۔۔ دوسری قسم مکروہِ تنزیہی ۔۔۔ اور بارہا اسے بھی مطلق بولتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے۔ (ت)

اقول اس (ف۱) میں کلام نہیں کہ فقہا بارہا کراہت (ف۲) مطلق بولتے اور اُس سے خاص مکروہ تنزیہی یا تنزیہی وتحریمی دونوں کو عام مراد لیتے ہیں مگر یہ وہاں ہے کہ ارادۂ کراہت تحریم سے کوئی صارف موجود ہو مثلاً دلیل سے ثابت یا خارج سے معلوم ہو کہ جسے یہاں مطلق مکروہ کہا مکروہ تحریمی نہیں یا جو افعال یہاں گنے ان میں مکروہ تنزیہی بھی ہیں کما یفعلونه فی مکروهات الصلوٰة (جیسے مکروہاتِ نماز میں ایسا کرتے ہیں ت) بے قیام دلیل ہمارے مذہب میں اصل وہی ارادۂ کراہت تحریم ہے کما مرعن نص المحقق علی الاطلاق وکتب المذھب طافحة بذلك (جیسا کہ محقق علی الاطلاق کی تصریح گزری اور کتبِ مذہب اس کے بیان سے لبریز ہیں۔ ت) تو کراہت تنزیہ کی طرف پھیرنا ہی محتاج دلیل ہے ورنہ استدلال نہر تام ہے اب یہ جواب دلیل دوم کے جواب سے محتاج تکمیل ہوا اور اُسی کی تضعیف بھی جلوہ نما۔ دوم سے یہ جواب دیا کہ صارف موجود ہے مثلاً جس نے آبِ نہر سے وضو میں اسراف کیا اگر اُسے سنّت نہ جانا تو ایسا ہوا کہ نہر سے کوئی برتن بھر کر اُسی میں اُلٹ دیا اس میں کیا محذور ہے سوا اس کے کہ ایک عبث بات ہے۔

اقول اس (ف۳) کا مبنی اُسی خیال پر ہے کہ علامہ نے قول اول وچہارم کو ایک سمجھا ہے ورنہ قول چہارم میں لبِ نہر اسراف کی تحریم کہاں اور یاورامیں کہ پانی کی اضاعت ہے صارف کیا۔

وقد قدمنا ما یکفی ویشفی ومنه (ف۴) تعلم ما فی تعبیرہ بالوضوء بماء النھر

اس پر ہم کافی وشافی بحث کرچکے ہیں۔ اسی سے وہ نکتہ بھی معلوم ہوجاتا ہے جو "وضو بماء النھر"

ف۱: معروضة علی العلامة ش

ف۲: اگر فقہا خاص مکروہ تنزیہی یا تنزیہی وتحریمی دونوں سے عام پر اطلاقِ کراہت فرماتے ہیں مگر اصل یہی ہے کہ اس کے مطلق سے مراد کراہت تحریمی ہے جب تک دلیل سے اس کا خلاف نہ ثابت ہو۔

ف۳: معروضة اخرٰی علیه

ف۴: معروضة ثالثة علیه

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۹

اما استنادہ الی ان حدیث فمن زاد علی ھذا اونقص فقد تعدی و ظلم محمول علی الاعتقاد عندنا کما فی الھدایۃ وغیرھا وقال فی البدائع انہ الصحیح حتی لو زاد او نقص و اعتقد ان الثلاث سنۃ لایلحقہ الوعید قال وقد منا انہ صریح فی عدم کراھۃ ذلك یعنی کراھۃ تحریم[1] اھ۔

سے تعبیر میں ہے ۔۔۔ رہا ان کا یہ استناد کہ حدیث "جس نے اس پر زیادتی یا کمی کی تو اس نے حد سے تجاوز اور ظلم کیا" ہمارے نزدیک اعتقاد پر محمول ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہا میں ہے اور بدائع میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے یہاں تک کہ اگر کمی بیشی کی اور اعتقاد یہ ہے کہ تین بار دھونا ہی سنت ہے تو وعید اسے لاحق نہ ہوگی۔ علامہ شامی نے کہا اور ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اس میں کراہت یعنی کراہت تحریم نہیں اھ۔

فاقول لایفید[ف] ماقصدہ من قصر الحکم علی کراھۃ التنزیہ مطلقا مالم یعتقد خلاف السنۃ کیف و لوکان ترك الاسراف سنۃ مؤکدۃ کما یقولہ النھر کان تعودہ مکروھا تحریما ووقوعہ احیانا تنزیھا والحدیث حاکم علی من زاد مطلقا ای ولو مرۃ بانہ ظالم فلزم تاویلہ بما یجعل الزیادۃ ممنوعۃ مطلقا فحملوہ علی ذلك فمن زاد اونقص

فاقول اس سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو ان کا مقصود ہے کہ اسراف بہرحال مکروہ تنزیہی ہے جب تک مخالفت سنت کا اعتقاد نہ ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ۔۔۔ اگر ترک اسراف سنت مؤکدہ ہے ۔۔۔ جیسا کہ صاحب نہر اس کے قائل ہیں ۔۔۔ تو اس کی عادت بنا لینا مکروہ تحریمی، اور احیاناً ہونا مکروہ تنزیہی ہوگا ۔۔۔ اور حدیث یہ حکم کرتی ہے کہ مطلقاً جو زیادتی کرے خواہ ایک ہی بار وہ ظالم ہے تو اس کی تاویل اس امر سے ضروری ہوئی جو زیادتی کو مطلقاً ممنوع قرار دے دے اس لئے علماء نے اسے اس معنی پر محمول

ف: معروضۃ رابعۃ علیہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

مرة ولم يعتقد لم يلحقه الوعيد، الا ترى انهم هم الناصون بان من غسل الاعضاء مرة ان اعتاداثم کما قدمناه عن الدرر ومعناه عن الخلاصة وقد صرح به فی الحلیة وغیرما کتاب۔

کیا۔ اب جو ایک بار زیاتی یا کمی کرے اور مخالفت کا اعتقاد نہ رکھے تو وعید اسے شامل نہ ہوگی۔ کیا یہ پیشِ نظر نہیں کہ علما اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ جو اعضا ایک بار دھوئے اگر اس کا عادی ہو تو گنہگار ہے جیسا کہ درمختار کے حوالے سے ہم نے بیان کیا۔ اور اسی کے ہم معنی خلاصہ سے نقل کیا اور اس کی تصریح حلیہ وغیرہا متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

ثم العجب[ف] انی رأیت العلامة نفسه قد صرح بهذا فی سنن الوضوء فقال لا یخفی ان التثلیث حیث کان سنة مؤکدة واصرعلی ترکه یأثم وان کان یعتقده سنة واما حملهم الوعید فی الحدیث علی عدم رؤیة الثلث سنة کما یأتی فذلك فی الترك ولو مرة بدلیل ما قلنا الخ وبه اندفع مافی البحر من ترجیح القول بعدم الاثم لواقتصر علی مرة بانه لواثم بنفس الترك لما احتیج الی هذا الحمل اھ واقره فی النهر وغیره وذلك لانه مع عدم الاصرار محتاج الیه فتدبر[1] اھ۔

پھر حیرت یہ ہے کہ میں نے دیکھا علامہ شامی نے سننِ وضو کے بیان میں خود اس کی تصریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں، مخفی نہیں کہ تین بار دھونا جب بھی ہو سنت مؤکدہ ہے اور جو اس کے ترک پر اصرار کرے گنہگار ہے اگرچہ اس کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔ اور علما کا وعید حدیث کو تثلیث کے سنت نہ ماننے پر محمول کرنا جیسا کہ آرہا ہے یہ تو ایک بار ترک کرنے میں بھی ہے جس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے بیان کی۔ آگے لکھا: اسی سے وہ دفع ہوجاتا ہے جو بحر میں صرف ایک بار ترکِ تثلیث سے گنہگار نہ ہونے کے قول کو یہ کہہ کر ترجیح دی ہے کہ اگر نفس ترک سے گنہگار ہوجاتا تو حدیث کی یہ تاویل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اھ اس کلام کو نہر وغیرہ میں برقرار رکھا ہے۔ یہ کلام دفع یوں ہوجاتا ہے کہ عدم اصرار کے باوجود تاویل حدیث کی ضرورت ہے تو اس پر غور کرو اھ۔

ف: معروضة خامسة علیه

---

[1] رد المحتار کتاب الطهارة سنن الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۰ و ۸۱

وقال بعيده صريح مافی البدائع انه لاكراهة فی الزيادة والنقصان مع اعتقاد سنية الثلث وهو مخالف لما مرمن انه لواكتفی بمرة واعتاده اثم ولما سيأتی ان الاسراف مكروه تحريما ولهذا فرع فی الفتح وغيره علی القول بحمل الوعيد علی الاعتقاد بقوله فلو زاد لقصد الوضوء علی الوضوء ولطمانينة القلب عند الشك اونقص لحاجة لاباس به فان مفاد هذا التفريع انه لو زاد اونقص بلاغرض صحيح يكره وان اعتقد سنية الثلث وبه صرح فی الحلية فيحتاج الی التوفيق بين ما فی البدائع وغيره ويمكن التوفيق بما قدمناه انه اذا فعل ذلك مرة لايكره مالم يعتقده سنة وان اعتاده يكره وان اعتقد سنيت الثلث الا اذا كان لغرض صحيح[1] اھ ، ولكن سبحان من لا ينسی۔

اس کے کچھ آگے لکھا ہے : بدائع کی تصریح یہ ہے کہ تثلیث کو سنت مانتے ہوئے کم وبیش کر دینے میں کوئی کراہت نہیں اور یہ اس کے مخالف ہے جو بیان ہوا کہ اگر ایک بار دھونے پر اکتفا کرے اور اس کا عادی ہو تو گنہگار ہوگا اور اس کے بھی خلاف ہے جو آگے آرہا ہے کہ اسراف مکروہِ تحریمی ہے اور اسی لئے فتح القدیر وغیرہ میں وعید کو اعتقاد پر محمول کرنے کے قول پر یہ تفریع کی ہے کہ اگر وضو پر وضو کے ارادے سے، یا شک کی حالت میں اطمینانِ قلب کے لئے زیادتی کی یا کسی حاجت کی وجہ سے کمی کی تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس تفریع کا مفاد یہ ہے کہ اگر کسی غرض صحیح کے بغیر کمی بیشی کی تو مکروہ ہے اگرچہ تثلیث کے مسنون ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔ اور حلیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ تو بدائع اور دوسری کتابوں میں جو مذکور ہے اس میں تطبیق دینے کی ضرورت ہے اور یہ تطبیق اس کلام سے ہوسکتی ہے جو ہم نے پہلے تحریر کیا کہ جب ایک بار ایسا کرے تو مکروہ نہیں جبکہ اسے سنت نہ سمجھے اور اگر اس کا عادی ہو تو مکروہ ہے اگرچہ تثلیث کو سنت مانے مگر جب کسی غرض صحیح کے تحت ہو اھ ــ لیکن پاک ہے وہ جسے نسیان نہیں۔

اقول وانت تعلمان الكراهية

اقول ناظر کو معلوم ہے کہ کبھی ایک بار

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ سنن الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۱و ۸۲

المنفية فیما اذا نقص مرة هی التحریمیة کما قدمنا لان ترك السنة المؤكدة مرة واحدة ایضا مکروه ولولم یکن تحریما وعلی التعود یحمل التفریع المذکور فی الفتح والکافی والبحر وعامة الکتب فان نفی الباس یستعمل فی کراهة التنزیه کمانصوا علیه فاثباته المستفاد ھٰھنا بالمفھوم المخالف یفید کراهة التحریم ۔

کمی کردینے پر کراہت کی جو نفی کی گئی ہے اس سے کراہتِ تحریم مراد ہے جیسا کہ ہم نے سابقاً بیان کیا۔ اس لئے کہ سنّت مؤکدہ کا ایک بار بھی ترک مکروہ ہے اگرچہ مکروہِ تحریمی نہ ہو۔ اور عادت ہونے کی صورت پر وہ تفریع محمول ہوگی جو فتح، کافی، بحر اور عامہ کتب میں مذکور ہے اس لئے کہ "لاباس بہ" (اس میں حرج نہیں) کراہت تنزیہ میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ علما نے اس کی تصریح کی ہے تو اثبات "باس" (حرج) جو یہاں مفہومِ مخالف سے مستفاد ہے وہ کراہتِ تحریم کا افادہ کر رہا ہے۔

ھٰذا الکلام معه رحمه اللّٰه تعالٰی بماقرر نفسه وعند العبد الضعیف منشؤ اٰخر لحمل العلماء الحدیث علی الاعتقاد کماسیاْتی ان شاء اللّٰه تعالٰی ۔

یہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے ساتھ خود ان ہی کی تقریر وتحریر سے کلام ہوا اور بندۂ ضعیف کے نزدیک حدیث کو اعتقاد پر محمول کئے جانے کا منشا دوسرا ہے جیسا کہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی ذکر ہوگا۔

سوم سے یہ جواب دیا کہ مکروہِ تنزیہی بھی حقیقۃً اصطلاحاً منہی عنہ ہے اگرچہ لغۃً اسے منہی عنہ کہنا مجاز ہے کمافی التحریر (جیسا کہ تحریر میں ہے۔ ت)۔

اقول اولا [1] رحمه اللّٰه العلامة یہاں تحریر میں اصطلاح سے امام محقق علی الاطلاق کی مراد اصطلاحِ نحویاں ہے نہ کہ اصطلاحِ شرع یا فقہ یعنی جب کہ مکروہ تنزیہی میں صیغۂ نہی اور بعض مندوبات میں صیغۂ امر ہوتا ہے، اور نحوی صیغہ ہی کو دیکھتے ہیں اختلافِ معانی سے انھیں بحث نہیں کہ یہاں فعل یا ترک کی طلب حتمی ہے یا غیر حتمی تو ان کی اصطلاح میں حقیقۃً مندوب مامور بہ ہوگا اور مکروہ تنزیہی منہی عنہ مگر لغۃً [2] ان کو مامور بہ ومنہی عنہ کہنا مجاز ہے کہ لغت میں مامور بہ واجب اور منہی عنہ ناجائز

[1]: معروضة سادسة علیه

[2]: مکروہ تنزیہی لغۃً وشرعاً منہی عنہ نہیں اگرچہ نحویوں کے طور اس میں صیغۂ نہی ہو۔

سے خاص ہے اور یہی عرف شرع و اصطلاحِ فقہ ہے تو نحویوں کے طور پر لاتفعل کا صیغہ ہونے سے فقہاً کیونکر منہیات میں داخل ہونے لگا، تحریر کی عبارت محل مذکور سابقاً سے ملخصاً یہ ہے:

مسئلة اختلف فی لفظ المامور به فی المندوب قیل عن المحققین حقیقة والحنفیة وجمع من الشافعیة مجاز و یجب کون مراد المثبت ان الصیغة فی الندب یطلق علیها لفظ امر حقیقة بناء علی عرف النحاة فی ان الامر للصیغة المقابلة للماضی واخیه مستعملة فی الایجاب او غیره فالمندوب مامور به حقیقة والنافی علی ما ثبت ان الامر خاص فی الوجوب والاول (ای نفی الحقیقة) اوجه لابتنائه علی الثابت لغة وابتناء الاول علی الاصطلاح (للنحویین) و مثل هذه المکروه (تنزیها) منهی (عنه) اصطلاحا (نحویا) حقیقة مجاز لغة (لان النهی فی الاصطلاح یقال علی لاتفعل استعلاء سواء کان للمنع المحتم اولاً اما فی اللغة فیمتنع ان یقال حقیقة نهی عن کذا الا اذا منع منه) اھ مزید

مسئلہ مندوب کے بارے میں لفظ مامور بہ سے متعلق اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ محققین سے منقول ہے کہ وہ حقیقۃً مامور بہ ہے۔ اور حنفیہ اور ایک جماعت شافعیہ سے منقول ہے کہ مجازاً ہے۔ ضروری ہے کہ مثبت کی مراد یہ ہو کہ ندب میں جو صیغہ ہوتا ہے اس پر لفظ امر حقیقۃً بولا جاتا ہے اس بنیاد پر کہ نحویوں کا عرف یہ ہے کہ امر اس صیغہ کو کہتے ہیں جو ماضی و مضارع کے مقابلہ میں ہوتا ہے یہ ایجاب یا غیر ایجاب میں استعمال ہوتا ہے تو مندوب بھی حقیقۃً مامور بہ ہے — اور نافی اس پر ہے جو ثابت ہُوا کہ امر، وجوب میں خاص ہے۔ اور اول (یعنی نفی حقیقت) اَوجہ ہے اس لئے کہ وہ اس پر مبنی ہے جو لغۃً ثابت ہے۔ اور پہلے کی بنیاد (نحویوں کی) اصطلاح پر ہے — اور اسی کی طرح مکروہ (تنزیہی) بھی (نحوی) اصطلاح میں حقیقۃً منہی (عنہ) ہے اور لغت میں مجازاً۔ (اس لئے کہ اصطلاح میں نہی کا اطلاق بطور استعلاءً "لاتفعل" (مت کر) پر ہوتا ہے خواہ منع حتمی ہو یا نہ ہو۔ لیکن لغت میں حقیقۃً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں کام سے نہی کی مگر اسی وقت جب کہ اس سے منع کر دیا ہو) اھ، بالیلین کے

۱؎ التحریر فی اصول الفقہ المقالۃ الثانیۃ الباب الاول مصطفی البابی مصر ص ۲۵۵ تا ۲۵۷
التقریر والتحبیر شرح التحریر ″ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹۰ و ۱۹۱

امابين الاهلة من شرحه التقرير والتحبير لتلميذه المحقق ابن امير الحاج رحمهما الله تعالٰی۔

درمیان اضافے محقق علی الاطلاق کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج رحمہما اللہ تعالٰی کی شرح "التقریر والتحبیر" سے ہیں۔ (ت)

ثانیاً اقول [ف۱] اگر مکروہِ تنزیہی شرعاً حقیقۃً "منہی عنہ" ہوتا واجب الاحتراز ہوتا لقولہ تعالٰی ما نھٰکم عنہ فانتھوا[۱] (کیونکہ باری تعالٰی کا ارشاد ہے اور تمھیں جس چیز سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔ ت) تو مکروہ تنزیہی نہ رہتا بلکہ حرام یا مکروہِ تحریمی ہوتا اور ہم نے اپنے رسالہ جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ[۱۳] میں دلائل قاہرہ قائم کئے ہیں کہ وہ ہرگز شرعاً منہی عنہ نہیں۔

ثالثاً [ف۲] خود علامہ شامی کو جابجا اس کا اعتراف ہے کلام حلیہ الظاھر ان السنۃ فعل المغرب فورا وبعدہ مباح الی اشتباك النجوم (ظاہر یہ ہے کہ مغرب کی ادائیگی فوراً مسنون ہے اور اس کے بعد ستاروں کے باہم مل جانے تک مباح ہے۔ ت) نقل کرکے فرمایا:

الظاھر انہ ارادبالمباح مالایمنع فلا ینافی کراھۃ التنزیہ[۲]

ظاہر یہ ہے کہ انھوں نے مباح سے وہ مراد لیا ہے جو ممنوع نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہونے کے منافی نہیں۔ (ت)

آخر کتاب الاشربہ میں سید علامہ ابو السعود سے نقل کیا:

المکروہ تنزیھا یجامع الاباحۃ[۳] اھ

مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے (ت)

رابعاً و خامساً اقول [ف۳] عجب تر یہ کہ صدر حظر میں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع بتایا کہ مکروہ تنزیہی ممنوع نہیں۔

ثم ادعی [ف۴] تبعا لزلۃ وقعت فی

پھر تلویح میں واقع ہونے والی ایک لغزش کی

ف۱: معروضۃ سابعۃ علیہ
ف۲: معروضۃ ثامنۃ علیہ
ف۳: معروضۃ تاسعۃ علیہ
ف۴: معروضۃ عاشرۃ علیہ

---

[۱] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[۲] رد المحتار کتاب الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۴۶

[۳] ؍؍ کتاب الاشربہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۵/ ۲۹۶

22

التلویح واقمنا فی رسالتنا بسط الیدین الدلائل الساطعة علی بطلانها و نقلنا مائة نص من ائمتنا و کتب مذهبنا متونا و شروحا و فتاوی منها کتب نفس الشامی کرد المحتار و نسمات الاسحار علی خلافہ ان المکروہ تحریما ایضا غیر ممنوع عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما و سبحٰن اللہ ای العجب اعجب من هذا ان یکون المکروہ تنزیها منهیا عنه و المکروہ تحریما غیر ممنوع۔

تبعیت میں یہ دعوٰی کردیا کہ شیخین (امام اعظم و امام ابویوسف) رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مکروہ تحریمی بھی ممنوع نہیں ــــ خدا ہی کے لئے پاکی ہے۔ اس سے زیادہ عجیب کون سا عجب ہوگا کہ مکروہِ تنزیہی تو منہی عنہ ہو اور مکروہِ تحریمی ممنوع نہ ہو۔ ہم نے اس کے بطلان پر اپنے رسالہ "بسط الیدین" میں روشن دلائل قائم کئے ہیں اور اس کے خلاف سَو نصوص اپنے ائمہ اور اپنے مذہب کی کتبِ متون و شروح و فتاوٰی سے نقل کئے ہیں جن میں خود علامہ شامی کی کتابیں رد المحتار، نسمات الاسحار وغیرہ بھی ہیں۔ (ت)

سادساً عجب تر یہ کہ جب شارح نے جواہر سے آبِ جاری میں اسراف جائز ہونا نقل فرمایا علامہ محشی نے قول کراہت کے خلاف دیکھ کر اس کی یہ تاویل فرمائی کہ جائز سے مراد غیر ممنوع ہے

ففی الحلیة عن اصول ابن الحاجب انه قد یطلق و یراد به ما لا یمتنع شرعا و هو یشمل المباح و المکروہ و المندوب و الواجب[1]۔

کیوں کہ حلیہ میں اصول ابن حاجب سے نقل ہے کہ کبھی جائز بولا جاتا ہے اور اس سے وہ مراد ہوتا ہے جو شرعاً ممنوع نہ ہو۔ یہ مباح، مکروہ، مندوب، واجب سب کو شامل ہے۔ (ت)

یعنی اب کراہت کے خلاف نہ ہوگا مکروہِ تنزیہی بھی شرعاً ممنوع نہیں۔

اقول ف۱ یہ ایک تو اُس دعوے کا رَد ہوگیا کہ مکروہِ تنزیہی بھی حقیقۃً منہی عنہ ہے۔

سابعاً ف۲ اصل تحقیق علامہ محشی کے خلاف خود قولِ صاحبِ نہر کی تسلیم ہوگئی خود علامہ نے جابجا تصریح فرمائی کہ کتب میں مفہوم مخالف معتبر ہے جب عبارتِ جواہر کے معنے یہ ٹھہرے کہ جاری پانی میں ممنوع

ف۱: المعروضة الحادیة عشرة علیه

ف۲: المعروضة الثانیة عشرة علیه

[1] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

نہیں صرف مکروہ تنزیہی ہے تو صاف مستفاد ہوا کہ آب غیر جاری میں ممنوع و مکروہ تحریمی ہے اور یہی مدعائے صاحبِ نہر تھا بالجملہ نہر کی کسی دلیل کا جواب نہ ہوا۔ رہا یہ کہ پھر آخر حکم منقح کیا ہے، اس کے لئے اولاً تحقیق معنی اسراف کی طرف عود کریں پھر تنقیح حکم و باللہ التوفیق۔

تنبیہ ۶ : اسراف بلاشبہہ ممنوع و ناجائز ہے۔ قال اللہ تعالٰی :

ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین[1]

بیہودہ صَرف نہ کرو بیشک اللہ تعالٰی بیہودہ صرف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قال اللہ تعالٰی :

ولا تبذر تبذیرا ○ ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطن لربه کفورا[2] ○

مال بیجا نہ اُڑا بیشک بیجا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا۔

اقول اسراف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے :

(۱) غیر حق میں صرف کرنا۔ یہ تفسیر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمائی۔

الفریابی وسعید بن منصور وابوبکر بن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفرد وابناء جریر والمنذر وابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ لابن جریر کلهم عنه رضی الله تعالٰی عنه فی قوله تعالٰی ولا تبذر تبذیرا قال التبذیر فی غیر الحق وھو الاسراف[3]

فریابی، سعید بن منصور، ابوبکر بن ابی شیبہ، ادب مفرد میں بخاری، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم بافادۂ تصحیح، شعب الایمان میں بیہقی ــ اور الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ یہ سب حضرات عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ارشادِ باری تعالٰی "ولا تبذر تبذیرا" کے تحت راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا : تبذیر غیر حق میں صرف کرنا، اور یہی اسراف بھی ہے (ت)

ف : اسراف کے معنی کی تفصیل و تحقیق۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱ و ۷/ ۳۱ [2] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶ و ۲۷

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۷/ ۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۸۵

اور اسی کے قریب ہے وُہ کہ تاج العروس میں بعض سے نقل کیا : وضع الشیئ فی غیر موضعہ[1]
یعنی بیجا خرچ کرنا۔

ابن ابی حاتم نے امام مجاہد تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی:

لو انفقت مثل ابی قبیس ذھبا فی طاعۃ اللہ لم یکن اسرافا ولو انفقت صاعا فی معصیۃ اللہ کان اسرافا[2]۔ اگر تو پہاڑ برابر سونا طاعتِ الٰہی میں خرچ کرے تو اسراف نہیں اور اگر ایک صاع گناہ میں خرچ کرے تو اسراف ہے۔

کسی نے حاتم کی کثرت داد و دہش پر کہا لاخیر فی سرف اسراف میں خیر نہیں، اس نے جواب دیا لاسرف فی خیر[3] خیر میں اسراف نہیں۔

اقول حاتم کا مقصود تو خدا نہ تھا نام تھا کما نص علیہ فی الحدیث (جیسا کہ حدیث میں اس پر نص وارد ہے۔ ت) تو اس کی ساری داد و دہش اسراف ہی تھی مگر سخائے خیر میں بھی شرع مطہر اعتدال کا حکم فرماتی ہے:

قال اللہ تعالٰی، ولا تجعل یدک مغلولۃ الٰی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا[4]○ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہُوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کر تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا۔ (ت)

وقال تعالٰی:

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا و لم اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور

ف: مسئلہ مصارفِ خیر میں اعتدال چاہیے یا اپنا کُل مال یک لخت راہِ خدا میں دے دینے کی بھی اجازت ہے اس کی تحقیق۔

---

[1] تاج العروس باب الفاء فصل السین دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۱۳۸
[2] تفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۶/ ۱۴۱ مکتبہ نزار مصطفٰی الباز مکۃ المکرمۃ ۵/ ۱۳۹۰
مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) بحوالہ مجاہد تحت الآیۃ ۶/ ۱۴۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۳/ ۱۷۶
[3] " " " " " " " " " " " " "
[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۹

یقترو ا وکان بین ذٰلک قوامًا۱ ؎ ○ نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔ (ت)

آیۂ کریمہ و اٰتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا۲ ؎ (اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق دو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ ت) کی شانِ نزول میں ثابت بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قصہ معلوم و معروف ہے رواھا ابن جریر و ابن ابی حاتم عن ابن جریج۳ ؎۔ اُدھر صحاح کی حدیث جلیل ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تصدق کا حکم فرمایا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خوش ہوئے کہ اگر میں کبھی ابوبکر صدیق پر سبقت لے جاؤں گا تو وہ یہی بار ہے کہ میرے پاس مال بسیار ہے، اپنے جملہ اموال سے نصف حاضر خدمت اقدس لائے، حضور نے فرمایا، اہل وعیال کے لئے کیا رکھا، عرض کی، اتنا ہی۔ اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حاضر ہوئے اور اپنا کل مال حاضر لائے گھر میں کچھ نہ چھوڑا ارشاد ہوا: اہل وعیال کے لئے کیا رکھا؟ عرض کی: اللہ اور اللہ کا رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس پر حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں میں وہی فرق ہے جو تمہارے ان جوابوں میں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ عام کے لئے وہی

عہ نیز ایک صاحب انڈے برابر سونا لے کر حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک کان میں سے پایا میں اسے تصدق کرتا ہوں اس کے سوا میری ملک میں کچھ نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اعراض فرمایا انھوں نے پھر عرض کی، پھر اعراض فرمایا، پھر عرض کی، پھر اعراض فرمایا، پھر عرض کی، حضور (صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے وہ سونا اُن سے لے کر ایسا پھینکا کہ اُن کے لگتا تو درد پہنچاتا یا زخمی کرتا۔ اور فرمایا: تم میں ایک شخص اپنا پُورا مال لاتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر بیٹھا لوگوں سے بھیک مانگے گا، خیر الصدقۃ ما کان عن ظھر غنی بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی محتاج نہ ہو جائے۔ رواہ ابوداؤد وغیرہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (اس کو ابوداؤد وغیرہ نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ۔ ت)۔

---

۱ ؎ القرآن الکریم ۲۵ / ۶۷

۲ ؎ 〃 ۶ / ۱۴۱

۳ ؎ الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۶ / ۱۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ / ۳۳۱
جامع البیان (تفسیر ابن جریر) 〃 〃 〃 〃 〃 ۸ / ۴۷

۴ ؎ سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب الرجل یخرج من مالہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱ / ۲۳۶-۲۳۵

حکم میانہ روی ہے اور صدق توکل وکمال تبتّل والوں کی شان بڑی ہے۔

ع۵ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

انفق بلالا ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ رواہ البزار عن بلال وابویعلی والطبرانی فی الکبیر[1] والاوسط والبیہقی فی شعب الایمان عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الکبیر کالبزار عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم باسانید حسان۔

اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ (بزار نے حضرت بلال سے، اور ابویعلی اور طبرانی نے کبیر میں، اور اوسط اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ سے۔ اور طبرانی نے کبیر میں، جبکہ بزار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہم سے حسن سندوں کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

اس حدیث کا مورد یوں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ کے پاس ایک خرمنِ خرما ملاحظہ فرمایا، ارشاد ہوا: بلال! یہ کیا ہے؟ عرض کی: حضور کے مہمانوں کیلئے رکھ چھوڑا ہے۔ فرمایا: اما تخشی ان یکون لك دخان فی نار جھنم[2] کیا ڈرتا نہیں کہ اس کے سبب آتشِ دوزخ میں تیرے لئے دھواں ہو خرچ کر اے بلال! اور عرش کے مالک سے کمی کا خوف نہ کر۔ بلکہ خود انھیں بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا، اے بلال! فقیر مرنا اور غنی نہ مرنا۔ عرض کی: اس کے لئے کیا طریقہ برتوں؟ فرمایا: ما رزقت فلا تخبأ وما سئلت فلا تمنع جو تجھے ملے اُسے نہ چھپا اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے انکار نہ کر۔ عرض کی:

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۲۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/۳۴۰
الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی وابی یعلٰی والبزار الترغیب فی الانفاق مصطفی البابی مصر ۲/۵۱
کشف الخفاء حدیث ۶۲۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۹۰
کنز العمال حدیث ۱۶۱۸۵ و ۱۶۱۸۶ موسسۃ الرسالہ ” ۶/۳۸۷

[2] الترغیب والترہیب الترغیب فی الانفاق الخ مصطفی البابی مصر ۲/۵۱

(۲) حکمِ الٰہی کی حد سے بڑھنا۔ یہ تفسیر ایاس بن معٰویہ بن قرہ تابعی ابن تابعی ابن صحابی کی ہے ابن جریر وابوالشیخ عن سفیٰن بن عـہ | ابن جریر و ابوالشیخ سفیان بن حسین سے راوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یارسول اللہ! یہ میں کیونکر کرسکوں؟ فرمایا: ھو ذاك او النار یا یہ یا نار۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر وابوالشیخ فی الثواب والحاکم وقال صحیح الاسناد (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابوالشیخ نے ثواب میں اور حاکم نے روایت کیا اور فرمایا یہ صحیح الاسناد ہے۔ ت)

اگر کہئے اُن پر تاکید اس لئے تھی کہ وہ اصحابِ صُفّہ سے تھے اور ان حضرات کرام کا عہد تھا کہ کچھ پاس نہ رکھیں گے **اقول** (میں کہتا ہوں) ہاں اور ہم بھی نہیں کہتے کہ ایسا کرنا ہر ایک پر لازم ہے مگر ان حضرات پر اُس کے لازم فرمانے ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام فی نفسہٖ محمود ہے اور ہر صادق التوکل کو اُس کی اجازت، ورنہ اُن کو بھی منع کیا جاتا جیسے ایک صاحب نے عمر بھر رات کو نہ سونے کا عہد کیا، ایک نے عمر بھر روزے رکھنے کا، ایک نے کبھی نکاح نہ کرنے کا۔ اس پر ناراضی فرمائی اور ارشاد ہوا: میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور شب کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور نکاح کرتا ہوں فمن رغب عن سنتی فلیس منی تو جو میری سنّت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں، رواہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ایک شخص نے پیادہ حج کی منت مانی، ضعف سے دو آدمیوں پر تکیہ دیے چل رہا تھا، اُسے سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا:

ان اللہ تعالٰی عن تعذیب ھذا نفسہ لغنی۔ رویاہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ۔

اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنی جان کو عذاب میں ڈالے (اسکو شیخین نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ۔ ت)

عـہ وقع فی نسخۃ الدر المنثور المطبوعۃ بمصر سعید بن جبیر وھو تصحیف اھ منہ عفی عنہ۔

عـہ در منثور مطبوعہ مصر کے نسخہ میں سعید بن جبیر واقع ہوا ہے۔ یہ تصحیف ہے اھ منہ عفی عنہ۔ (ت)

ل؎ المعجم الکبیر حدیث ۱۰۲۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۳۴۱
المستدرک للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۱۶
الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی وابی الشیخ والحاکم الخ الترغیب فی الانفاق الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۲
۲؎ صحیح البخاری کتاب النکاح ۲/ ۷۵۷ و صحیح مسلم کتاب النکاح ۱/ ۴۴۹
۳؎ صحیح البخاری ابواب العمرۃ ۱/ ۲۵۱ و صحیح مسلم کتاب النذر ۲/ ۴۵ قدیمی کتب خانہ کراچی

حسین عن ابی بشر قال اطاف الناس باياس بن معٰویة فقالوا ما السرف قال ما تجاوزت به امر اللّٰہ فھو سرف[1]

ہیں وہ ابوبشر سے، انھوں نے کہا: ایاس بن معاویہ کے گرد جمع ہوکر لوگوں نے ان سے پوچھا، اسراف کیا ہے؟ فرمایا: جس خرچ میں تم امرِ الٰہی سے تجاوز کرجاؤ وہ اسراف ہے۔ (ت)

اور اسی کی مثل اہلِ لغت سے ابن الاعرابی کی تفسیر ہے کما سیأتی من التفسیر الکبیر (جیسا کہ تفسیر کبیر سے آئے گا۔ ت) تعریفات السید میں ہے:

الاسراف تجاوز الحد فی النفقة[2]

اسراف، خرچ میں حد سے آگے بڑھنا ہے۔ (ت)

اقول یہ تفسیر مجمل ہے حکم الٰہی وضو میں کہنیوں تک ہاتھ، گٹوں تک پاؤں دھونا ہے مگر اس سے تجاوز اسراف نہیں بلکہ نیم بازو و نیم ساق تک بڑھانا مستحب ہے جیسا کہ احادیث سے گزرا تو امر سے مراد تشریع لینی چاہیے یعنی حدِ اجازت سے تجاوز، اور اب یہ تفسیر ایک تفسیر تبذیر کی طرف عود کرے گی۔

(۳) ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرعِ مطہر یا مروّت کے خلاف ہو، اوّل حرام ہے اور ثانی مکروہِ تنزیہی۔ طریقۂ محمدیہ میں ہے:

الاسراف والتبذیر ھو ملکة بذل المال حیث یجب امساکه بحکم الشرع او المروءة وھی رغبة صادقة للنفس فی الافادة بقدر ما یمکن، وھما فی مخالفة الشرع حرامان وفی مخالفة المروءة مکروھان تنزیھا[3] اھ۔

اسراف و تبذیر اس جگہ مال خرچ کرنے کا ملکہ (نفس کی قوتِ راسخہ) جہاں شریعت یا مروّت روکنا لازم کرے اور مروّت امکانی حد تک پہنچانے کے کام میں نفس کی سچی رغبت کو کہتے ہیں۔ اسراف و تبذیر شریعت کی مخالفت میں ہوں تو حرام ہیں اور مروّت کی مخالفت میں ہوں تو مکروہ تنزیہی ہیں۔

اقول وزاد ملکة لیجعلھما من منکرات القلب لانه فی

اقول ان دونوں کو منکراتِ قلب سے قرار دینے کے لئے لفظ ملکہ کا اضافہ کردیا

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیة ۶/ ۱۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۷۴

الدر المنثور بحوالہ ابی الشیخ " " " " ۳/ ۳۳۲

[2] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۱۰

[3] طریقہ محمدیہ السابع والعشرون الاسراف والتبذیر مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/ ۱۵ و ۱۶

تعدیدھا ومثل الشارح العلامۃ سیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی مخالفۃ المروءۃ بدفعہ للاجانب والتصدق بہ علیھم و ترک الاقارب والجیران المحاویج[1] اھ۔

کیوں کہ یہاں وہ دل کی برائیاں ہی شمار کرا رہے ہیں۔ اور شارح علامہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے مخالفت مروت کی مثال پیش کی ہے کہ حاجت مند قرابتداروں اور ہمسایوں کو چھوڑ کر بیگانوں اور دُور والوں کو مال دے اور ان پر صدقہ کرے اھ۔

اقول (ف۱) اخرج الطبرانی بسند صحیح عن ابی ھریرۃ (ف۲) رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا امۃ محمد والذی بعثنی بالحق لایقبل اللہ صدقۃ من رجل ولہ قرابۃ محتاجون الی صلتہ ویصرفھا الی غیرھم والذی نفسی بیدہ لاینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ[2] اھ فھو خلاف الشرع لامجرد خلاف المروءۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول طبرانی نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے امت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اُس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا خدا اس شخص کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے کچھ ایسے قرابت دار ہوں جو اس کے صلہ کے محتاج ہوں اور وہ دوسروں پر صرف کرتا ہو، اُس کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے خدا اس کی طرف روزِ قیامت نظرِ رحمت نہ فرمائے گا اھ۔ تو یہ (حاجتمند اقارب کو چھوڑ کر اجانب کو دینا) صرف مروّت ہی کے خلاف نہیں شریعت کے بھی خلاف ہے۔ اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے (ت)

ف۱: تطفل علی السوی النابلسی۔

ف۲: مسئلہ جس کے عزیز محتاج ہوں اُسے منع ہے کہ اُنھیں چھوڑ کر غیروں کو اپنے صدقات دے۔ حدیث میں فرمایا: ایسے کا صدقہ قبول نہ ہوگا اور اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ السابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۸

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی الاقارب دار الکتاب بیروت ۳/ ۱۱۷

وانا **اقول** وباللہ التوفیق آدمی کے پاس جو مال زائد بچا اور اس نے ایک فضول کام میں اُٹھا دیا جیسے بے مصلحتِ شرعی مکان کی زینت وآرائش میں مبالغہ اس سے اسے تو کوئی نفع ہوا نہیں اور اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو دیتا تو ان کو کیسا نفع پہنچتا، تو اس حرکت سے ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی بے معنی خواہش کو ان کی حاجت پر مقدم رکھا اور یہ خلافِ مروت ہے۔

(۴) طاعتِ الٰہی کے غیر میں اُٹھانا۔ قاموس میں ہے:

الاسراف التبذیر او ما انفق فی غیر طاعة اھ[1]۔

اسراف: تبذیر یا وہ جو غیر طاعت میں خرچ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں اسی کی نقل پر اقتصار فرمایا۔

اقول ظاہر ہے کہ مباحات نہ طاعت ہیں نہ اُن میں خرچ اسراف مگر یہ کہ غیر طاعت سے خلافِ طاعت مراد لیں تو مثل تفسیر دوم ہوگی۔ اور اب علامہ شامی کا یہ فرمانا کہ:

لایلزم من کونه غیر طاعة ان یکون حراما نعم اذا اعتقد سنیته (ای سنیة الزیادة علی الثلث فی الوضوء) یکون منهیا عنه ویکون ترکه سنة مؤکدة[2]۔

اس کے غیر طاعت ہونے سے حرام ہونا لازم نہیں آتا، ہاں جب اس کے (وضو میں تین بار سے زیادہ دھونے کے) مسنون ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو وہ منہی عنہ ہوگا اور اس کا ترک سنتِ مؤکدہ ہوگا۔ (ت)

صحیح نہ رہے گا۔

(۵) حاجتِ شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا،

کما تقدم فی صدر البحث عن الحلیة والبحر وتبعهما العلامة الشامی۔

جیسا کہ اس مبحث کے شروع میں حلیہ وبحر کے حوالے بیان ہوا اور علامہ شامی نے ان دونوں کا اتباع کیا۔ (ت)

ف: معروضة علی العلامة ش بل والقاموس ایضا۔

---

[1] القاموس المحیط باب الفاء فصل السین تحت "السرف" مصطفی البابی مصر ۳/۱۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

اقول اوّلاً[ف۱] مراتبِ خمسہ کہ ہم اوپر بیان کر آئے اُن میں حاجت کے بعد منفعت پھر زینت ہے اور شک نہیں کہ ان میں خرچ بھی اسراف نہیں جب تک حدِ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔ قال اللہ تعالٰی:

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیّبٰت من الرزق[۱] | اے نبی! تم فرمادو کہ اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور پاکیزہ رزق کس نے حرام کئے ہیں۔ (ت)

مگر یہ تاویل کریں کہ حاجت سے ہر بکار آمد بات مراد ہے۔

ثانیاً[ف۲] شرعیہ کی قید بھی مانع جامعیت ہے کہ حاجتِ دنیویہ میں بھی زیادہ اُڑانا اسراف ہے مگر یہ کہ شرعیہ سے مراد مشروعہ لیں یعنی جو حاجت خلافِ شرع نہ ہو تو یہ اس قول پر مبنی ہوجائے گا جس میں اسراف و تبذیر میں حاجت جائزہ و ناجائزہ سے فرق کیا ہے۔ اگر کہئے ان علماء کا یہ کلام دربارۂ وضو ہے اُس میں توجو زیادت ہوگی حاجت شرعیہ دینیہ ہی سے زائد ہوگی۔

اقول اب مطلقاً حکمِ ممانعت مسلم نہ ہوگا مثلاً میل چھڑانے یا شدّت گرما میں ٹھنڈک کی نیت سے زیادت کی تو اسراف نہیں کہہ سکتے کہ غرض صحیح جائز میں خرچ ہے۔ شاید اسی لئے علامہ طحطاوی نے لفظ شرعیہ کم فرماکر اتنا ہی کہا:

الاسراف ھو الزیادۃ علی قدر الحاجۃ۔[۲] | اسراف قدرِ حاجت پر زیادتی کا نام ہے(ت)

اقول مگر یہ تعریف اگر مطلق اسراف کی ہو تو جامعیت میں ایک اور خلل ہوگا کہ قدر حاجت سے زیادت کے لئے وجود حاجت درکار اور جہاں حاجت ہی نہ ہو اسراف اور زائد ہے، ہاں حلیہ واتباع کی طرح خاص اسراف فی الوضوء کا بیان ہو تو یہ خلل نہ ہوگا۔

(۶) غیر طاعت میں یا بلاحاجت خرچ کرنا۔ نہایہ ابن اثیر و مجمع بحار الانوار میں ہے:

الاسراف والتبذیر فی النفقۃ لغیر حاجۃ اوفی غیر طاعۃ اللہ[۳] | اسراف اور تبذیر: بغیرِ حاجت یا غیرِ طاعتِ الٰہی میں خرچ کرنا ہے۔(ت)

ف۱: تطفل علی الحلیۃ والبحر وش۔ ف۲: تطفل اٰخر علیہم

---

[۱] القرآن الکریم ۷/۳۲

[۲] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۷۶

[۳] النہایۃ لابن اثیر فی غریب الحدیث والاثر تحت لفظ "سرف" دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۳۲۵

مجمع بحار الانوار تحت لفظ سرف مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ السعودیۃ ۳/۶۶

یہ تعریف گویا چہارم و پنجم کی جامع ہے۔

اقول اولاً ف[۱] طاعت میں وہی تاویل لازم جو چہارم میں گزری۔

ثانیاً ف[۲] حاجت میں وہی تاویل ضرور جو پنجم میں مذکور ہوئی۔

(۷) دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی۔ تفسیر ابن جریر میں ہے:

الاسراف فی کلام العرب الاخطاء باصابة الحق فی العطیة اما بتجاوز حدہ فی الزیادة و اما بتقصیر عن حدہ الواجب[۱]

کلامِ عرب میں اسراف اسے کہتے ہیں کہ دینے میں حق کے حصول سے خطا کر جائے یا تو حق کی حد سے آگے بڑھ جائے یا اس کی واجبی حد سے پیچھے رہ جائے۔ (ت)

اقول یہ عطا ف[۳] کے ساتھ خاص ہے اور اسراف کچھ لینے دینے ہی میں نہیں اپنے خرچ کرنے میں بھی ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی الوضوء اسراف وفی کل شیئ اسراف[۲] رواہ سعید بن منصور عن یحیی بن ابی عمرو السیبانی الثقة مرسلا۔

وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے اور ہر کام میں اسراف کو دخل ہے (اسے سعید بن منصور نے یحیی بن ابی عمرو شیبانی ثقہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ت)

(۸) ذلیل غرض میں کثیر مال اُٹھا دینا۔ تعریفات السید میں ہے:

الاسراف انفاق المال الکثیر فی الغرض الخسیس[۳] اھ قدمہ ھٰھنا واقتصر علیہ فی المسرف۔

اسراف: گھٹیا مقصد میں زیادہ مال خرچ کر دینا اھ۔ بیان اسراف میں اس تعریف کو مقدم رکھا اور مُسرف کی تعریف میں صرف اسی کو ذکر کیا۔ (ت)

اقول یہ بھی جامع ف[۴] نہیں بے غرض محض تھوڑا مال ضائع کر دینا بھی اسراف ہے۔

ف[۱]: تطفل علی ابن الاثیر والعلامۃ طاھر

ف[۲]: تطفل اٰخر علیہما

ف[۳]: تطفل علی ابن جریر

ف[۴]: تطفل علی العلامۃ السید الشریف

---

[۱] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۶/۱۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/۷۵

[۲] کنز العمال بحوالہ ص عن یحیی بن ابی عمرو حدیث ۲۶۲۴۸ موسسۃ الرسالہ " ۹/۳۲۵

[۳] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۱۰

(۹) حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا۔ حکاہ السید قیلا[1] (تعریفات میں سید شریف نے اسے بطور قیل حکایت کیا۔ ت) **اقول** یہ کھانےف سے خاص ہے۔

(۱۰) لائق و پسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اٹھا دینا۔ تعریفات علامہ شریف میں ہے:

الاسراف صرف الشیئ فیماینبغی زائدا علی ماینبغی بخلاف التبذیر فانہ صرف الشیئ فیمالاینبغی[2]۔

اسراف: مناسب کام میں حد مناسب سے زیادہ خرچ کرنا، بخلاف تبذیر کے کہ وہ نامناسب امر میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ (ت)

اقول ینبغی کا اطلاق کم از کم مستحب پر آتا ہے اور اسراف مباح خالص میں اُس سے بھی زیادہ ہے مگر یہ کہ جو کچھ لاینبغی نہیں سب کو ینبغی مان لیں کہ مباح کاموں کو بھی شامل ہو جائے ولیس ببعید (اور یہ بعید نہیں۔ ت) اور عبث محض اگرچہ بعض جگہ مباح بمعنی غیر ممنوع ہو مگر زیر لاینبغی داخل ہے تو اس میں جو کچھ اُٹھے گا اس تفسیر پر داخلِ تبذیر ہوگا۔

(۱۱) بے فائدہ خرچ کرنا۔ قاموس میں ہے:

ذھب ماء الحوض سرفا فاض من نواحیہ[3]۔

حوض کا پانی اس کے کناروں سے بہ گیا (ت)

تاج العروس میں ہے:

قال شمر سرف الماء ماذھب منہ فی غیرسقی ولا نفع یقال اروت البئر النخیل وذھب بقیۃ الماء سرفا[4]۔

شمر نے کہا سرف الماء کا معنٰی وہ پانی جو سینچائی یا کسی فائدہ کے بغیر جاتا رہا، کہا جاتا ہے کنویں نے کھجوروں کو سیراب کر دیا اور باقی پانی سرف (بیکار) گیا۔ (ت)

تفسیر کبیر و تفسیر نیشاپوری میں ہے:

ف: معروضۃ علی من نقل عنہ السید۔

---

[1] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۱۰

[2] " " " "

[3] القاموس المحیط باب الفاء فصل السین مصطفی البابی مصر ۱۵۶/۳

[4] تاج العروس " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸/۶

اعلم ان لاهل اللغة فی تفسیر الاسراف قولین الاول قال ابن الاعرابی السرف تجاوز ما حد لك الثانی قال شمر[عه۱] سرف المال[عه۲] ما ذھب منه فی غیر منفعة۔[۱]

واضح ہو کہ اسراف کی تفسیر میں اہل لغت کے دو قول ہیں: اول، ابن الاعرابی نے کہا سرف کا معنی مقررہ حد سے تجاوز۔ دوم شمر نے کہا سرف المال وہ جو بے فائدہ چلا جائے (ت)

اقول منفعت کے بعد بھی اگرچہ ایک مرتبہ زینت ہے مگر ایک معنی پر زینت بھی بے فائدہ نہیں۔ ہمارے کلام کا ناظر خیال کرسکتا ہے کہ ان تمام تعریفات میں سب سے جامع ومانع وواضح تر تعریف اول ہے، اور کیوں نہ ہو کہ یہ اُس عبداللہ کی تعریف ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم علم کی گٹھڑی فرماتے اور جو خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد تمام جہان سے علم میں زائد ہے اور جو ابوحنیفہ جیسے امام الائمہ کا مورث علم ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہ وعنہم اجمعین۔

تبذیر کے باب میں علماء کے دو قول ہیں،

(۱) وہ اور اسراف دونوں کے معنی ناحق صَرف کرنا ہیں۔

اقول یہی صحیح ہے کہ یہی قول حضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس وعامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے، قولِ اول کی حدیث میں اس کی تصریح گزری اور وہی حدیث بطریق آخر ابن جریر نے یوں روایت کی،

کنا اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نتحدث ان التبذیر النفقة فی غیر حقه۔[۲]

ہم اصحابِ محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ بیان کرتے تھے کہ تبذیر غیر حق میں خرچ کرنے کا نام ہے۔ (ت)

ف: تبذیر واسراف کے معانی میں فرق کی بحث۔

عه۱ وقع ھٰھنا فی نسخة تفسیر النیسابوری المطبوعة بمصر عمر بالعین وھو تحریف۔

عه۱ یہاں تفسیر نیشاپوری کے مصری مطبوعہ نسخہ میں شمر کے بجائے عین سے عمر چھپ گیا ہے، یہ تحریف ہے ۱۲ منہ (ت)

عه۲ ھکذا ھو المال باللام فی کلا التفسیرین وقضیة التاج انه الماء بالھمزة ۱۲ منه۔

عه۲ یہ دونوں تفسیروں میں اسی طرح لام سے "مال" لکھا ہوا ہے اور تاج العروس کا تقاضا ہے کہ یہ ہمزہ سے "ماء" ہو ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۶/۱۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳/۱۷۵، ۱۷۶

[۲] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) ″ ″ ۱۷/۲۶، ۲۷ دار احیاء التراث العربی ۱۵/ ۸۶

سعید بن منصور سنن اور بخاری ادب مفرد اور ابن جریر و ابن منذر تفاسیر اور بیہقی شعب الایمان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی :

المبذر المنفق فی غیر حقہ[1]

مُبَذِّر وہ جو غیر حق میں خرچ کرے۔ (ت)

ابن جریر کی ایک روایت اُن سے یہ ہے :

لاتنفق فی الباطل فان المبذر ھو المسرف فی غیر حق، وقال مجاھد لو انفق انسان مالہ کلہ فی الحق ماکان تبذیرا ولو انفق مدا فی الباطل کان تبذیرا[2]

باطل میں خرچ نہ کر کہ مُبَذِّر وہی ہے جو ناحق میں خرچ کرتا ہو۔ مجاہد نے کہا: اگر انسان اپنا سارا مال حق میں خرچ کردے تو تبذیر نہیں اور اگر ایک مُد باطل میں خرچ کردے تو تبذیر ہے۔ (ت)

نیز قتادہ سے راوی :

التبذیر النفقۃ فی معصیۃ اللہ تعالٰی وفی غیر الحق وفی الفساد[3]

تبذیر: اللہ کی معصیت میں، غیر حق میں، اور فساد میں خرچ کرنا ہے۔ (ت)

نہایہ و مختصر امام سیوطی میں ہے :

المباذر والمبذر المسرف فی النفقۃ[4]

مُبَاذِر و مُبَذِّر، خرچ میں اسراف کرنے والا۔ (ت)

نیز مختصر میں ہے :

الاسراف التبذیر[5] (اسراف کا معنی تبذیر ہے۔ ت)

قاموس میں ہے :

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۷/ ۲۶ و ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۸۶
الدر المنثور بحوالہ سعید بن منصور والبخاری فی الادب و ابن المنذر والبیہقی فی شعب الایمان " " ۵/ ۲۳۹

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۷/ ۲۶ و ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۸۷

[3] " " " " " " " " " "

[4] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب الباء مع الذال تحت لفظ بذر دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۱۰
مختصر احیاء العلوم

[5] " " "

بذرہ تبذیرا خربہ وفرقہ اسرافا۔[1] | بذرہ تبذیرا اسے خراب کیا اور بطور اسراف بانٹ دیا۔(ت)

تعریفات السید میں ہے:

التبذیر تفریق المال علٰی وجہ الاسراف۔[2] | تبذیر: بطور اسراف مال بانٹنا۔ (ت)

اسی طرح مختار الصحاح میں اسراف کو تبذیر اور تبذیر کو اسراف سے تفسیر کیا۔

(۲) ان میں فرق ہے تبذیر خاص معاصی میں مال برباد کرنے کا نام ہے۔ ابن جریر عبدالرحمن بن زید بن اسلم مولائے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لاتبذر تبذیرا لاتعط فی المعاصی۔[3] | "لاتبذر تبذیرا" کا معنی ہے "معاصی میں نہ دے"۔(ت)

اقول اس تقدیر پر اسراف تبذیر سے عام ہوگا کہ ناحق صرف کرنا عبث میں صرف کو بھی شامل اور عبث مطلقاً گناہ نہیں تو ازانجا کہ اسراف ناجائز ہے یہ صرف معصیت ہوگا مگر جس میں صرف کیا وہ خود معصیت نہ تھا اور عبارت "لاتعط فی المعاصی" (اس کی نافرمانی میں مت دے۔ت) کا ظاہر یہی ہے کہ وہ کام خود ہی معصیت ہو، بالجملہ تبذیر کے مقصود و حکم دونوں معصیت ہیں اور اسراف کو صرف حکم میں معصیت لازم۔

وھذا ھوالمشتھر الیوم ووقع فی التاج عن شیخہ عن ائمۃ الاشتقاق ان التبذیر یشمل الاسراف فی عرف اللغۃ۔[4]، وبہ صرح العلامۃ الشھاب فی عنایۃ القاضی و | اور اس وقت یہی مشہور ہے اور تاج العروس میں اپنے شیخ کی روایت سے ائمہ اشتقاق سے نقل کیا ہے کہ لغت کے عرف میں تبذیر اسراف کو شامل ہے اھ اس کی صراحت علامہ شہاب خفاجی نے عنایۃ القاضی میں کی ہے اور

---

[1] القاموس المحیط باب الراء فصل الباء مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۳
[2] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۲۳
[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۷/۲۶و۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۸۷
[4] تاج العروس باب الراء فصل الباء " " " ۳/۲۹

مفادہ ان التبذیر اعم ولم یفسراہ۔

اس کا مفادیہ ہے کہ تبذیر اعم ہے اور دونوں نے اس کی تفسیر نہ کی۔(ت)

بعض نے یوں فرق کیا کہ مقدار میں حد سے تجاوز اسراف ہے اور بے موقع بات میں صرف کرنا تبذیر، دونوں بُرے ہیں اور تبذیر بدتر۔

قال الخفاجی وفرق بینھما علی ما نقل فی الکشف بان الاسراف تجاوز فی الکمیۃ وھو جھل بمقادیر الحقوق و التبذیر تجاوز فی موقع الحق وھو جھل بالکیفیۃ وبمواقعھا وکلاھما مذموم والثانی ادخل فی الذم[1]۔

خفاجی نے فرمایا: جیسا کہ کشف میں نقل کیا ہے ان دونوں میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ اسراف مقدار میں حد سے آگے بڑھنا اور یہ حقوق کی قدروں سے ناآشنائی ہے۔ اور تبذیر حق کی جگہ سے تجاوز کرنا اور یہ کیفیت اور اس کے مقامات سے ناآشنائی ہے اور دونوں ہی مذموم ہیں اور ثانی زیادہ بُرا ہے۔(ت)

اس تقدیر پر دونوں متباین ہوں گے۔

اقول اگرچہ مقدار سے زیادہ صرف بھی بے موقع بات میں صرف ہے کہ وہ مصرف اس زیادت کا موقع ومحل نہ تھا ورنہ اسراف ہی نہ ہوتا مگر بے موقع سے مرادیہ ہے کہ سرے سے وہ محل اصلاً مصرف نہ ہو۔ بالجملہ احاطۂ کلمات سے روشن ہُوا کہ وُہ قطب جن پر ممانعت کے افلاک دورہ کرتے ہیں دو ہیں ایک مقصد معصیت دوسرا بیکار اضاعت، اور حکم دونوں کا منع وکراہت۔

اقول معصیت تو خود معصیت ہی ہے ولہذا اُس میں منع مال ضائع کرنے پر موقوف نہیں اور غیر معصیت میں جبکہ وہ فعل فی نفسہ گناہ نہیں، لاجرم ممانعت میں اضاعت ملحوظ، ولہذا عام تفسیرات میں لفظ انفاق ماخوذ کہ مفید خرچ واستہلاک ہے کہ اہم بالافادہ یہی ہے معاصی میں صرف معصیت ہونا تو بدیہی ہے زید نے سونے چاندی کے کڑے اپنے ہاتھوں میں ڈالے یہ اسراف ہوا کہ فعل خود گناہ ہے اگرچہ تھوڑی دیر پہننے سے کڑے خرچ نہ ہوجائیں گے اور بلاوجہ محض اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو

ف: مسئلہ اسراف کہ ناجائز وگناہ ہے صرف دو صورتوں میں ہوتا ہے ایک یہ کہ کسی گناہ میں صرف واستعمال کریں دوسرے بیکار محض مال ضائع کریں۔

[1] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی تحت الآیۃ ۱۷/ ۲۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۴۲

اسراف نہیں کہ نہ فعل گناہ ہے نہ مال ضائع ہوا اور اگر دریا میں پھینک دیے تو اسراف ہوا کہ مال کی اضاعت ہوئی، اور اضاعت کی ممانعت پر حدیث صحیح ناطق، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللّٰہ تعالٰی کرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال[1]

بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے مکروہ رکھا ہے فضول بک بک اور سوال کی کثرت اور مال کی اضاعت۔(ت)

یہ تحقیق معنی اسراف ہے جسے محفوظ و ملحوظ رکھنا چاہیے کہ آئندہ انکشاف احکام اسی پر موقوف، وباللّٰہ التوفیق۔

فائدہ: یہاں سے ظاہر ہوا کہ وضو و غسل میں تین بار سے زیادہ پانی ڈالنا جبکہ کسی غرض صحیح سے ہو ہرگز اسراف نہیں کہ جائز غرض میں خرچ کرنا نہ خود معصیت ہے نہ بیکار اضاعت۔ اس کی بہت مثالیں اُن پانیوں میں ملیں گی جن کو ہم نے آبِ وضو سے مستثنٰی بتایا نیز تبرید و تنظیف کی دو مثالیں ابھی گزریں اور ان کے سوا علمائے کرام نے دو صورتیں اور ارشاد فرمائی ہیں جن میں غرض صحیح ہونے کے سبب اسراف نہ ہوا:

(۱) یہ کہ وضو علی الوضوء کی نیت کرے کہ نُورٌ علٰی نُور ہے۔

(۲) اگر وضو کرتے میں کسی عضو کی تثلیث میں شک واقع ہو تو کم پر بنا کرکے تثلیث کامل کرلے مثلاً شک ہوا کہ منہ یا ہاتھ یا پاؤں شاید دو ہی بار دھویا تو ایک بار اور دھولے اگرچہ واقع میں یہ چوتھی بار ہو اور ایک بار کا خیال ہوا تو دو بار، اور یہ شک پڑا کہ دھویا ہی نہیں تو تین بار دھوئے اگرچہ واقع کے لحاظ سے چھ بار ہوجائے، یہ اسراف نہیں کہ اطمینانِ قلب حاصل کرنا غرض صحیح ہے۔ ہم امر چہارم میں ارشاد اقدس حضور پُرنور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیان کر آئے کہ، دع ما یریبك الی ما لا یریبك[2] شک کی

ف: مسئلہ اُن صحیح غرضوں کا بیان جن کے لئے وضو و غسل میں تین تین بار سے زیادہ اعضا کا دھونا داخل اسراف نہیں بلکہ جائز و روا یا محمود و مستحسن ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب ماینہی عن اضاعۃ المال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۴
صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب النہی عن کثرۃ المسائل الخ " " " ۲/۷۵
[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشتبہات " " " ۱/۲۷۵

بات چھوڑ کر وہ کر جس میں شک نہ رہے۔

کافی امام حافظ الدین نسفی میں ہے:

هذا (ای وعید الحدیث من زاد علی هذا اونقص فقد تعدی وظلم) اذا زاده معتقدا ان السنة هذا فاما لو زاد لطمانینة القلب عند الشك او نیة وضوء أخر فلا باس به لانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم امر بترك مایریبه الٰی مالا یریبه[1]۔

حدیث پاک "جس نے اس سے زیادتی یا کمی کی وہ حد سے بڑھا اور ظلم کیا" کی وعید اس صورت میں ہے جب یہ اعتقاد رکھتے ہوئے زیادہ کرے کہ زیادہ کرنا ہی سنت ہے لیکن شک کے وقت اطمینانِ قلب کے لئے زیادہ کرے یا دوسرے وضو کی نیت ہو تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ شک کی حالت چھوڑ کر وہ صورت اختیار کرے جس میں شک نہ رہے۔ (ت)

فتح القدیر میں قول ہدایہ الوعید لعدم رؤیتہ سنۃ (وعید اس لئے ہے کہ وہ سنت نہیں سمجھتا ہے۔ ت) کے تحت میں ہے:

فلو رأه وزاد لقصد الوضوء علی الوضوء اولطمانینة القلب عند الشك او نقص لحاجته لاباس به[2]۔

تو اگر تثلیث کو سنّت مانا اور وضو پر وضو کے ارادے سے یا شک کے وقت اطمینانِ قلب کے لئے زیادہ کیا یا کسی حاجت کی وجہ سے کمی کی تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

اذا زاد لطمانینة القلب عند الشك او بنیة وضوء أخر فلاباس به فان الوضوء علی الوضوء نورٌ علٰی نور وقد امر بترك مایریبه الٰی مالا یریبه[3]۔

شک کے وقت اطمینانِ قلب کے لئے یا دوسرے وضو کی نیت سے زیادہ کیا تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وضوء علی الوضو نورٌ علٰی نور ہے اور اسے حکم ہے کہ شک کی صورت چھوڑ کر وہ اختیار کرے جس میں اسے شک نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الکافی شرح الوافی
[2] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۷
[3] العنایۃ علی الہدایۃ مع فتح القدیر 〃 〃 〃 〃

حلیہ میں ہے:

الوعید علی الاعتقاد المذکور دون نفس الفعل وعلی ھذا مشی ف الھدایۃ ومحیط رضی الدین والبدائع ونص فی البدائع انہ الصحیح لان من لم یر سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد ابتدع فیلحقہ الوعید وان کانت الزیادۃ علی الثلاث لقصد الوضوء علی الوضوء او لطمانینۃ القلب عند الشك فلا یلحقہ الوعید وھو ظاھر، وھل لو زاد علی الثلاث من غیر قصد لشیئ مما ذکر یکرہ الظاھر نعم لانہ اسراف[1]

وعید اعتقادِ مذکور پر ہے خود فعل پر نہیں۔ اسی کو ہدایہ، محیط رضی الدین اور بدائع میں بھی اختیار کیا ہے اور بدائع میں صراحت کی ہے کہ یہی صحیح ہے اس لئے کہ جو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت کو نہ مانے وہ بدمذہب ہے اسے وعید لاحق ہوگی۔ اور اگر تین پر اضافہ وضو علی الوضو کے ارادہ سے ہے یا شک کے وقت اطمینانِ قلب کے لئے ہے تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی اور یہ ظاہر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مذکورہ باتوں میں سے کسی کا قصد ہوئے بغیر اس نے تین بار سے زیادہ دھویا مکروہ ہے یا نہیں، ظاہر یہ ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ یہ اسراف ہے۔

اسی طرح نہایہ ومعراج الدرایہ ومبسوط وسراج وہاج وبرجندی ودرمختار وعلمگیری وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے مگر بعض متاخرین شراح کو ان صورتوں میں واقع ہوا

صورتِ اولٰی میں تین[2] وجہ سے:

وجہ اول وضو عبادتِ ف مقصودہ نہیں بلکہ نماز وغیرہ کیلئے وسیلہ ہے ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے،

ف: مسئلہ بعض نے فرمایا کہ وضو پر وضو اُسی وقت مستحب ہے کہ پہلے وضو سے کوئی نماز یا سجدۂ تلاوت وغیرہ کوئی فعل جس کے لئے باوضو ہونے کا حکم ہے ادا کرچکا ہو بغیر اس کے تجدیدِ وضو مکروہ ہے۔ بعض نے فرمایا ایک بار تجدید تو بغیر اس کے بھی مستحب ہے، ہاں ایک سے زیادہ بے اس کے مکروہ ہے اور مصنف کی تحقیق کہ ہمارے ائمہ کا کلام اور نیز احادیثِ خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مطلقاً تجدیدِ وضو کو مستحب فرماتی ہیں اور ان قیدوں کا کوئی ثبوت ظاہر نہیں۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

توجب تک اس سے کوئی کوئی فعل مقصود مثل نماز یا سجدۂ تلاوت یا مس مصحف واقع نہ ہولے اس کی تجدید مشروع نہ ہونی چاہیے کہ اسراف محض ہوگی۔ یہ اعتراض محقق ابراہیم حلبی کا ہے۔ خلاصہ میں اعضائے وضو چار بار دھونے کی کراہت میں دو قول نقل کرکے فرمایا تھا:

هذا اذا لم یفرغ من الوضوء فان فرغ ثم استأنف الوضوء لایکرہ بالاتفاق[1]۔

یہ اس صورت میں ہے کہ ابھی وضو سے فارغ نہ ہوا ہو اگر فارغ ہوگیا پھر از سرِ نو وضو کیا تو بالاتفاق مکروہ نہیں۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح تاتارخانیہ میں امام ناطفی سے ہے کما فی ش۔ اس سے ثابت کہ ایک وضو سے فارغ ہوکر معًا بہ نیت وضوعلی الوضوء دوسرا وضو شروع کردینا ہمارے یہاں بالاتفاق جائز ہے اور کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اس پر علامہ حلبی نے وہ اشکال قائم کیا اور علامہ علی قاری نے مرقاۃ باب سُنن الوضوء فصل ثانی میں زیرِ حدیث فمن زاد علی ھذا فقد اساء وتعدی[2] (توجس نے اس پر زیادتی کی اُس نے بُرا کیا اور حد سے آگے بڑھا۔ ت) اُن کی تبعیت کی۔

اقول اوّلًا [ف۱] جب ائمۂ ثقات نے ہمارے علماء کا اتفاق نقل کیا اور دوسری جگہ سے خلاف ثابت نہیں تو بحث کی کیا گنجائش۔

ثانیًا [ف۲] عبادت غیر مقصودہ بالذات ہونے پر اتفاق سے یہ لازم نہیں کہ وہ وسیلہ ہی ہوکر جائز ہو بلکہ فی نفسہٖ بھی ایک نوع مقصودیت سے حظ رکھتا ہے و لہذا اجماع ہے کہ ہر وقت [ف۳] باوضو رہنا ہر حدث کے بعد معًا وضو کرنا مستحب ہے۔ فتاوٰی قاضی خان و خزانۃ المفتین و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں وضوئے مستحب کے شمار میں ہے،

ومنھا المحافظۃ علی الوضوء وتفسیرہ ان یتوضأ کلما أحدث لیکون علی الوضوء فی الاوقات کلھا[3]۔

اسی میں سے وضو کی محافظت بھی ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب بے وضو ہو وضو کرلے تاکہ ہر وقت باوضو رہے، وضو کی محافظت اسلام کی سنّت ہے۔ (ت)

ف۱: تطفل علی الغنیۃ وعلی القاری۔ ف۲: تطفل اٰخر علیہما

ف۳: مسئلہ ہر وقت باوضو رہنا مستحب ہے اور اس کے فضائل۔

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارۃ سنن الوضوء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲

[2] مرقاۃ المفاتیح " " باب " تحت الحدیث ۴۱۷ ۲/ ۱۲۴

[3] الفتاوی الہندیۃ " الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۹

بلکہ امام رکن الاسلام محمد بن ابی بکر نے شرعۃ الاسلام میں اُسے اسلام کی سُنتوں سے بتایا، فرماتے ہیں:

المحافظۃ علی الوضوء سنۃ الاسلام[1] وضو کی محافظت اسلام کی سنت ہے۔ (ت)

اس کی شرح مفاتیح الجنان و مصابیح الجنان میں بستان العارفین امام فقیہ ابو اللیث سے ہے:

بلغنا ان اللہ تعالٰی قال لموسٰی علیہ الصلوۃ والسلام یا موسٰی اذا اصابتك مصیبۃ وانت علی غیر وضوء فلا تلومن الا نفسك[2] یعنی ہم کو حدیث پہنچی کہ اللہ عزوجل نے موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا: اے موسٰی! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو خود اپنے آپ کو ملامت کرنا۔

اُسی میں کتاب خالصۃ الحقائق ابو القاسم محمود بن احمد فارابی سے ہے: قال بعض اھل المعرفۃ من داوم علی الوضوء اکرمہ اللہ تعالٰی بسبع خصال[3] الخ یعنی بعض عارفین نے فرمایا جو ہمیشہ باوضو رہے اللہ تعالٰی اُسے سات فضیلتوں سے مشرف فرمائے:

(۱) ملائکہ اس کی صحبت میں رغبت کریں۔

(۲) قلم اس کی نیکیاں لکھتا رہے۔

(۳) اس کے اعضاء تسبیح کریں۔

(۴) اُسے تکبیر اُولٰی فوت نہ ہو۔

(۵) جب سوئے اللہ تعالٰی کچھ فرشتے بھیجے کہ جن و انس کے شر سے اس کی حفاظت کریں۔

(۶) سکراتِ موت اس پر آسان ہو۔

(۷) جب تک باوضو ہو امانِ الٰہی میں رہے۔

اُسی میں بحوالہ مقدمہ غزنویہ و خالصۃ الحقائق انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من احدث ولم یتوضأ فقد جفانی[4] جسے حدث ہو اور وضو نہ کرے اس نے میرا کمال ادب جیسا چاہئے ملحوظ نہ رکھا۔

---

[1] شرعۃ الاسلام مع شرح مفاتیح الجنان فصل فی تفصیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲

[2] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام " " " " " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " " " " " " " "

[4] " " " " " " " " " " " " " " ص ۹۴

اقول مگر ظاہرًا یہ حدیث بے اصل ہے،

تشھد بہ قریحۃ من نظرہ فیہ بتمامہ وایضا لوصح لوجبت استدامۃ الوضوء ولا قائل بہ واللہ تعالٰی اعلم۔

جو پوری حدیث میں غور کرے اس کی طبیعت اس کی شہادت دے گی۔ اور اگر یہ درست ہوتی تو ہمیشہ باوضو رہنا واجب ہوتا، اور کوئی اس کا قائل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ثالثًا وہ تنظیف[ف۱] ہے اور دین کی بنا نظافت پر ہے اور شک نہیں کہ تجدید موجب تنظیف مزید۔

[ف۲] ولہٰذا جمعہ وعیدین وعرفہ[عہ] واحرام و وقوف عرفات و وقوف مزدلفہ و حاضری حرم و حاضری سرکار اعظم

ف۱: تطفل ثالث علیھما۔

ف۲: مسئلہ ان بعض اوقات ومواقع کا ذکر جن کے لئے غسل مستحب ہے۔

عہ قال فی الدر وفی جبل عرفۃ[۱]، قال ش "اقحم لفظ جبل اشارۃ الی ان الغسل للوقوف نفسہ لا لدخول عرفات ولا للیوم وما فی البدائع من انہ یجوز ان یکون علی الاختلاف ای للوقوف اوللیوم کما فی الجمعۃ ردہ فی الحلیۃ بان الظاھر انہ للوقوف قال وما اظن ان احدا ذھب الی استنانہ لیوم عرفۃ بلا حضور عرفات" اھ،

عہ درمختار میں ہے "جبل عرفہ پر غسل"۔ شامی میں ہے: لفظ جبل اس بات کی جانب اشارہ کے لئے بڑھادیا کہ غسل خود وقوف کی وجہ سے ہے عرفات میں داخل ہونے یا روزِ عرفہ کی وجہ سے نہیں ــــ اور بدائع میں جو ہے کہ "ہوسکتا ہے اس میں اختلاف ہو کہ غسل وقوف کی وجہ سے ہے یا اس دن کی وجہ سے ہے جیسے جمعہ میں اختلاف ہے"۔ حلیہ میں اس کی تردید یوں کی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ غسل وقوف کی وجہ سے ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی کا یہ مذہب ہو کہ عرفات کی حاضری کے بغیر صرف روزِ عرفہ کا غسل مسنون ہے۔ اھ۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[۱] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲

و دخول منٰی و رمی جمار ہر سہ روز و شب برات و شب قدر و شب عرفہ و حاضری مجلس میلاد مبارک وغیرہا کے غسل مستحب ہوئے۔ درمختار میں قولِ ماتن سن لصلٰوۃ جمعۃ و عید[1] (نمازِ جمعہ و عیدین کیلئے غسل سنت ہے۔ ت) کے بعد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

واقرہ فی البحر والنھر لکن قال المقدسی فی شرح نظم الکنز لایستبعد سنیتہ للیوم لفضیلتہ حتی لو حلف بطلاق امرأتہ فی افضل ایام العام تطلق یوم عرفۃ ذکرہ ابن ملک فی شرح المشارق[2] اھ اقول ھذا صاحب الدر ناصا علی استنانہ ای استحبابہ لیلۃ عرفۃ وقد عدھا فی التاتارخانیۃ والقھستانی فالیوم احق فلذا افردت عرفۃ من الوقوف وکذا دخول منی من رمی الجمار تبعا للتنویر شرح الغزنویۃ کما نقل عنہ ش، واللّٰہ تعالٰی اعلم اھ منہ۔

اسے بحر و نہر میں برقرار رکھا۔ لیکن مقدسی نے شرح نظم کنز میں لکھا کہ: "دن کے باعث اس غسل کا مسنون ہونا بعید نہیں کیونکہ یہ دن فضیلت رکھتا ہے یہاں تک کہ اگر یہ کہا کہ میری عورت کو سال کے سب سے افضل دن میں طلاق، تو روزِ عرفہ اس پر طلاق واقع ہوگی۔ اسے ابن ملک نے شرح مشارق میں ذکر کیا اھ اھ۔ **اقول** یہ خود صاحبِ درمختار ہیں جنہوں نے عرفہ کی شب میں غسل مسنون یعنی مستحب ہونے کی صراحت فرمائی اور تاتارخانیہ و قہستانی میں بھی اسے شمار کیا تو دن اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اسی لئے میں نے عرفہ کو وقوف سے الگ شمار کیا اسی طرح دخول منٰی کو رمی جمار سے الگ کیا تنویر اور شرح غزنویہ کی تبعیت میں جیسا کہ اس سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

ف: تطفل علی الدر

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲

[2] رد المحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۴

وکذا الدخول المدینة ولحضور مجمع الناس[1] الخ۔	اسی طرح مدینہ میں داخل ہونے اور لوگوں کے مجمع میں حاضر ہونے کے لئے سنت ہے الخ (ت)

ان سب میں نماز کے لئے وسیلہ ہونا کہاں کہ جنابت نہیں۔

رابعاً [ف۱] صرف وسیلہ ہی ہوکر مشروع ہوتا تو ایک بار کوئی فعل مقصود کرلینے کے بعد بھی تجدید مکروہ ہی رہتی کہ پہلا وضو جب تک باقی ہے تو وسیلہ باقی ہے تو دوبارہ کرنا تحصیل حاصل وبیکار واسراف ہے۔

خامساً بلکہ چاہئے [ف۲] تھا کہ شرع مطہر وضو میں تثلیث بھی مسنون نہ فرماتی کہ وسیلہ تو ایک بار دھونے سے حاصل ہوگیا اب دوبارہ سہ بارہ کس لئے۔

سادساً رزین [ف۳] نے عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ مرتین مرتین وقال ھو نور علی نور[2]۔	یعنی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو میں اعضائے کریمہ دو دو بار دھوئے اور فرمایا یہ نور پر نور ہے۔

ایک ہی بار کے دھونے میں نور حاصل تھا پھر دوبارہ اور سہ بارہ نور پر نور لینا فضول نہ ہوا تو اس پر اور زیادت کیوں فضول ہوگی حالانکہ انھیں رزین کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الوضوء علی الوضوء نورٌ علٰی نور[3]۔	وضو پر وضو نور پر نور ہے۔

سابعاً ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من توضأ علی طھر کتب لہ عشر	جو باوضو وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں

ف۱: تطفل رابعۃ علی الغنیۃ والقاری
ف۲: تطفل خامس علیہما
ف۳: تطفل سادس علیہما
ف۴: وضو پر وضو کے فضائل

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲
[2] مشکوٰۃ المصابیح باب سنن الوضوء الفصل الثالث قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۷
[3] کشف الخفاء حدیث ۲۸۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۳۰۳

حسنات[1] لکھی جائیں۔

مناوی نے تیسیر میں کہا: ای عشر وضوءات[2] یعنی دس بار وضو کرنے کا ثواب لکھا جائے۔

ظاہر ہے کہ حدیثوں میں فصل نماز وغیرہ کی قید نہیں تو مشائخ کرام کا اتفاق اور حدیث کریم کا اطلاق دونوں متوافق ہیں، اسی بنا پر سیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں محقق حلبی کا خلاف فرمایا، ردالمحتار میں ہے:

لکن ذکر سیدی عبد الغنی النابلسی ان المفھوم من اطلاق الحدیث مشروعیتہ ولو بلا فصل بصلٰوۃ او مجلس اٰخر ولا اسراف فیما ھو مشروع اما لو کررہ ثالثا اور ابعا فیشترط لمشروعیتہ الفصل بما ذکر والا کان اسرافا محضا اھ فتأمل[3] اھ۔

لیکن سیدی عبدالغنی نابلسی نے ذکر کیا ہے کہ اطلاقِ حدیث سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک بار وضو کے بعد اگر کسی نماز کی ادائیگی یا کسی مجلس کی تبدیلی سے فصل نہ ہوا تو بھی دوسری بار وضو جائز و مشروع ہے اور امر مشروع کے اندر صرف کرنے میں اسراف نہیں لیکن اگر تیسری یا چوتھی بار وضو کرے تو اس کی مشروعیت کے لئے مذکورہ امور میں سے کسی کے ذریعہ فصل کی شرط ہوگی ورنہ محض اسراف ہوگا اھ تو تأمل کرو اھ۔

اقول لکن[ف] اطلاق الحدیثین یشمل الثالث والرابع ایضا و ایضا اذا لم یکن اسرافا فی الثانی لم یکن فی

اقول لیکن دونوں حدیثوں کا اطلاق تو تیسری اور چوتھی بار کو بھی شامل ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جب دوسری بار میں اسراف نہ ہوا

ف: تطفل علی المولی النابلسی۔

---

[1] سنن ابی داود کتاب الطہارۃ باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدیث آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹

سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی الوضوء لکل صلٰوۃ حدیث ۵۹ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۲۲ و ۱۲۳

سنن ابن ماجہ 〃 باب الوضوء علی طہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من توضأ علی طہر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۴۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۱

الثالث والرابع وکان المولی النابلسی قدس سرہ القدسی نظر الی لفظ الوضوء علی الوضوء فهما وضوأن فحسب وکذلك من توضأ علی طهر۔ **اقول** ووهنه لایخفی فقوله تعالٰی وهنا علی وهن[1] لایدل ان هناك وهنین فقط وکان الشامی الی هذا اشار لقوله تأمل تأمل وسیأتی ماخذ کلام العارف مع الکلام علیه قریبا ان شاء اللّٰه تعالٰی۔

تو تیسری چوتھی بار میں بھی نہ ہوگا۔ شاید علامہ نابلسی قدس سرہٗ کی نظر لفظ وضوعلی الوضوء پر ہے کہ یہ صرف دو وضو ہوتے ہیں اور یہی حال اس کا ہے جس نے وضو ہوتے ہوئے وضو کیا۔ **اقول** اس خیال کی کمزوری مخفی نہیں، دیکھئے ارشادِ باری تعالٰی وھنا علی وھن (کمزوری پر کمزوری) یہ نہیں بتاتا کہ وہاں صرف دو ہی کمزوریاں ہیں شاید علامہ شامی نے لفظ "تأمل" سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے ــــ تأمل کرو ـــــ اور علامہ شامی نے سیدی العارف کے کلام کا جو حصہ ذکر نہیں کیا وہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی اس پر کلام کے ساتھ جلد ہی آئے گا۔(ت)

ثامنًا اقول حل[1] یہ ہے کہ جو وضو فرض ہے وہ وسیلہ ہے کہ شرط صحت یا جواز ہے اور شروط وسائل ہوتے ہیں مگر جو وضو[2] مستحب ہے وہ صرف ترتبِ ثواب کے لئے مقرر فرمایا جاتا ہے تو قصد ذاتی سے خالی نہیں اگرچہ اس سے عمل مستحب فیہ میں حُسن بڑھے کہ مستحب[3] کی یہی شان ہے کہ وہ اکمال سنن کے لئے ہوتا ہے اور اکمالِ سنن واجب اور واجب اکمال فرض۔

اقول اور فرض اکمال ایمان کے لئے اس سے ان کا غیر مقصود ہونا لازم نہیں آتا، خلاصہ وبزازیہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

الواجبات اکمال الفرائض والسنن اکمال

واجبات، فرائض کا تکملہ ہیں اور سنتیں واجبات

ف۱: تطفل سابع علی الغنیۃ والقاری۔

ف۲: مصنف کی تحقیق کہ جو وضو یا غسل مستحب ہے وہ وسیلہ محضہ نہیں خود بھی مقصود ہے۔

ف۳: مستحب سنت کی تکمیل ہے سنت واجب کی واجب فرض کی، فرض ایمان کی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

الواجبات والاداب اکمال السنن[1]۔ | کا تکملہ، اور آداب سنتوں کا تکملہ۔ (ت)

درمختار باب ادراک الفریضہ میں ہے:

یاتی بالسنۃ مطلقا ولوصلی منفردا علی الاصح لکونہا مکملات[2]۔ | سنت کی ادائیگی کا حکم مطلقاً ہے اگرچہ تنہا نماز پڑھے یہی اصح ہے اس لئے کہ سنتیں (فرائض و واجبات کی) تکمیل کرنے والی ہیں۔ (ت)

اُسی کی بحث تراویح میں ہے:

ھی عشرون رکعۃ حکمتہ مساواۃ المکمل للمکمل[3]۔ | تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مکمِّل، مکمَّل کے برابر ہوجائے۔ (ت)

(فجر سے وتر تک فرض و واجب کی کل بیس۲۰ رکعتیں ہیں تو ان کی تکمیل کرنے والی سنت تراویح کی بھی بیس رکعتیں ہیں ۱۲ م)

ولہذا ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ وضوئے بے نیت پر ثواب نہیں، بحرالرائق میں ہے:

اعلم ان النیۃ لیست بشرط فی کون الوضوء مفتاحا للصلٰوۃ قیدنا بقولنا فی کونہ مفتاحا لانہا شرط فی کونہ سببا للثواب علی الاصح[4]۔ | واضح ہو کہ وضو کے کلیدِ نماز بننے میں نیت شرط نہیں۔ کلیدِ نماز بننے کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ وضو کے سبب ثواب بننے میں برقولِ اصح نیت ضرور شرط ہے۔ (ت)

اور مستحب پر ثواب ہے تو وضوئے مستحب[ف] محتاجِ نیت ہوا اور وسائلِ محضہ محتاجِ نیت نہیں ہوتے۔

ف: مسئلہ وضوئے مستحب بے نیت ادا نہ ہوگا۔

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلٰوۃ الفصل الثانی واجبات الصلٰوۃ عشرۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۱
خزانۃ المفتین فرائض الصلٰوۃ و واجباتہا قلمی (فوٹو) ۱/ ۲۶

[2] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب ادراک الفریضۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۰
[3] " " باب الوتر والنوافل " ۱/ ۹۸
[4] البحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴

فتح القدیر و بحرالرائق میں ہے :

اذا لم ینو حتی لم یقع عبادۃ سببا للثواب فھل یقع الشرط المعتبر للصلٰوۃ حتی تصح بہ اولاً قلنا نعم لان الشرط مقصود التحصیل لغیرہ لا لذاتہ فکیف حصل حصل المقصود وصار کستر العورۃ و باقی شروط الصلٰوۃ لایفتقر اعتبارھا الی ان تنوی[1]

بے نیت وضو کرلیا جس کے باعث وہ عبادت و سببِ ثواب نہ بن سکا تو کیا اس (بے نیت وضو) سے نماز صحیح ہوجائیگی اور یہ اس وضو کی جگہ ہوجائیگی جس کی شرط نماز میں رکھی گئی ہے؟ ہم جواب دیں گے ہاں۔ اس لئے کہ شرط دوسری چیز کو بروئے کار لانے کے لئے مقصود ہے بذاتِ خود مقصود نہیں، تو یہ جیسے بھی حاصل ہو مقصود حاصل ہوجائے گا، جیسے سترِ عورت اور باقی شرائطِ نماز ہیں کہ ان کے قابلِ اعتبار ہونے کے لئے ان میں نیت ہونے کی ضرورت نہیں۔ (ت)

تو ثابت ہوا کہ وضوئے مستحب وسیلہ نہیں وھو المقصود والحمد للہ الودود۔

تاسعاً محقق حلبی کا یہ استناد کہ اکیلا سجدہ[ف1] (یعنی سجدۂ تلاوت و سجدۂ شکر کے سوا محض سجدۂ بے سبب) جبکہ عبادت مقصودہ نہ تھا تو علما نے اس پر حکم کراہت دیا تو وضوئے جدید کی کراہت بدرجۂ اولٰی۔

اقول خود محقق[ف2] رحمہ اللہ نے آخر غنیہ میں سجدۂ نماز و سہو و تلاوت و نذر و شکر پانچ سجدے ذکر کرکے فرمایا :

اما بغیر سبب فلیس بقربۃ ولا مکروہ[2] نقلہ عن المجتبٰی مقرا علیہ و

یعنی سجدۂ بے سبب میں نہ ثواب نہ کراہت۔ (غنیہ میں اسے مجتبٰی سے نقل کرکے برقرار رکھا

ف1 : مسئلہ سجدۂ بے سبب کا حکم

ف2 : تطفل ثامن علیہما

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵ و ۲۶
فتح القدیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل مسائل شتّٰی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۱۶ و ۶۱۷

نقله عن الغنية فی ردالمحتار ایضا واقر ھذا ھھنا واعتمد ذالك ثمه الا ان یحمل ماھنا علی کراھة التنزیه وما ثمه علی نفی المأثم ای کراھة التحریم فیتوافقان لکن یحتاج الحکم بکراھته ولو تنزیھا الی دلیل یفیدہ شرعا کما تقدم وھو لم یستند ھھنا الی نقل فاللّٰه تعالٰی اعلم۔

اور غنیہ سے اسے ردالمحتار میں بھی نقل کیا اور وضوء علی الوضوء کے بیان میں غنیہ کے قول (سجدۂ بے سبب کی کراہت) کو برقرار رکھا اور آخر باب سجدۂ تلاوت میں سجدۂ بے سبب کے غیر مکروہ ہونے پر اعتماد کیا مگر تطبیق یُوں ہوسکتی ہے کہ یہاں جو کراہت مذکور ہے وہ کراہت تنزیہ پر محمول ہو اور وہاں جو نفی کراہت ہے وہ نفی گناہ یعنی کراہت تحریم کی نفی پر محمول ہو لیکن کراہت کا حکم کرنے کے لئے اگرچہ کراہت تنزیہ ہی ہو کسی دلیل کی حاجت ہے جو شرعاً اس کی کراہت بتاتی ہو جیسا کہ یہ قاعدہ ذکر ہُوا اور یہاں انھوں نے کسی نقل سے استناد نہ کیا تو خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے (ت)

عاشرا^ف^ وباللّٰه التوفیق سجدہ سب سے زیادہ خاص حاضری دربار ملک الملوک عزجلالہٗ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب مایکون العبد من ربه وھو ساجد فاکثروا الدعاء، رواہ[1] مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ھریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔

سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں بندہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے تو اس میں دعا بکثرت کرو (اسے مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ف: تطفل تاسع علیھا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب مایقال فی الرکوع والسجود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۱
سُنن ابی داود " باب الدعاء فی الرکوع والسجود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۲۷
سُنن النسائی کتاب افتتاح الصلٰوۃ باب اقرب مایکون العبد من اللہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۷۱

اور دربارِ شاہی میں بے اذن حاضری جرأت ہے اور سجدہ بے سبب کے لئے اذن معلوم نہیں، ولہذا شافعیہ کے نزدیک حرام ہے کما صرح بہ الامام الاردبیلی الشافعی فی الانوار (جیسا کہ امام اردبیلی شافعی نے انوار میں اس کی تصریح کی۔ ت) اس بناء پر اگر سجدہ بے سبب مکروہ ہو تو وضو کا اس پر قیاس محض بلا جامع ہے۔

رہا علامہ شامی کا اُس کی تائید میں فرمانا کہ ہدیہ ابن عماد میں ہے:

قال فی شرح المصابیح انما یستحب الوضوء اذا صلی بالوضوء الاول صلٰوۃ کذا فی الشرعۃ والقنیۃ اھ وکذا ما قالہ المناوی فی شرح الجامع الصغیر عند حدیث من توضأ علی طہر ان المراد الوضوء الذی صلی بہ فرضا او نفلا کما بینہ فعل راوی الخبر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فمن لم یصل بہ شیئا لایسن لہ تجدیدہ اھ ومقتضی ھذا کراھتہ وان تبدل المجلس مالم یؤد بہ صلٰوۃ او نحوھا[1] اھ۔

شرح مصابیح میں فرمایا کہ وضو اُسی وقت مستحب ہے جب پہلے وضو سے کوئی نماز ادا کر لی ہو، ایسا شرعۃ الاسلام اور قنیہ میں ہے اھ۔ اسی طرح وہ بھی ہے جو علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں باوضو ہوتے ہوئے دس نیکیاں ملنے سے متعلق حدیث کے تحت فرمایا کہ مراد وہ وضو ہے جس سے کوئی فرض یا نفل نماز ادا کر چکا ہو جیسا کہ راویِ حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عمل سے اس کا بیان ظاہر ہوتا ہے تو پہلے وضو سے جس نے کوئی نماز ادا نہ کی ہو اس کے لئے تجدیدِ وضو مسنون نہیں اھ — اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مجلس بدل جائے تو بھی دوبارہ وضو مکروہ ہو جب تک کوئی نماز یا ایسا ہی کوئی عمل ادا نہ کرلے اھ۔ (ت)

اقول شرعۃ الاسلام میں اس کا پتا نہیں، اُس میں صرف اس قدر ہے:

التطہر لکل صلٰوۃ سنۃ النبی علیہ الصلٰوۃ والسلام[2]

ہر نماز کے لئے وضو کرنا نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی سنّت ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۱

[2] شرعۃ الاسلام مع شرح مصابیح الجنان فصل فی تفصیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲

ہاں سید علی زادہ نے اُس کی شرح میں مضمون مذکور شرح مصابیح سے نقل کیا اور اُس سے پہلے صاف تعمیم کا حکم دیا،

حیث قال فالمؤمن ینبغی ان یجدد الوضوء فی کل وقت وان کان علی طھر قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من توضأ علی طھر کتب لہ عشر حسنات، وقال فی شرح المصابیح تجدید الوضوء فی کل وقت انما یستحب اذا صلی بالوضوء الاول صلٰوۃ والا فلا[1]۔

ان کے الفاظ یہ ہیں: تو مومن کو چاہیے کہ ہر وقت تازہ وضو کرے اگرچہ باوضو رہا ہو، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے باوضو ہوتے ہوئے وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی — اور شرح مصابیح میں کہا کہ ہر وقت تجدید وضو مستحب ہونے کی شرط یہ ہے کہ پہلے وضو سے کوئی نماز ادا کرلی ہو، ورنہ نہیں۔

قلت وبہ ظھر ان قولہ کذا فی الشرعۃ ای شرحھا اشارۃ الی قولہ قال فی شرح المصابیح لا داخل تحت قال۔

قلت اسی سے ظاہر ہوا کہ ابن عماد کی عبارت "کذا فی الشرعۃ — ایسا ہی شرعۃ الاسلام یعنی اس کی شرح میں ہے" کا اشارہ ان کی عبارت "قال فی شرح المصابیح" (شرح مصابیح میں کہا) کی طرف ہے۔ یہ شرح مصابیح کے کلام میں شامل نہیں۔ (ت)

بہرحال اوّلاً [ف1] قنیہ کا حال ضعف معلوم ہے اور شرح شرعہ بھی مبسوط و نہایہ و عنایہ و معراج الدرایہ و کافی و فتح القدیر و حلیہ و سراج و خلاصہ و ناطفی میں کسی کے معارض نہیں ہوسکتی نہ کہ اُن کا اور اُن کے ساتھ اور کتب کثیرہ سب کے مجموع کا معارضہ کرے پھر اعتبار منقول عنہ کا ہے اور شرح مصابیح [ف2] شروحِ حدیث سے ہے معتمدات فقہ کا مقابلہ نہ کرے گی نہ کہ مسئلۂ اتفاق،

ف1: معروضۃ علی العلامۃ ش

ف2: کتب شروح حدیث میں جو مسئلہ کتب فقہ کے خلاف ہو معتبر نہیں۔

---

[1] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۳

علامہ مصطفیٰ رحمتی نے شرح مشارق ابن ملک کے نص صریح کو اسی بناء پر رد کیا اور اُسے اطلاقات کتب مذہب کے مقابل معارضہ کے قابل نہ مانا، اور خود علامہ شامی نے اُسے نقل کرکے مقرر رکھا۔

حیث قال علی قولہ لکن فی شرح المشارق لابن ملك لو وطئها وھی نائمة لایحلها للاول لعدم ذوق العسیلة، فیه ان ھذا الکتاب لیس موضوعا لنقل المذھب و اطلاق المتون والشروح یردہ و ذوق العسیلة للنائمة موجود حکما الا یری ان النائم اذا وجد البلل یجب علیه الغسل وکذا المغمی علیه[1] الخ۔

تفصیل یہ ہے کہ درمختار میں لکھا لیکن ابن ملک کی شرح مشارق میں ہے کہ اگر عورت سورہی تھی اور اس سے وطی کی تو شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی اس لئے کہ اس کے حق میں ذوق عسیلہ (مرد کے چھتے کا مزہ پانے) کی شرط نہ پائی گئی — اس پر علامہ رحمتی نے یہ اعتراض کیا: اس میں خامی یہ ہے کہ کتاب نقل مذہب کے لئے نہ لکھی گئی اور متون وشروح کے اطلاق سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور سونے والی کے لئے بھی مزہ پانے کی شرط حکماً موجود ہے کیا دیکھا نہیں کہ سونے والا تری پائے تو اس پر غسل واجب ہوجاتا ہے اسی طرح وہ بھی جو بیہوش رہا ہو۔ (ت)

ثانیاً[ف1] علامہ مناوی شافعی ہیں فقہ میں اُن کا کلام نصوص فقہ حنفی کے خلاف کیا قابل ذکر۔

ثالثاً[ف2] وہی مناوی اسی جامع صغیر کی شرح تیسیر میں کہ شرح کبیر کی تلخیص ہے اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

فتجدید الوضوء سنة مؤکدة اذا صلی بالاول صلوۃ ما[2]۔

تو تجدید وضوء سُنّتِ مؤکدہ ہے جب پہلے وضو سے کوئی بھی نماز ادا کرچکا ہو۔ (ت)

معلوم ہوا کہ لایسن سے ان کی مراد نفی سنت مؤکدہ ہے وصاحب الدار ادری (اور صاحبِ خانہ

ف1: معروضة اخری علیه

ف2: معروضة ثالثة علیه

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الرجعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۰

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من توضأ علی طہر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۴۱۱

کو زیادہ علم ہوتا ہے۔ ت) اور اس کی نفی مقتضی کراہت نہیں کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت)

وجہ دوم ایک جلسہ[1] میں وضو کی تکرار مکروہ ہے سراج وہاج میں اسے اسراف کہا تو قبل تبدل مجلس وضو علی الوضو کی نیت کیونکر کرسکتا ہے۔ یہ شبہہ بحرالرائق کا ہے کہ اُسی عبارتِ خلاصہ پر وارد فرمایا۔

اقول جس مسئلہ پر عبارتِ[2] سراج سے اعتراض فرمایا وہ خود سراج کا بھی مسئلہ ہے۔ ہندیہ میں ہے:

لو زاد علی الثلث لطمانینۃ القلب عند الشك او بنیۃ وضوء اُخر فلا باس به ھکذا فی النھایۃ والسراج الوھاج۔[1]

شک ہونے کے وقت اطمینان قلب کے لئے اگر تین بار سے زیادہ دھولیا یا دوسرے وضو کی نیت سے دھویا تو کوئی حرج نہیں، ایسا ہی نہایہ اور سراج وہاج میں ہے۔ (ت)

کیا کلامِ سراج خود اپنے مناقض ہے اور اگر ہے تو اُن کا وہ کلام احق باقبول ہوگا جو عامہ اکابر فحول کے موافق ہے یا وہ کہ اُن سب کے اور خود اپنے بھی مخالف ہے۔ لاجرم صاحب بحر کے برادر و تلمیذ نے نہر الفائق میں ظاہر کر دیا کہ سراج نے ایک مجلس میں چند بار وضو کو مکروہ کہا ہے دو بار میں حرج نہیں تو اعتراض نہ رہا۔ سراج وہاج کی عبارت یہ ہے:

لو تکرر الوضوء فی مجلس واحد مرارا لم یستحب بل یکرہ لما فیه من الاسراف اھ[2]

اگر ایک مجلس میں وضو چند بار مکرر ہو تو مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اسراف ہے اھ

ف[1]: مسئلہ بعض نے فرمایا ایک جلسہ میں دو بار وضو مکروہ ہے۔ بعض نے فرمایا دو بار تک مستحب اس سے زائد مکروہ ہے۔ اور مصنف کی تحقیق کہ احادیث وکلمات ائمہ مطلق ہیں اور ان تحدیدوں کا ثبوت ظاہر نہیں۔

ف[2]: تطفل علی البحر

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۷

[2] رد المحتار بحوالہ السراج الوہاج کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۱

وھذا ھو ماخذ ما قدمنا عن المولی النابلسی رحمہ اللہ تعالٰی۔

یہی اس کلام کا ماخذ ہے جو علامہ نابلسی رحمہ اللہ تعالٰی سے سابقًا ہم نے نقل کیا۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق وضوئے جدید میں کوئی غرض صحیح مقبول شرع ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو واجب کہ مطلقًا تجدید مکروہ وممنوع ہو اگرچہ ایک ہی بار' اگرچہ مجلس بدل کر' اگرچہ ایک نماز پڑھ کر کہ بیکار بہانا ہی اسراف ہے، اور اسراف ناجائز ہے۔ اور اگر غرض صحیح ہے مثلًا زیادت نظافت تو وہ غرض زیادت قبول کرتی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ایک ہی بار کی اجازت چاہئے اگرچہ مجلس بدل جائے کہ تبدیل مجلس نامتزاید کو متزاید نہ کردے گا، وہ کون سی غرض شرعی ہے کہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے تو قابلِ زیادت نہیں اور وہاں سے اُٹھ کر ایک قدم ہٹ کر بیٹھ جائے تو ازسرِ نو زیادت پائے۔ اور اگر ہاں تو کیا وجہ ہے کہ مجلس میں دوبارہ تکرار کی اجازت نہ ہو۔ بالجملہ جگہ بدلنے کو اسباب میں کوئی دخل نظر نہیں آتا تو قدم قدم ہٹ کر سو بار تکرار کی اجازت اور بے ہٹے ایک بار سے زیادہ کی ممانعت کوئی وجہ نہیں رکھتی۔ احادیث بیشک مطلق ہیں اور ہمارے ائمہ کا متفق علیہ مسئلہ بھی یقینًا مطلق اور ایک اور متعدد کا تفرقہ ناموجّہ، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

واشار فی الدر الی الجواب بوجہ اٰخر فقال لعل کراھۃ تکرارہ فی مجلس تنزیھیۃ[1] اھ ای فلا یخالف قولھم لو زاد بنیۃ وضوء اٰخر فلا باس بہ لان الکلمۃ غالب استعمالھا فی کراھۃ التنزیہ **اقول** ویبتنی علٰی ما اختارہ ان الاسراف مکروہ تحریما لان المستثنی اذا ثبتت فیہ کراھۃ التنزیہ فلو لم تکن فی المستثنی

درمختار میں ایک دوسرے طریقے پر جواب کی طرف اشارہ کیا، اس کے الفاظ یہ ہیں: شاید ایک مجلس کے اندر تکرار وضو کی کراہت تنزیہی ہو اھ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مان لینے سے ان کے اس قول کی مخالفت نہ ہوگی کہ "اگر دوسرے وضو کی نیت سے زیادتی کی تو کوئی حرج نہیں (فلا باس بہ) اس لئے کہ یہ کلمہ زیادہ تر کراہت تنزیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ **اقول** اس جواب کی بنیاد اس پہ ہے جو صاحبِ درمختار نے اختیار کیا کہ اسراف مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مستثنٰی میں جب کراہت

ف: تطفل علی السراج الوھاج والنھر والبحر۔

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

منه الا هي لم يصح الثنيا۔

تنزیہ ثابت ہوئی تو اگر مستثنیٰ منہ میں بھی یہی کراہت رہی ہو تو استثنا ہی درست نہ ہوا۔

فان قلت معها مسألة الزيادة للطمانينة عند الشك وقد حكموا عليهما بحكم واحد وهو لا باس به وهذه الزيادة مطلوبة قطعا لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم دع ما يريبك[1] فكيف يحمل على كراهة التنزيه۔

اگر یہ سوال ہو کہ اس کے ساتھ بوقت شک اطمینان کے لئے زیادتی کا مسئلہ بھی تو ہے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا گیا ہے کہ لاباس بہ (اس میں حرج نہیں) حالاں کہ یہ زیادتی تو قطعاً مطلوب ہے اس لئے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے شک کی حالت چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو شک سے خالی ہو تو اسے کراہت تنزیہ پر کیسے محمول کریں گے۔

قلت المعنى لا يمنع شرعا فيشمل المكروه تنزيها والمستحب هذا وردّه في رد المحتار اخذا من ط بانهم عللوه بانه نور على نور قال وفيه اشارة الى ان ذلك مندوب فكلمة لاباس ف وان كان الغالب استعمالها فيما تركه اولى لكنها قد تستعمل في المندوب كما في البحر من الجنائز والجهاد[2] اھ۔

قلت میں کہوں گا (لاباس بہ کا) معنی یہ ہوگا کہ شرعاً ممنوع نہیں تو یہ مکروہ تنزیہی اور مستحب دونوں کو شامل ہوگا یہ بات تو ہوگئی مگر ردالمحتار میں طحطاوی سے اخذ کرتے ہوئے درمختار کے جواب کی یہ تردید کی ہے کہ علماء نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ وہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ فرمایا: اس تعلیل میں اس کا اشارہ ہے کہ وہ مندوب ہے تو لفظ "لاباس" اگرچہ زیادہ تر اس میں استعمال ہوتا ہے جس کا ترک اولٰی ہے لیکن بعض اوقات مندوب میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ البحرالرائق کے بیان جنائز و جہاد میں ہے[2] (ت)

ف: کلمۃ لاباس لما ترکہ اولٰی وقد تستعمل فی المندوب۔

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشتبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۱

اقول الندب[1] لاینافی[2] الکراھة فلایبعد ان یکون مندوبا فی نفسه لما فیه من الفضیلة لکن ترکه فی مجلس واحد اولٰی قال فی الحلیة النفل لاینافی عدم الولایة اھ[1]. ذکرہ فی صفة الصلٰوۃ مسألة القراءۃ فی الاخریین وقال السید ط فی حواشی المراقی الکراھة لاتنافی الثواب افادہ العلامة نوح[2] اھ قاله فی فصل الاحق بالامامة مسألة الاقتداء بالمخالف۔

اقول ندب کراہت کے منافی نہیں تو بعید نہیں کہ بربنائے فضیلت فی نفسہٖ مندوب ہو لیکن ایک مجلس میں اس کا ترک اولٰی ہو۔ حلیہ میں لکھا ہے کہ نفل خلافِ اولٰی ہونے کے منافی نہیں اھ ــــ اسے صفۃ الصلوٰۃ کے تحت بعد والی دونوں رکعتوں میں قراءت کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے اور سید طحطاوی نے حواشی مراقی میں لکھا ہے کہ کراہت ثواب کے منافی نہیں علامہ نوح نے اس کا افادہ کیا اھ ــ یہ انھوں نے فصل احق بالامامۃ میں اقتدائے مخالف کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔

نعم یرد علیه ماذکرنا ان لااثر للمجلس فیما ھنا واللہ تعالٰی اعلم۔

ہاں اس پر وہ اعتراض وارد ہوگا جو ہم نے بیان کیا کہ "جگہ بدلنے کو اس باب میں کوئی دخل نہیں" ــــ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

وجہ سوم یہ سب کچھ سہی پھر تجدید وضو تو بعد تکمیل وضوئے اول ہو اثنائے وضو میں تجدید کیسی۔ یہ اعتراض علامہ علی قاری کا ہے کہ مرقاۃ موضع مذکور میں اصل مسئلہ دائرہ یعنی بہ نیت وضو علی الوضو تین بار سے زیادہ اعضا دھونے پر ایراد کیا۔

والٰی ھذا اشار ط اذقال علٰی قول الدر لقصد الوضوء علی الوضوء ظاھرہ ان نیة وضوء اٰخر متحققة فی الغرفة الرابعة او الخامسة

اور اسی اعتراض کی طرف سید طحطاوی نے اشارہ کیا، اس طرح کہ درمختار کی عبارت لقصد الوضوء علی الوضوء پر لکھا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ چوتھے یا پانچویں چُلّو میں دوسرے وضو کی نیت متحقق

ف۱: معروضة علی العلامة ش

ف۲: الندب لاینافی الکراھة

---

[1] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[2] حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلٰوۃ فصل فی بیان الاحق بالامامة دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۴

ولاكراهة والحديث يدل على غير هذا[1] اھ۔

ہو جاتی ہے اور کوئی کراہت نہیں ــــ مگر حدیث کچھ اور بتارہی ہے اھ۔

قلت وكانه الى هذا نظر العلامة البحر فزادعلى خلاف سائر المعتمدات قيد الفراغ من الاول وعزاه لاكثر شروح الهداية مع عدمه فيها ظنامنه رحمه الله تعالٰی انه هو المحمل المتعين لكلامهم فقال "وعلى الاقوال كلها لوزاد لطمانينة القلب عند الشك اوبنية وضوء اٰخر بعد الفراغ من الاول فلاباس به لانه نور على نور وكذا ان نقص لحاجة لاباس به كذا في المبسوط واكثر شروح الهداية[2] اھ۔

قلت شاید علامہ بحر نے اسی طرف نظر کرتے ہُوئے تمام کتب معتمدہ کے برخلاف "وضوئے اول سے فارغ ہونے" کی قید کا اضافہ کر دیا اور اسے اکثر شروحِ ہدایہ کی جانب منسوب کیا، جبکہ ان میں یہ بات نہیں۔ صاحبِ بحر رحمہ اللہ تعالٰی کا خیال ہے کہ ان شارحین کے کلام کا یہی مطلب متعین ہے۔ بحر کے الفاظ یہ ہیں: اور تمام اقوال پر اگر شک کی حالت میں اطمینان قلب کے لئے زیادہ کیا یا "پہلے وضو سے فارغ ہونے کے بعد" دوسرے وضو کی نیت سے زیادہ کیا تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ نورٌ علٰی نور ہے۔ یُوں ہی اگر کسی حاجت کی وجہ سے کمی کی تو کوئی حرج نہیں، ایسا ہی مبسوط اور اکثر شروحِ ہدایہ میں ہے اھ۔

ثم بعد هذا الحمل البعيد من كلامهم كل البعد تكلم فيه باتحاد المجلس كما تقدم "قال الا ان يحمل على ما اذا اختلف المجلس وهو بعيد كما لايخفى[3] اھ۔

پھر ان حضرات کے کلام سے یہ بالکل ہی بعید مطلب لینے کے بعد اس پر اتحادِ مجلس سے کلام کیا جو گزرا، آگے فرمایا: مگر یہ کہ مجلس بدل جانے کی صورت پر محمول ہو، اور وہ بعید ہے جیسا کہ مخفی نہیں اھ۔

ف: ثالث على البحر۔

[1] حاشية الطحطاوى على الدر المختار	كتاب الطهارة	المكتبة العربية كوئٹہ	١/ ٧٢
[2] البحر الرائق	"	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	١/ ٢٣
[3] "	"	"	"

اقول رحمك الله ورحمنا بك[1] اوليس ما حملتم عليه بعيدا فاين الزيادة على الثلث فی الغسلات من التجديد بعد انهاء الوضوء الاول.

اقول آپ پر خدا کی رحمت ہو اور آپ کے طفیل ہم پر بھی رحمت ہو۔ کیا آپ نے جو مطلب لیا وہ بعید نہیں؟ کہاں دورانِ وضو کسی عضو کو تین بار سے زیادہ دھونا اور کہاں پہلا وضو پورا کرنے کے بعد تازہ وضو کرنا (ان کے کلام میں وہ تھا اور آپ نے اس کا معنی یہ لیا دونوں میں کیا نسبت؟)

یہ اعتراض ضرور محتاج توجہ ہے۔

وانا **اقول** وباللہ استعین[2] (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی مدد کے ساتھ۔ ت) شَے کے اسباب[3] وشروط ہوں یا احکام وآثار اس کا ذکر اگرچہ مطلق ہو اُن سب کی طرف اشعار کہ مسبب ومشروط کا وجود بے سبب وشرط نہ ہوگا۔

ان عقلیا فعقلیا اوشرعیا فشرعیا کصلوۃ الظھر قبل الزوال او بدون نیۃ۔

اگر وُہ امرِ عقلی ہے تو اس کا وجود عقلی اور اگر شرعی ہے تو وجود شرعی بے سبب وشرط نہ ہوگا جیسے قبل زوال یا بے نیت، نماز ظہر کا وجود شرعی نہیں ہوسکتا (اول فقدان سبب کی مثال ہے دوم فقدان شرط کی ۱۲م)۔

نہ شَے اپنے احکام وآثار سے خالی ہوگی کہ یہ دونوں فریق دو طرف تقدم وتاخر ذاتی ہیں لوازم وجود شَے ہیں والشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ (اور شَے جب ثابت ہوتی ہے تو اس کے لوازم بھی ثابت ہوتے ہیں۔ ت)

تبیین الحقائق مسئلہ ذکاۃ الجنین میں ہے:

ای اذبحوہ وکلوہ وھذا مثل ما یروی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

یعنی اسے ذبح کرلو تب کھاؤ اور یہ اسی کے مثل ہے جو مروی ہے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] تطفل رابع علیہ
[2] تطفل عاشر علی الغنیۃ وثامن علی القاری وخامس علی البحر ومعروضۃ علی ط وغیرہم۔
[3] شَے اگرچہ مطلق ذکر کی جائے اپنے اسباب وشروط واحکام وآثار پر خود ہی دلالت کرے گی۔

اذن فی اکل لحم الخیل ای اذا ذبح لان الشیئ اذا عرف شروطہ وذکر مطلقا ینصرف الیہا کقولہ تعالٰی اقم الصلٰوۃ ای بشروطہا۔[1]

نے گھوڑوں کے گوشت کھانے کی اجازت دی یعنی جب ذبح کرلئے جائیں ــــ اس لئے کہ کسی شے کی شرطیں جب معروف ہوں اور اس کو مطلقاً ذکر کردیا جائے تو اس کا ان شرطوں کے ساتھ ہونا ہی مراد ہوگا جیسے باری تعالٰی کا ارشاد ہے نماز قائم کر یعنی اس کی شرطوں کے ساتھ۔(ت)

آب وضو دو قسم ہے: واجب[1] و مندوب[2]۔

واجب کا سبب معلوم ہے کہ اس چیز کا ارادہ جو بغیر اس کے حلال نہ ہو جیسے نماز یا سجدہ یا مصحف کریم کو ہاتھ لگانا۔

اور مندوب[ف1] کے اسباب کثیر ہیں ازانجملہ:

(۱) قہقہہ سے ہنسنا۔
(۲) غیبت کرنا۔
(۳) چغلی کھانا۔
(۴) کسی کو گالی دینا۔
(۵) کوئی فحش لفظ زبان سے نکالنا۔
(۶) جھوٹی بات صادر ہونا۔
(۷) حمد ونعت ومنقبت ونصیحت کے علاوہ کوئی دنیوی شعر پڑھنا۔
(۸) غصہ آنا۔
(۹) غیر عورت کے حُسن پر نظر۔
(۱۰) کسی کافر سے بدن چھو جانا اگرچہ کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو[ف2] جیسے قادیانی[عہ1]

ف۱: مسئلہ اُن بعض اشیاء کا بیان جن کے سبب وضو کی تجدید مطلقاً بالاتفاق مستحب ہوتی ہے خواہ ابھی اُس سے نماز وغیرہ کوئی فعل ادا کیا ہو یا نہیں، مجلس بدلی ہو یا نہیں، وضو پورا ہوا ہو یا نہیں، تجدید ایک بار ہو یا سو بار۔

ف۲: فائدہ ضروریہ: اُن دس فرقوں کا بیان جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور شرعاً مرتد ہیں۔

عہ۱: غلام احمد قادیانی کے پیرو جو اپنے آپ کو نبی ورسول کہتا اپنے کلام کو کلام الٰہی بتاتا سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دیتا، چار سو انبیاء کی پیشگوئی جھوٹی بتاتا، خاتم النبیین میں استثنا کی بخیہ لگاتا وغیرہ وغیرہ کفریات ملعونہ[12]۔

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/۴۶۵

یا چکڑالوی[ع۲] یا نیچری[ع۳] یا آج کل کے تبرائی رافضی[ع۴] یا کذابی[ع۵] یا بہائمی[ع۶] یا شیطانی[ع۷] یا خواتمی[ع۸] وہابی جن کے عقائد کفر کا بیان حسام الحرمین میں ہے یا اکثر غیر مقلد[ع۹] خواہ بظاہر مقلد وہابیہ کہ اُن عقائد ارتداد پر مطلع ہو کر

ع۲ یہ ایک نیا طائفہ ملعونہ حادث ہوا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی سے منکر ہے تمام احادیثِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو صراحۃً باطل و ناقابل بتاتا اور صرف قرآن عظیم کے اتباع کا ادعا رکھتا ہے اور حقیقۃً خود قرآن عظیم کا منکر و مبطل ہے، ان خبیثوں نے اپنی نماز بھی جُدا گھڑی ہے جس میں ہر وقت کی صرف دو ہی رکعتیں ہیں ۱۲۔

ع۳ یہ باطل طائفہ ضروریاتِ دین کا منکر ہے، قرآن عظیم کے معانی قطعیہ ضروریہ میں درپردہ تاویل و تحریف و تبدیل کرتا، وجود ملائکہ و آسمان و جن و شیطان و حشر ابدان و نار و جنان و معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے انھیں ملعون تاویلوں کی آڑ میں انکار رکھتا ہے ۱۲۔

ع۴ یہ ملاعنہ صراحۃً قرآن عظیم کو ناقص بتاتے اور مولیٰ علی و ائمۂ اطہار رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے افضل ٹھہراتے ہیں ۱۲۔

ع۵ یہ ملعون طائفہ اللہ تعالےٰ کو بالفعل جھوٹا بتاتا اور صاف کہتا ہے کہ وقوع کذب کے معنے درست ہو گئے ۱۲۔

ع۶ یہ گروہِ لعین ہر پاگل اور چوپائے کے لئے علمِ غیب مان کر صاف کہتا ہے کہ جیسا علم رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا ایسا تو ہر پاگل اور جانور کو ہوتا ہے ۱۲۔

ع۷ اس شیطانی گروہ کے نزدیک ابلیس لعین کا علم رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے زیادہ بلکہ بیشمار زیادہ ہے، ابلیس کی وسعتِ علم کو نص قطعی سے ثابت کہتا اور رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کو باطل بے ثبوت مانتا ہے اُن کے لئے وسعتِ علم میں خدا کا شریک جانتا ہے ۱۲۔

ع۸ یہ شقی گروہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کا صاف منکر ہے خاتم النبیین کے معنے میں تحریف کرتا اور بمعنی آخر النبیین لینے کو خیالِ جُہّال بتاتا یا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چھ یا سات مثل موجود مانتا ہے ۱۲۔

ع۹ یہ بدبخت طائفہ اُن ملعون ارتدادوں کو دفع تو کر نہیں کرسکتا بلکہ خوب جانتا ہے کہ اُن سے دفع ارتداد ناممکن ہے مگر اُن مرتدوں کو پیشوا و ممدوح دینی ماننے سے بھی باز نہیں آتا اللہ جل وعلا و رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل اُن کی حمایت پر تُلا ہوا ہے، اللہ جل وعلا و رسول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو گالیاں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اُن کو عالم دین وعمدہ مسلمین کہتے یا اللہ و رسول کے مقابل اللہ و رسول کو گالیاں دینے والوں کی حمایت کرتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دینا بہت ہلکا جانتا ہے مگر ان دشنام دہندوں کا حکم شرعی بیان کرنے کو گالیاں دینا کہتا اور بہت سخت بُرا مانتا ہے اور از انجا کہ اُن صریح ارتدادوں کی حمایت سے قطعاً عاجز ہے باوصف ہزاروں تقاضوں کے اُن کا نام زبان پر نہیں لاتا اور براہِ گریز خدا و رسول جل وعلا وصلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی جناب میں اُن صریح گالیوں کو بالائے طاق رکھ کر سہل اختلاف مسئلہ عطائے بعض علوم غیبیہ کی طرف بحث کو پھیرنا چاہتا ہے پھر اس میں بھی افترا و اختراع سے کام لیتا ہے اور اصل مقصود صرف اتنا کہ وہ قہر عظیم والی دشنامہائے خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھول میں پڑجائیں اور بات آئیں وآں کی طرف منتقل ہو، اس چالاکی کا موجد امرتسر کے پرچہ اہلحدیث کا ایڈیٹر ہے دیکھو چابک لیث اور ظفر الدین الطیب اور کین کش پنجہ پیچ وغیرہا یہ چالاک پرچہ ٢٦ جمادی الاولےٰ ١٣٢٦ھ میں حسام الحرمین کا ذکر منہ پر لایا مگر یوں کہ براہِ عیاری اُس کے تمام مقاصد سے دامن بچا کر دو بالائی باتوں امکانِ کذب وعلمِ غیب کو اس کا مبنائے بحث ٹھہرایا، پھر اُن میں بھی امکانِ کذب کو الگ چھوڑ کر صرف علمِ غیب میں اپنی بعض فاحش جہالتیں دکھائیں جن کا رَد بارہا ہوچکا، اسی پرچہ کے رَد میں چابک لیث بر اہل حدیث دو مجلد میں ہے، پھر ٣٠ جولائی و ٢٠ اگست سنہ ٩ کے پرچوں میں وُہی انداز کہ اللہ و رسول جل وعلا وصلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی جناب میں گالیاں شیر مادر۔ قاہر مناظروں کے جواب سے گنگ وکر۔ اور اغوائے عوام کو مناظرہ کا نام زبان پر آمسکے رَد میں ظفر الدین الطیب چھاپ کر بھیج دیا، انتالیس ٣٩ رات بعد پرچہ ٢٩ رمضان میں اُس کے دیکھنے کا اقرار تو کیا مگر چال وہی کہ اُس کے تمام اعتراضات سے ایک کا بھی جواب نہ دیا اور ایک بالائی لطیفہ جو لفظ تردید کے متعلق لکھا تھا صرف اُس کے ذکر پر اکتفا کیا کہ میری اُردو دانی پر بھی اعتراض ہے۔ اے سبحٰن اللہ اور وُہ جو آپ کے دعوٰی ایمان پر قاہر اعتراض ہیں وہ کیا ہوئے، وہ جو ثابت کیا تھا کہ تم نے محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر جتنا افترا اٹھایا اور اس پر تمہاری حدیث دانی سے بارہ ١٢ سوال تھے وہ کدھر گئے۔ خیر اس کے جواب میں رسالہ کین کش پنجہ پیچ بر ایڈیٹر اے ایچ رجسٹری شدہ بھیجا، آج پچپن ٥٥ دن ہوئے اس کا بھی ذکر غائب۔ مگر بکمال حیا بعد کے بعض پرچوں میں وہی رٹ موجود، خدا جانے ان صاحبوں کے نزدیک مناظرہ کس شے کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف: ایڈیٹر اہل حدیث امرتسر کی بار بار گریز وفرار پر فرار اور عوام کے بہکانے کو نام مناظرہ کی عیارانہ پکار۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نام ہے۔ آن سے سیکھ کر یہی چال ایک گمنام صاحب چاندپوری دیوبندی دربھنگی چلے۔ دشنامی اکابر جن کے رَد میں پینتیس ۳۵ سال سے بکثرت رسائل آستانہ علیہ رضویہ سے شائع ہو رہے ہیں اور اُن کو خود اقرار ہے کہ آج تک ایک پرچہ کا جواب نہ دے سکے بلکہ بڑے بڑوں نے مناظرہ سے عجز کا صاف صاف اقرار کیا بلکہ لکھ دیا (دیکھو رسالہ دفع زیغ و رسالہ البطش غیب) اب ان کی حمایت میں جھے ہُوئے مناظرے یونہی چھوڑ کر یہ دربھنگی صاحب سوال علے السوال لے کر چلے اور ایک بے معنی رسالہ بنام اسکات المعتدی چھاپا اور بعنایتِ الٰہی خود بھی اس رسالے میں صاف اقرار کر دیا کہ اُن کے تمام اکابر آج تک لاجواب ہیں۔ یہ رسالہ یہاں ۹ شعبان کو پہنچا اور ۲۰ شعبان کو اس کا رَد ظفرالدین الطیب چھپا ہوا تیار تھا کہ اُسی دن جلسہ مدرسہ اہلسنت میں شائع کر دیا اور ۲۱ شعبان کو اُن کے سرآمد کے پاس رجسٹری شدہ اور اتباع کے یہاں نام بنام بھیج دیا ساٹھ ۶۰ رات کے بعد دربھنگی صاحب بولے تو یہ بولے کہ رسالہ کسی کو بھیجا ہی نہیں اور ایک خط اُسی چالاکی پر مشتمل بھیجا کہ صرف دو ۲ مسئلہ امکانِ کذب و علم غیب میں اختلاف ہے وبس یعنی وہ شدید شدید گالیاں کہ اُن کے اکابر نے اللہ و رسول جل و علا و صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو لکھ لکھ کر چھاپیں اصلاً کوئی قابل پرواہ بات نہیں۔ اس خط کے جواب میں معاً دو ۲ رسالے تصنیف ہو کر رجسٹری شدہ اُن کے پاس روانہ ہوئے، اول بارش سنگی، دوسرا پیکان جانگداز بر جانِ مکذبانِ بے نیاز، اس دوسرے میں گریز والے صاحبوں کی وہ ہوس بھی پوری کر دی یعنی مسئلہ امکانِ کذب و علم غیب ہی میں مناظرہ تازہ کر دیا۔ رجسٹری رسید طلب تھی ڈاک کی رسید تو آئی مگر آج پچاس ۵۰ دن ہوئے وہ بھی سو رہے حالانکہ ان کو صرف دس ۱۰ دن کی مہلت تھی۔

مسلمانو! للہ انصاف! یہ ان مدعیانِ دین و دیانت کی حالت ہے مُنہ بھر کر اللہ و رسول جل وعلا و صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو سخت سخت گالیاں دیں، پھر جب مسلمان اس پر مواخذہ کریں جواب نہ دیں، سوالات جائیں جواب غائب، رسائل جائیں جواب غائب، رجسٹریاں جائیں جواب غائب، مناظرہ سے اپنا عجز صاف صاف لکھ دیں، اپنے اکابر کا لاجواب ہنا قبول کریں چھاپ دیں، اور پھر عوام کے بہکانے کو مناظرہ مناظرہ کی پکار، اُس پکار پر جو گرفت ہو اُس کے جواب سے پھر فرار اور وہی پکار، اس حیا کی کوئی حد ہے۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ہیں، ان دسوں طائفوں اور ان کے امثال سے مصافحہ کرنا خود ہی حرام قطعی وگناہِ کبیرہ ہے اگر بلاقصد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اذا لم تستحی فاصنع ماشئت[1] جب تجھے حیا نہ ہو تو جو چاہے کر۔ ت

بیحیا باش و ہرچہ خواہی کن

(بیحیا ہو جا پھر جو چاہے کر۔ ت)

ہاں ہاں اے اللہ و رسول (جل وعلا و صلے اللہ تعالے علیہ وسلم) کو گالیاں دینے والو! کیا مسلمان اللہ و رسول (جل وعلا و صلے اللہ تعالے علیہ وسلم) سے معاذ اللہ ایسے بے علاقہ ہو گئے کہ تم انھیں گالیاں لکھ لکھ کر چھاپو اور وہ بے پرواہی کر کے ٹال دیں۔ نہیں نہیں ضرور تمھیں دو باتوں سے ایک ماننی ہو گی یا تو خدا توفیق دے اُن گالیوں سے صراحۃً توبہ کرو جس طرح اُن کی اشاعت کی اُن سے صاف صاف اپنی توبہ اور اپنے حکم دشنام کا اعتراف چھاپو یا اُن تمام رسائل و کتب کا جواب دو، جواب دو، جواب دو۔ اس کے سوا تمھارے حیلے حوالے ٹالے بالے ہرگز نہ سُنے جائیں گے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[2] ۝ (اور اب جان جائیں گے ظالم کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ ت) ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۱۲ منہ عبدہ محمد ظفر الدین قادری غفرلہٗ۔

ف ان تمام مرتد طوائف کا رد کافی وشافی کتاب مستطاب المعتمد المستند و کتاب لاجواب حسام الحرمین و کتاب کامل النصاب تمہید ایمان بآیات قرآن و ظفر الدین الجید و ظفر الدین الطیب وغیرہا میں ملاحظہ ہو سوا فرقہ چکڑالویہ کے کہ تالیف المعتمد المستند تک اس کا کوئی تذکرہ ان بلاد میں نہ آیا تھا، یہ کتابیں بریلی مطبع اہل سنت و جماعت کے پتے سے مولوی حکیم حسین رضا خاں صاحب سلمہ سے مل سکتی ہیں۔ المعتمد المستند عربی زبان میں ۲۳۲ صفحہ پر قیمت (عہ) تمہید ایمان بآیات قرآن

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف: اُن نفیس اسلامی کتابوں کے نام جن سے ایمان تازہ ہو اور مرتدوں کی چالاکیوں کا حال کھلے۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷ و ۲۳۸
[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

بھی اُن کے بدن سے بدن چھُو جائے تو وضو کا اعادہ مستحب ہے۔

(۱۱) ناخن سے کہنی تک اپنے ہاتھ کا کوئی حصہ گرچہ کھُجانے میں اگرچہ بھُولے سے بلاحائل اپنے ذکر کو لگ جانا۔

(۱۲) ہتھیلی یا کسی اُنگلی کا پیٹ اپنے یا پرائے ستر غلیظ یعنی ذکر یا فرج یا دُبر کو بے حائل چھُوجانا اگرچہ وہ دوسرا آدمی کتنا ہی چھوٹا بچہ یا مُردہ ہو۔

(۱۳) نامحرم عورت کے کسی حصہ جلد سے اپنا کوئی حصہ جلد بے حائل چھُوجانا اگرچہ اپنی زوجہ ہو اگرچہ عورت مُردہ یا بُڑھیا ہو اگرچہ نہ قصد ہو نہ شہوت، چاہے لذت نہ پائے، جبکہ وہ عورت بہت صغیرہ چار پانچ برس کی بچی نہ ہو۔

(۱۴) اگر اُس چھُوجانے سے لذت آئی تو نامحرم کی بھی قید نہیں، نہ جِلد کی خصوصیت، نہ بے حائل کی ضرورت، مثلاً رقیق یا متوسط حائل کے اوپر سے اپنی بہن یا بیٹی کے بال سے مَس ہوجانے پر اتفاقاً لذت کا آجانا جبکہ عورت قابلِ لذت ہو اور حائل بہت بھاری مثل رضائی وغیرہ کے نہ ہو۔

(۱۵) نامحرم عورت قابلِ لذت کو بقصدِ شہوت چھُوجانا اگرچہ حائل کتنا ہی بھاری ہو اگرچہ اپنی زوجہ ہو اگرچہ لذت نہ پائے مثلاً لحاف کے اوپر سے اُس کے بالوں پر ہاتھ رکھنا۔

اور ان کے سوا اور بہت صورتیں ہیں، اور ایک اصل کُلی یہ ہے کہ جس بات سے کسی اور امام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں صرف آیاتِ قرآنیہ سے بتایا ہے کہ ایمان کے یہ معنی ہیں اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی تعظیم ومحبت ایسی ہو تو مسلمان ہے اللہ ورسول (جل وعلا وصلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم) کو گالیاں دینا کفر ہے۔ ایسوں کے کفر میں جو خود یہ لوگ اور آج کل کے بعض آزاد خیال والے حیلے حوالے نکالتے ہیں نہایت سلیس ومہذب بیان میں قرآن مجید سے اُن کا جواب ہے، یہ وُہ کتاب ہے جس کا دیکھنا ہر مسلمان کو نہایت ضروری ہے۔ حسام الحرمین میں اکابر علمائے حرمین شریفین کی مُہری تصدیقات وفتاوٰی ہیں جن میں اُن دشنام دہندوں کا حکم شرعی مدلل ہے اُس کا مطالعہ پکّا مسلمان بناتا ہے، دونوں کا مجموعہ ۱۵ جز ہے۔ ہدیہ صرف ۱۰؍ اور یکم محرم ۱۳۲۸ھ سے ۱۲ ربیع الاول تک آٹھ ہی آنے (۸؍) ظفر الدین الجید و ظفر الدین الطیب اُن دشنامیوں کے فرار اور عیاریوں کے اظہار میں، حجم سوا دو جز قیمت (۱؍) مسلمان اپنا دینی فائدہ حاصل کریں وباللہ التوفیق ۱۲ منہ سید عبدالرحمٰن عفاعنہ ۲ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۸ھ۔

مجتہد کے مذہب میں وضو جاتا رہتا ہے اُس کے وقوع سے ہمارے مذہب میں اعادہ وضو مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

الوضوء مندوب فی نیف وثلثین موضعا ذکرتہا فی الخزائن منہا بعد کذب و غیبۃ وقہقہۃ وشعر و اکل جزور وبعد کل خطیئۃ وللخروج من خلاف العلماء اھ[1]۔

وضو تیس[30] سے زیادہ مقامات میں مستحب ہے' ان سب کا ذکر میں نے خزائن میں کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: جھوٹ[1]، غیبت[2]، قہقہہ[3]، شعر[4]، اونٹ[5] کا گوشت کھانے کے بعد' اور ہر گناہ[6] کے بعد' اور اختلافِ[7] علماء سے نکلنے کے لئے اھ (ت)

اقول والحقت النمیمۃ لانہا کالغیبۃ او اشد ثم رأیتہا فی میزان الامام الشعرانی وغیرہ والحقت الفحش لانہ اخبث من الشعر و ربما یدخل فی قولہ خطیئۃ والشتم لانہ اخبث واخنع ثم رأیت التصریح بہ فی انوار الشافعیۃ۔

اقول میں نے چغلی[8] کو بھی شامل کیا اس لئے کہ وہ غیبت ہی کی طرح ہے یا اس سے بھی سخت، پھر میں نے میزانِ امام شعرانی وغیرہ میں اس کا ذکر دیکھا۔ اور فحش[9] کو میں نے شامل کیا اس لئے کہ وُہ شعر سے زیادہ بُرا ہے، اور یہ درمختار کے لفظ "ہر گناہ" کے تحت آسکتا ہے۔ اور گالی[10] دینے کو شامل کیا اس لئے کہ یہ اور بدتر اور فحش تر ہے پھر انوارِ شافعیہ میں مَیں نے اس کی تصریح دیکھی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

منہا لغضب ونظر لمحاسن امرأۃ وبعد کذب وغیبۃ لانہما من النجاسات المعنویۃ ولذا یخرج

ان اسباب میں چند یہ ہیں، غصہ[11] آنا، کسی عورت کے حسن[12] پر نظر، اور جھوٹ اور غیبت کے بعد اس لئے کہ یہ دونوں معنوی نجاستیں ہیں اس لئے کہ جھوٹ

ف: جھوٹ اور غیبت معنوی نجاست ہیں ولہذا جھوٹے کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ حفاظت

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۷، ۱۸

من الکاذب نتن یتباعد منہ | بولنے والے سے ایسی بدبو اٹھتی ہے جس سے محافظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے فرشتے اُس وقت اُس کے پاس سے دُور ہٹ جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور اسی طرح ایک بدبو کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہ ان کے منہ کی سڑاندھ ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں، اور ہمیں جو جھُوٹ یا غیبت کی بدبو محسوس نہیں ہوتی اس کی یہ وجہ ہے کہ ہم اس سے مالوف ہوگئے ہماری ناکیں اس سے بھری ہوئی ہیں جیسے چمڑا پکانے والوں کے محلہ میں جو رہتا ہے اسے اس کی بدبو سے ایذا نہیں ہوتی دوسرا آئے تو اس سے ناک نہ رکھی جائے انتہی۔

مسلمان اس **نفیس فائدے** کو یاد رکھیں اور اپنے رب سے ڈریں جھوٹ اور غیبت ترک کریں، کیا معاذ اللہ مُنہ سے پاخانہ نکلنا کسی کو پسند ہوگا باطن کی ناک کھُلے تو معلوم ہو کہ جھوٹ اور غیبت میں پاخانے سے بدتر سڑاندھ ہو — رہیں وہ حدیثیں جن کی طرف علامہ شامی نے اشارہ کیا۔ جامع ترمذی میں بسند حسن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کذب العبد کذبۃ تباعد الملک عنہ میسرۃ میل من نتن ماجاء بہ[1] رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الصمت وابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء[2] عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب کوئی شخص جھُوٹ بولتا ہے اس کی بدبُو کے باعث فرشتہ ایک میل مسافت تک اُس سے دُور ہوجاتا ہے (کتاب الصمت میں ابن ابی الدنیا اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ ت)

امام احمد بسند صحیح جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہم خدمت اقدس حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے کہ ایک بدبُو اُٹھی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اتدرون ماھذہ الریح، ھذہ	جانتے ہو کہ یہ بدبو کیا ہے، یہ ان کی بدبو ہے جو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ حدیث ۱۹۷۹ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۲
[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ عبد العزیز بن ابی رواد ۳۰۰ حدیث ۱۱۹۱۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۸/ ۲۱۴

الملك الحافظ کما ورد فی الحدیث وکذا اخبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ریح منتنۃ بانہا ریح الذین یغتابون الناس والمؤمنین ولالف ذٰلک منا وامتلاء انوفنا منہا لاتظہر لنا کالساکن فی محلۃ الدباغین وقہقہۃ لانہا لما کانت فی الصلٰوۃ جنایۃ تنقض الوضوء اوجبت نقصان الطہارۃ خارجہا فکان الوضوء منہا مستحبا کما ذکرہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی نہایۃ المراد علٰی ھدیۃ ابن العماد وشعر ای قبیح وللخروج من خلاف العلماء کمس ذکرہ وامرأۃ[1] اھ ملتقطا۔

فرشتہ دور ہٹ جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بدبُو سے متعلق بتایا کہ یہ ان کی بدبو ہے جو لوگوں کی اور مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔ چوں کہ ہمیں ان سے الفت ہوگئی ہے اور ہماری ناکیں ان سے بھری ہُوئی ہیں اس لئے یہ ہمیں محسوس نہیں ہوتیں جیسے چمڑا پکانے والوں کے محلہ میں رہنے والے کا حال ہوتا ہے ۔۔۔ اور قہقہہ، اس لئے کہ جب یہ اندرونِ نماز ایسا جُرم ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو بیرونِ نماز اس سے وضو میں نقص آجائے گا اس لئے اس سے وضو مستحب ہوا، جیسا کہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے "نہایۃ المراد علٰی ہدیۃ ابن العماد" میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور شعر یعنی بُرا شعر، اور اختلافِ علما سے نکلنے کے لئے جیسے اپنے ذکر یا کسی عورت کا چُھوجانا اھ ملتقطا (ت)

میزان امام شعرانی قدس سرہ الربانی میں ہے:

سمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ

میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالٰی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ریح الذین یغتابون المؤمنین[2] رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الغیبۃ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ غفرلہ۔

مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں ۔۔۔ (اس کو ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبت میں روایت کیا ہے اللہ ان سے راضی ہو ۱۲ منہ غفرلہ۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۱

[2] مسند احمد بن حنبل عن جابر بن عبداللہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۳۵۱

تعالیٰ یقول وجه من نقض الطھارۃ بالقھقھة اونوم الممکن ف۱ مقعدہ اومس ف۲ الابط الذی فیه صنان اومس ف۳ ابرص اوجذم اوکافر اوصلیب ف۴ اوغیر ذٰلك مما وردت فیه الاخبار الاخذ بالاحتیاط، قال وجمیع النواقض متولدۃ من الاکل ولیس لنا ناقض من غیر الاکل ابدا فلو لا الاکل والشرب ما اشتھینا لمس النساء ولا تکلمنا بغیبة ولا نمیمة اھ بالالتقاط۔

سنا کہ قہقہہ، سرین زمین پر جمائے ہوئے سوجانا، بدبودار بغل چھُوجانا، برص یا جذام والے، یا کافر یا صلیب کا مس ہونا اور ایسے ہی امور جن میں احادیث وارد ہیں ان سب سے وضو ٹوٹنے کی وجہ احتیاط اختیار کرنے کو بتایا گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: تمام نواقض وضو کھانے سے پیدا ہونے والے ہیں اور ہمارے لئے غیر اکل سے کوئی ناقض نہیں۔ اگر کھانا پینا نہ ہوتا تو عورتوں کے چھونے کی ہم میں شہوت بھی نہ ہوتی نہ ہی غیبت اور چغلی ہماری زبان پر آتی اھ بالالتقاط۔ (ت)

کتاب الانوار امام ابو یوسف اردبیلی میں ہے:

لاینتقض بالکذب والشتم والغیبة والنمیمة ویستحب فی الکل للخلاف[2]۔

جھُوٹ، گالی دینے، غیبت، چغلی سے وضو نہیں ٹوٹتا اور مستحب ان سب میں ہے کیوں کہ محلِ اختلاف ہے۔ (ت)

فتح المعین بشرح قرۃ العین للعلامۃ زین الشافعی تلمیذ ابن حجر المکی میں ہے:

ف۱: مسئلہ سوتے میں دونوں سرین زمین پر جمے ہوں تو وضو نہیں جاتا مگر اعادہ وضو مستحب جب بھی ہے۔

ف۲: مسئلہ بغل کھُجانے سے وضو مستحب ہے جبکہ اُس میں بدبُو ہو۔

ف۳: مسئلہ جذامی یا برص والے سے مَس کرنے میں بھی تجدید وضو مستحب ہے۔

ف۴: مسئلہ صلیب جسے نصارٰی پُوجتے ہیں اور ہنود کے بُت وغیرہ کے چھُونے سے بھی نیا وضو چاہیے۔

---

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی باب اسباب الحدث دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۴۵

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب الطہارۃ فصل اسباب الحدیث مطبع جمالیہ مصر ۱/۲۹

یندب الوضوء من لمس یہودی ونظر بشہوۃ ولو الی محرم و تلفظ بمعصیۃ وغضب۔[1]

یہودی کو چھو جانے، شہوت سے نظر کرنے ۔ اگرچہ محرم ہی کی طرف ہو ۔ معصیت کی بات زبان پر لانے، اور غصّہ سے وضو مستحب ہے ۔

رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ میں ہے :

اتفقوا علی ان من مس فرجہ بعضو غیر یدیہ لا ینتقض وضوءہ واختلفوا فیمن مس ذکرہ بیدہ فقال ابوحنیفۃ لا مطلقا والشافعی ینتقض بالمس بباطن کفہ دون ظاہرہ من غیر حائل بشہوۃ او بغیرھا والمشہور عند احمد انہ ینتقض بباطن کفہ وبظاہرہ۔[2]

اس پر اتفاق ہے کہ جو اپنی شرمگاہ ہاتھ کے علاوہ کسی عضو سے چھو دے اس کا وضو نہ ٹوٹے گا اور اس کے بارے میں اختلاف ہے جس نے اپنا ذکر ہاتھ سے چھو دیا امام ابوحنیفہ نے فرمایا : مطلقاً نہ ٹوٹے گا ۔ امام شافعی نے فرمایا : پشتِ دست سے چھو دے تو نہ ٹوٹے گا اور اگر ہتھیلی کے پیٹ سے بغیر کسی حائل کے شہوت کے ساتھ یا بلاشہوت چھو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا ۔ اور امام احمد کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ہتھیلی کے باطن و ظاہر کسی طرف سے بھی چھو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا ۔ (ت)

میزان میں ہے :

وجہ من نقض الطہارۃ بلمس الذکر بظہر الکف او بالید الی المرفق فہو الاحتیاط لکون الید تطلق علی ذلک کما فی حدیث اذا افضی احدکم بیدہ الی فرجہ ولیس بینہما ستر ولا حجاب فلیتوضأ۔[3]

ہتھیلی کی پشت سے یا کہنی تک ہاتھ کے کسی حصے سے وضو ٹوٹنے کی وجہ احتیاط کو بتایا گیا ہے اس لئے کہ ہاتھ کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے : جب تم میں کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرم گاہ تک پہنچا دے اور دونوں میں کوئی پردہ اور حائل نہ رہ جائے تو وہ وضو کرے ۔ (ت)

---

[1] فتح المعین شرح قرۃ العین بیان نواقض الوضوء عامر الاسلام پور پریس کیرص ص ۲۴ و ۲۵

[2] رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ باب اسباب الحدث دولۃ قطر ص ۱۳

[3] میزان الشریعۃ باب اسباب الحدث دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۴۲

انوارِ ائمہ شافعیہ میں ہے :

اسباب الحدث اربعۃ الرابع مس فرج ادمی بالراحۃ اوبطن اصبع قبلاکان اودبرا ناسیا اوعامدا من ذکراوانثی صغیرااوکبیرحی اومیت من نفسہ اوغیرہ ولومس برؤس الاصابع او بمابینہا ممالایلی بطن الکف او بحروف الکفین او مس انثییہ او الیتیہ او عجانہ اوعانتہ لم ینتقض[1]

حدث کے اسباب چار ہیں، چوتھا کسی انسان کی شرمگاہ کا مس ہوجانا ہتھیلی سے یا انگلی کے پیٹ سے، آگے کی شرمگاہ ہو یا پیچھے کی، بھُول کر ہو یا قصدًا، مرد کی ہو یا عورت کی، چھوٹا ہو یا بڑا، زندہ یا مُردہ، اپنی شرمگاہ ہو یا دوسرے کی۔ اور اگر انگلیوں کے سروں سے مَس ہوجائے یا انگلیوں کے ان درمیانی حصوں سے جو بطنِ کف سے ملے ہوئے نہیں ہیں، یا ہتھیلیوں کے کناروں سے مس ہو یا انثیین کو یا سرینوں کو یا خصیتین اور دُبر کے درمیان کے حصے کو یا پیڑو کو چھو دے تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ (ت)

اُسی میں ہے :

الثالث لمس بشرۃ المرأۃ الکبیرۃ الاجنبیۃ بلاحائل فان لمس شعرااوسنااوظفرا اوبالشعر اوالسن او الظفر اوصغیرۃ لاتشتھی اومحرما بنسب اورضاع اومصاھرۃ اوکبیرۃ اجنبیۃ مع حائل وان رق ولوبشھوۃ لم ینتقض ولولمس امراتہ اوامتہ اومیتۃ اوعجوزۃ فانیۃ او بلاشھوۃ او بلا قصد انتقض واذا کانت المرأۃ فوق سبع

تیسرا اجنبی قابلِ شہوت عورت کی جلد کا بغیر حائل چھُوجانا ___ اگر بال یا دانت یا ناخن کو مس کیا یا بال یا دانت یا ناخن سے مَس کیا یا عورت اتنی چھوٹی ہے کہ قابلِ شہوت نہیں، یا نسب یا رضاعت یا مصاہرت کسی سبب سے وہ محرم ہے یا بڑی اجنبیہ ہے مگر کوئی حائل درمیان ہے اگرچہ باریک ہو اگرچہ شہوت کے ساتھ ہو، تو وضو نہ ٹوٹے گا اور اگر اپنی بیوی یا باندی یا مری ہوئی یا فانیہ بڑھیا کو مَس کیا یا بے شہوت یا بے ارادہ مس کیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور

---

[1] الانوار لاعمال الابرار کتاب الطہارۃ فصل اسباب الحدث مطبع جمالیہ مصر ۱/۳۱

سنين فلاشك فی انتقاض الوضوء بلمسها و اما اذا کانت دون ست سنين فاصحابنا خرجوا علی قولين المذهب انه لاينتقض[1]

جب سات سال سے زیادہ کی ہو تو اس کے چھُونے سے وضو ٹوٹنے میں کوئی شک نہیں اور اگر چھ سال سے کم کی ہو تو یہاں ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں۔ مذہب یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے گا۔ (ت)

عشماویہ اور اس کی شرح جواہر زکیہ للعلامہ احمد المالکی میں ہے:

(و) ينتقض الوضوء (بلمس) اجنبية يلتذ بمثلها عادة و لو ظفرها او شعرها او فوق حائل خفيف قيل و الكثيف (وان لم يقصد اللذة و لم يجدها فلاوضوء عليه)[2]۔

ایسی اجنبیہ جو عادۃً قابلِ لذت ہے اس کے چھُوجانے سے وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ اس کے ناخن یا بال ہی کو چھُوئے یا خفیف حائل کے اوپر سے چھُوئے ایک قول ہے کہ دبیز کے اوپر سے بھی۔ اور اگر لذت کا قصد نہیں، نہ لذت پائی تو اس پر وضو نہیں۔ (ت)

حاشیہ علامہ سفطی میں ہے:

قوله لمس اجنبية هذا ضعيف و المعتمد ان وجود اللذة بالمحرم ناقض و لا فرق بين المحرم وغيرها الا فی القصد وحده بدون وجدان ففی الاجنبية ناقض وفی المحرم غير ناقض قوله عادة ای عادة الناس لا المتلذذ وحده فخرج به صغيرة لاتشتهی كبنت خمس و عجوز مسنة انقطع منها ارب الرجال بالكلية قوله و الكثيف قال الشيخ فی حاشية

ان کا قول "اجنبیہ کو مس کرنا" یہ ضعیف ہے۔ معتمد یہ ہے کہ محرم سے لذت پالی گئی تو یہ بھی ناقض ہے اور محرم و نامحرم میں فرق صرف یہ ہے کہ قصد ہو لذت نہ ملے تو اجنبیہ میں ناقض ہے اور محرم میں ناقض نہیں۔ ان کا قول "عادۃً" یعنی لوگوں کی عادت کے لحاظ سے، صرف لذت پانے والے کی عادت مراد نہیں تو اس قید سے وہ صغیرہ خارج ہوگئی جو قابلِ شہوت نہیں جیسے پانچ سال کی بچی اور وہ سن رسیدہ بڑھیا جس سے مردوں کی خواہش بالکل منقطع ہوچکی ۔ قولہ "دبیز

---

[1] الانوار لاعمال الابرار کتاب الطہارۃ فصل اسباب الحدث مطبع جمالیہ مصر ١/٣١
[2] الجواہر الزکیۃ شرح مقدمۃ العشماویۃ

ابی الحسن المعتمد ان الاقسام ثلثة خفیف جدا وکثیف لاجدا کالقباء وجدا کالطراحة فالاولان حکمهما النقض علی الراجح واما الاخیر فالنقض فی القصد دون الوجدان[1]

سے بھی، "شیخ نے حاشیۂ ابو الحسن میں لکھا ہے کہ معتمد یہ ہے کہ تین قسمیں ہیں: (۱) بہت خفیف (۲) دبیز جو بہت زیادہ دبیز نہ ہو جیسے قبا (۳) اور بہت دبیز جیسے لحاف، تو پہلے دونوں کا حکم بر قول راجح یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا اور اخیر میں یہ حکم ہے کہ قصد ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اتفاقیہ لذت مل جانے سے نہ ٹوٹے گا۔ (ت)

مستحب وضو اور بھی ہیں مگر یہاں وہی اکثر ذکر کئے جن کا وضو میں وقوع عادۃً بعید نہ ہو لہذا کفار کی وہ قسمیں بیان کرنی ہوئیں جو بغلط مدعی اسلام ہیں کہ ان میں بہتیرے نماز پڑھتے وضو کرتے مسجد میں آتے ہیں تو وضو کرتے میں اُن سے بدن چھُو جانا بعید نہیں۔ یونہی کبھی وضو کرتے میں پانی کم ہو جاتا اور آدمی اپنی کنیز یا خادمہ یا زوجہ وغیرہا سے مانگتا اور لینے میں ہاتھ سے ہاتھ لگ جاتا ہے وغیر ذلک۔ کامل احتیاط والے کو ان مسائل پر اطلاع نہایت مناسب ہے۔ اب بے فصل نماز وغیرہ عبادات مقصودہ یا بے تبدل مجلس اعادہ وضو کی کراہت اگر ہوگی بھی تو وہاں کہ اعادہ کے لئے کوئی سبب خاص نہ ہو ورنہ بعد وجود سبب وہ بے وجہ نہیں کہ اسراف ہو۔ اور اگر مواضع خلاف میں نزاع عود بھی کرے کہ رعایت خلاف وہیں مستحب ہے کہ اپنے مذہب کا مکروہ نہ لازم آئے کما فی ردالمحتار وغیرہ، تو پہلی نودس صورتیں کہ گویا حدث معنوی ونجاست باطنی مانی گئیں اثباتِ وضو میں اُن کا وقوع کیا نادر ہے اور شک نہیں کہ دربارۂ نقض ونقض وضو وبعض وضو کا حکم ایک ہی ہے جس طرح وضوئے کامل پر کوئی ناقض طاری ہونے سے پورا وضو جاتا رہتا ہے اور خلال وضو میں اس کے وقوع سے جتنا وضو ہو چکا ہے اتنا ٹوٹ جاتا ہے یونہی یہ اشیاء جن سے طہارت ناقص و بے نور ہو جاتی ہے جب کامل وضو پر واقع ہوں تو پورے وضو کا اعادہ مستحب ہوگا اور اثنائے وضو میں ہوں تو جتنا کر چکا ہے اُس قدر کا۔ اور بہرحال یہ وضوئے آخر یا وضو علی الوضو سے خارج نہ ہوگا کہ وضوئے اول منتقض نہ ہوا۔ اس تقریر پر نہ صرف یہی وجہ اخیر بلکہ تینوں وجہیں مندفع ہوگئیں وللہ الحمد۔

ف: جن باتوں سے اعادۂ وضو مستحب ہے جب وہ وضو کرتے میں واقع ہوں تو مستحب ہے کہ پھر سرے سے وضو شروع کرے۔

[1] حاشیۃ علامہ سیفطی علی مقدمۃ العشماویۃ۔

صورت ثانیہ یعنی شک میں فقیر نے نہ دیکھا کہ کسی کو شک ہو ماسوا ملا علی قاری کے کہ انھوں نے شک کو یکسر ساقط اللحاظ کیا اور اس کے اعتبار کو وسوسہ کی طرف منجر مانا۔ مرقاۃ میں فرمایا:

قلت اما قولہ (ای قول الامام النسفی فی الکافی) لطمانینۃ القلب عند الشك ففیہ ان الشك بعد التثلیث لاوجہ لہ وان وقع بعدہ فلا نہایۃ لہ و ھو الموسوسۃ، ولھذا اخذ ابن المبارك بظاھرہ فقال لا اٰمن اذا زاد علی الثلث ان یاثم، و قال احمد و اسحٰق لایزید علیھا الا مبتلی ای بالجنون لمظنۃ انہ بالزیادۃ یحتاط لدینہ قال ابن حجر ولقد شاھدنا من الموسوسین من یغسل یدہ فوق المئین وھو مع ذٰلك یعتقد ان حدثہ ھو الیقین، قال و اما قولہ (ای الامام النسفی) لانہ امر بترك ما یریبہ[1] ففیہ ان غسل المرۃ الاخرٰی مما یریبہ فینبغی ترکہ الی ما لا یریبہ وھو ما عینہ الشارع لیتخلص عن الریبۃ والوسوسۃ اھ۔

کافی میں امام نسفی کے قول "شک کے وقت اطمینانِ قلب کے لئے زیادتی" پر یہ کلام ہے کہ تین بار دھولینے کے بعد شک کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر اس کے بعد بھی شک واقع ہو تو اس کی کوئی انتہا نہیں اور یہی وسوسہ ہے۔ اسی لئے حضرت ابن مبارک نے ظاہر حدیث کو اختیار کرکے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ تین بار سے زیادہ دھونے کی صورت میں وہ گنہگار ہو۔ امام احمد و اسحاق نے فرمایا: تین پر زیادتی وہی کرے گا جو جنون میں مبتلا ہو اس گمان کی وجہ سے کہ وہ اپنے دین میں احتیاط سے کام لے رہا ہے — ابن حجر نے فرمایا: ہم نے ایسے بھی وسوسہ زدہ دیکھے جو سَو بار سے زیادہ ہاتھ دھوکر بھی یہ سمجھتا ہے کہ اب بھی اس کا حدث یقیناً باقی ہے — مولانا علی قاری آگے لکھتے ہیں: امام نسفی کا یہ فرمانا کہ اسے شک کی حالت چھوڑ دینے کا حکم ہے تو اس پر یہ کلام ہے کہ ایک بار اور دھونے سے بھی اسے شک ہی رہے گا تو اسے یہی چاہئے کہ اسے چھوڑ کر وہ اختیار کرے جس سے شک نہ پیدا ہو اور یہ وہی ہے جسے شارع نے متعین فرمایا ہے تاکہ شک اور وسوسہ سے چھٹکارا پائے اھ (ت)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ تحت الحدیث ۴۱۷ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۲۴

اقول اولاً [ف۱] شک کے لئے منشا صحیح ہوتا ہے مثل سہو وغفلت بخلاف وسوسہ۔ اول بلاشبہہ شرعاً معتبر اور فقہ میں صدہا مسائل اُس پر متفرع۔ اگر اُسے ساقط اللحاظ کریں تو شک کا باب ہی مرتفع ہوجائے گا اور ایک جمِ غفیر مسائل واحکام سے جن پر اطباق واتفاقِ ائمہ ہے انکار کرنا ہوگا۔

ثانیاً [ف۲] حدیث دع مایریبک الیٰ مالا یریبک کا صریح ارشاد طرح مشکوک واخذ متیقن ہے کہ مشکوک میں ریب ہے اور متیقن بلاریب، نہ یہ کہ شک کا کچھ لحاظ نہ کر اور امر مشکوک ہی پر قانع رہ کہ یہ مالا یریبک نہ ہوا بلکہ یریبک۔

ثالثاً [ف۳] صحیح مسلم شریف میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا شك احدکم فی صلٰوتہ فلم یدرکم صلی ثلثا او اربعا فلیطرح الشك ولیبن علی ما استیقن ثم یسجد سجدتین قبل ان یسلم فان کان صلی خمسا شفعن لہ صلٰوتہ وان کان صلی اتماما لاربع کانتا ترغیما للشیطٰن [۱]

جب تم میں کسی کو اپنی نماز میں شک پڑے یہ نہ جانے کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو جتنی بات مشکوک ہے اُسے چھوڑ دے اور جس قدر پر یقین ہے اسی پر بنائے کار رکھے (یعنی صورت مذکورہ میں تین ہی رکعتیں سمجھے کہ اسی قدر پر یقین ہے اور چوتھی میں شک ہے تو چار نہ سمجھے لہذا ایک رکعت اور پڑھ کر) سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرلے اب اگر واقع میں اس کی پانچ رکعتیں ہوئیں تو یہ دونوں سجدے (گویا ایک رکعت کے قائم مقام ہوکر) اس کی نماز کا دوگانہ پورا کردیں گے (ایک رکعت اکیلی نہ رہے گی جو شرعاً باطل ہے بلکہ ان سجدوں سے مل کر گویا ایک نفل دوگانہ جداگانہ ہوجائے گا) اور اگر واقع میں چار ہی ہوئیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت وخواری ہوں گے (کہ اس نے شک ڈال کر نماز باطل کرنی چاہی تھی اُس کی نہ چلی اور مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رحمت سے نماز پوری کی پوری رہی)۔

یہ اس مطلب کا خاص جزئیہ خود حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اقدس سے ہے۔

ف۱: تطفل تاسع علی القاری ف۲: تطفل عاشر علیہ ف۳: تطفل الحادی عشر علیہ

[۱] صحیح مسلم کتاب المساجد فصل من شک فی صلٰوۃ فلم یدرکم صلی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۱

رابعاً مسند احمد[ف۱] میں سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی صلٰوۃ یشك فی النقصان فلیصل حتی یشك فی الزیادۃ۔[۱]

جسے نماز میں کامل و ناقص کا شک ہو وہ اتنی پڑھے کہ کامل و زائد میں شک ہوجائے۔

مثلاً تین اور چار میں شبہہ تھا تو یہ تمامی و نقصان میں شک ہے اسے حکم ہے کہ ایک رکعت اور پڑھے اب چار اور پانچ میں شبہہ ہوجائیگا کہ اب تمامی و زیادت میں شک ہے۔ یہ حدیث سے تو اُس مطلب کی دوسری تصریح ہے ہی مگر دکھانا یہ ہے کہ اس کی شرح میں خود مُلّا علی قاری فرماتے ہیں:

لیبن علی الاقل المتیقن فان زیادۃ الطاعۃ خیر من نقصانھا۔[۲]

یعنی کم پر بنا رکھے جتنی یقیناً ادا کی ہیں کہ اگر واقع میں کامل ہوچکی تھیں اور ایک رکعت بڑھ گئی تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک رکعت کم رہ جائے طاعت کی افزونی اس کی کمی سے افضل ہے۔

معلوم نہیں یہ حکم وضو میں کیوں نہ جاری فرمایا حالانکہ اُس کی بیشی نماز میں رکعت بڑھادینے کے برابر نہیں ہوسکتی۔

خامساً وہ جو فرمایا[ف۲] تثلیث کے بعد شک کی کوئی وجہ نہیں اس سے مراد علم الٰہی میں تثلیث ہولینا ہے یا علم متوضی میں۔ برتقدیر ثانی بیشک شک کی کوئی وجہ نہیں مگر وہ ہرگز مراد نہیں کہ کلام شک میں ہے نہ علم میں، اور برتقدیر اول علم الٰہی شک عبد کا کیا منافی۔ بندہ اس پر مکلف ہے جو اس کے علم میں ہے نہ اس پر جو علم الٰہی میں ہے جس کے علم کی طرف اسے کوئی سبیل نہیں۔

سادساً معلوم[ف۳] ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم غسل میں سرانور پر تین بار پانی ڈالتے اور اسی کا حکم مردوں عورتوں سب کو فرمایا، خاص عورتوں کے باب میں بھی یہی حکم بالتصریح ارشاد ہوا ہے

ف۱: تطفل الثانی عشر علیہ

ف۲: تطفل الثالث عشر علیہ

ف۳: تطفل الرابع عشر علیہ

---

[۱] مسند احمد بن حنبل حدیث عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۹۵

[۲] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب السہو حدیث ۱۰۲۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۰۸

صحیح مسلم وسنن اربعہ میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں سر گندھواتی ہوں کیا نہاتے میں کھول دیا کروں؟ فرمایا:

انما یکفیك ان تحثی علی راسك ثلث حثیات[1] سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو یہی کافی ہے۔

آخر امر چہارم میں حدیث ابی داود۔ ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اما المرأۃ فلا علیھا ان لا تنقضہ لتغرف علی راسھا ثلث غرفات بکفیھا۔[2] عورت کو کچھ ضرور نہیں کہ اپنا گندھا سر کھولے بس تین لپ پانی ڈال لے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طریقہ غسل میں روایت فرماتی ہیں:

ثم یصب علی راسہ ثلث غرفات بیدیہ۔[3] پھر سر مبارک پر تین لپ ڈالتے تھے

رواہ عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

اور خود اپنا فرماتی ہیں:

لقد کنت اغتسل انا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اناء واحد وما ازید علی ان افرغ علی رأسی ثلث افراغات۔ رواہ احمد[4] ومسلم۔ میں اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ایک برتن سے نہایا کرتے، اور میں اپنے سر پر تین ہی بار پانی ڈالتی یعنی جعد مبارک نہ کھولتیں (اسے احمد و مسلم نے روایت کیا۔ ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض باب حکم ضفائر المغتسلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰
سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ھل تنقض المرأۃ شعرھا عند الغسل حدیث ۱۰۵ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۶۰
سنن ابن ماجہ " باب ما جاء فی غسل النساء من الجنابۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۵
سنن ابی داود " باب المرأۃ ھل تنقض شعرھا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳

[2] " " " " " " " " ۱/ ۳۴

[3] صحیح البخاری کتاب الغسل باب الوضوء قبل الغسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹

[4] صحیح مسلم کتاب الحیض باب حکم ضفائر المغتسلۃ " " ۱/ ۱۵۰
مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۳

بالجملہ[1] یہی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتوضأ وضوءہ للصلوٰۃ ثم یفیض علی راسہ ثلث مرار ونحن نفیض علی رؤسنا خمسا من اجل الضفر، رواہ ابوداؤد۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز کا سا وضو کرکے سراقدس پر تین بار پانی بہاتے تھے اور ہم بیبیاں سر گندھے ہونے کی وجہ سے اپنے سروں پر پانچ بار پانی بہاتی ہیں (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ت)

اب کون کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ امہات المومنین کا یہ فعل وسوسہ تھا۔ حاشا بلکہ وہی اطمینانِ قلب جسے علمائے کرام یہاں فرمارہے ہیں۔

سابعا[2] وھو الحل صورتیں تین ہیں:

اوّل یہ کہ متوضی جانتا ہے کہ میں نے تین بار دھولیا، ہربار بالاستیعاب، پھر اس کا دل مطمئن نہ ہو اور چوتھی بار اور بہانا چاہے۔

دوم یاد نہیں کہ تین بار پانی ڈالا یا دو بار۔

سوم تثلیث تو معلوم ہے مگر ہربار استیعاب میں شک ہے۔

ملا علی صورتِ اولٰی سمجھے ہیں جب تو فرماتے ہیں کہ تین پورے ہونے کے بعد شک کے کیا معنے۔ اپنا شک چھوڑے اور جو عدد شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مقرر فرمایا اس پر قانع رہے۔ اس صورت میں اُن کا انکار بیشک صحیح ہے مگر یہ ہرگز مرادِ علماء نہیں، اُن کا کلام صورتِ شک میں ہے اور یہ صورت صورتِ علم ہے اور وسوسہ مردود و نامعتبر ہے۔ شک کی صورت دو صورت اخیر ہیں وہی مراد ائمہ ہیں اور اُن پر قاری کا کوئی اعتراض وارد نہیں ان میں طمانینتِ قلب ضرور مطلوب شرع ہے جن میں سے امہات المومنین کا پانچ بار پانی ڈالنا صورت اخیرہ ہے وباللہ التوفیق۔

بالجملہ جس مسئلہ پر ہمارے علماء کے کلمات متظافر ہوں اپنے فہم سے اُس پر اعتراض آسان نہیں

---

[1]: مسئلہ عورت کے بال گندھے ہوں اور تین بار سر پر پانی بہانے سے تثلیث میں شبہہ رہے تو پانچ بار بہاسکتی ہے۔

[2]: تطفل الخامس عشر علیہ۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۲

معترضین ہی کی لغزشِ نظر ثابت ہوتی ہے اگرچہ غنیہ و بحر و قاری جیسے ماہرین ہوں والحمد للہ رب العٰلمین۔

تنبیہ ۷ : الحمدُ للہ کلام اپنے منتہٰی کو پہنچا اور اسراف کے معنے وصور نے بھی بر وجہِ کامل انکشاف پایا۔ اب بتوفیق اللہ تعالٰی تحقیق حکم کی طرف باگ پھیریں۔

اقول انصافاً چاروں قول میں کوئی ایسا نہیں جسے مطروح و ناقابلِ التفات سمجھے۔

قولِ سوم کی عظمت تو محتاجِ بیان نہیں، بدائع و فتح و خلاصہ کی وقعت درکنار خود ظاہر الروایۃ میں محرر المذہب کا نص ہے۔

قولِ دوم کے ساتھ حلیہ و بحر کا اَوجہ کہنا ہے کہ الفاظ فتوی سے ہے اور امام ابوزکریا نووی کے استظہار پر نظر کیجئے تو گویا اُسی پر اجماع کا پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اسراف سے نہی پر اجماعِ علما نقل فرما کر نہی سے کراہت تنزیہ مراد ہونے کو اظہر بتایا۔

قولِ چہارم جسے علامہ شامی نے خارج از مذہب گمان فرمایا تھا اُس کی تحقیق سُن چکے اور یہ کہ وہی مختار درمختار و نہر الفائق و مفاد غنیہ و جواہر الفتاوی و تبیین الحقائق ہے نیز زبدہ و حجہ سے مستفاد کہ ان میں بھی کراہت مطلق ہے، جامع الرموز میں ہے:

تکرہ الزیادۃ علی الثلث کما فی الزبدۃ۔[۱]	تین بار سے زیادہ دھونا مکروہ ہے جیسا کہ زبدہ میں ہے۔(ت)

ط علی المراقی میں ہے:

فی فتاوی الحجۃ یکرہ صب الماء فی الوضوء زیادۃ علی العدد المسنون والقدر المعہود لما ورد فی الخبر شرار امتی الذین یسرفون فی صب الماء۔[۲]	فتاوی الحجہ میں ہے وضو میں تعدادِ مسنون اور مقدارِ معہود سے زیادہ پانی بہانا مکروہ ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے میری اُمت کے بُرے لوگ وہ ہیں جو پانی بہانے میں اسراف کرتے ہیں۔(ت)

بلکہ علامہ طحطاوی نے اُس پر اتفاق بتایا قولِ دُر الاسراف فی الماء الجاری جائز لانہ غیر مضیع[۳] (بہتے پانی میں اسراف جائز ہے اس لئے کہ پانی ضائع نہیں جاتا۔ ت) پر لکھتے ہیں:

---

[۱] جامع الرموز کتاب الطہارۃ سنن الوضوء مکتبۃ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۳۵

[۲] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ فصل فی المکروہات دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۸۰

[۳] الدر المختار کتاب الطہارۃ سُنن الوضوء مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

ای لانه یعود الیه ثانیا فلو اخرج الماء خارجه یکره اتفاقا[1]، ومن الظاهر ان هذہ الکراهة مذکورة فی مقابلة الجائز فتکون تحریمیة۔

یعنی اس لئے کہ پانی اس میں دوبارہ لوٹ جائے گا اگر پانی نکال کر اس کے باہر گرائے تو بالاتفاق مکروہ ہے اھ ___ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ جائز کے مقابلہ میں مذکور ہے تو تحریمی ہوگا۔(ت)

اور ہماری تقریراتِ سابقہ سے اس کے دلائل کی قوت ظاہر، ہاں **قول اوّل** بعض شافعیہ سے منقول تھا مگر علّامہ محقق ابراہیم حلبی نے کتب مذہب سے غنیہ میں اس پر جزم فرمایا کما سمعت پھر علّامہ ابراہیم حلبی و علامہ سید احمد مصری نے حواشیِ دُر میں اُسی پر اعتماد کیا اور اُس کے خلاف کو ضعیف بتایا دُرمختار میں قولِ مذکور جواہر نقل فرمایا:

الاسراف فی الماء الجاری جائز[2]۔

بہتے پانی میں اسراف جائز ہے۔(ت)

علامہ طحطاوی اُس پر فرماتے ہیں:

ضعیف بل ھو مکروہ سواء کان فی وسط الماء او فی ضفته حیث کان لغیر حاجة[3] اھ حلبی۔

یہ قول ضعیف ہے بلکہ آبِ رواں میں بھی اسراف مکروہ ہے چاہے بیچ نہر میں ہو یا کنارے ہو اس لئے کہ بلاضرورت ہے اھ حلبی (ت)

نیز دونوں حاشیوں میں ہے:

من المعلوم ان الاسراف مکروہ تحریما لا تنزیھا[4]۔

معلوم ہے کہ اسراف مکروہ تنزیہی نہیں، تحریمی ہے۔(ت)

بلکہ شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

ھو حرام وان کان فی شط النھر[5]۔

اسراف حرام ہے اگرچہ دریا کے کنارے ہو۔(ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ سنن الوضوء المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۷۲

[2] الدرالمختار 〃 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار 〃 〃 المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۷۲

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[5] شرعۃ الاسلام مع شرح مفاتیح الجنان فصل فی تفصیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۹۱

اور اس کے ساتھ نص حدیث ہے۔[ف۱]

حدیث ۱ عـــہ: امام احمد بن حنبل و ابن ماجہ و ابو یعلٰی اور بیہقی شعب الایمان میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مر بسعد وھو یتوضأ فقال ما ھذا السرف فقال افی الوضوء اسراف قال نعم وان کنت علی نہر جار۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ پر گزرے وہ وضو کر رہے تھے ارشاد فرمایا: یہ اسراف کیسا۔ عرض کی: کیا وضو میں اسراف ہے؟ فرمایا: ہاں اگرچہ تم نہر رواں پر ہو۔

اقول اتمام تقریب یہ کہ حدیث نے نہر جاری میں بھی اسراف ثابت فرمایا اور اسراف شرع میں مذموم ہی ہو کر آیا ہے۔ آیہ کریمہ لاتسرفوا انہ لا یحب المسرفین[۲] (اسراف نہ کرو اللہ تعالٰی مسرفین کو محبوب نہیں رکھتا۔ ت) مطلق ہے تو یہ اسراف بھی مذموم و ممنوع ہی ہوگا بلکہ خود اسراف فی الوضوء میں بھی صیغہ نہی وارد اور نہی حقیقۃً مفید تحریم۔

حدیث ۲: سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

رای رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا یتوضأ فقال لا تسرف لا تسرف۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا فرمایا، اسراف نہ کر اسراف نہ کر۔

حدیث ۳: سعید بن منصور سنن اور حاکم کنٰی اور ابن عساکر تاریخ میں ابن شہاب زہری سے

عـــہ فتاوٰی حجۃ سے ایک حدیث ابھی گزری کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: میری امت کے بدلوگ ہیں جو پانی بہانے میں اسراف کرتے ہیں۔

ف: وضو میں ممانعتِ اسراف کی حدیثیں۔

---

[۱] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۱
سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی القصد فی الوضوء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴
[۲] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱ و ۷/ ۳۱
[۳] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی القصد فی الوضوء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

مرسلاً راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا فرمایا: یاعبد اللہ لاتسرف اللہ کے بندے! اسراف نہ کر۔ انھوں نے عرض کی: یانبی اللہ وفی الوضوء اسراف قال نعم (زاد الاخیران) وفی کل شیئ اسراف[1] یارسول اللہ! کیا وضو میں بھی اسراف ہے۔ فرمایا: ہاں اور ہرشے میں اسراف کو دخل ہے۔

حدیث ۴ مرسل یحیٰی بن ابی عمرو کہ بیان معانی اسراف میں گزری،

فی الوضوء اسراف وفی کل شیئ اسراف[2]	وضو میں اسراف ہے اور ہرشے میں اسراف ہے۔

حدیث ۵ ترمذی وابن ماجہ وحاکم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للوضوء شیطانا یقال لہ الولہان فاتقوا وسواس الماء[3]	بے شک وضو کے لئے ایک شیطان ہے جس کا نام وَلَہان ہے تو پانی کے وسواس سے بچو۔

حدیث ۶ مسند احمد وسنن ابی داؤد وابن ماجہ وصحیح ابن حبان ومستدرک حاکم میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انہ سیکون فی ھذہ الامۃ قوم یعتدون فی الطھور والدعاء[4]	بے شک عنقریب اس اُمت میں وہ لوگ ہونگے کہ طہارت ودُعا میں حد سے بڑھیں گے۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ[5]	جو اللہ تعالٰی کی باندھی ہُوئی حدوں سے بڑھے بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ابوعیسے الدمشقی ۹۰۸۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷۱/۹۴
کنز العمال بحوالہ الحاکم فی الکنٰی وابن عساکر عن الزہری مرسلا حدیث ۲۶۲۹۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۳۲۴

[2] کنز العمال بحوالہ یحیٰی بن ابی عمرو الشیبانی حدیث ۲۶۲۴۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۳۲۵

[3] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الاسراف حدیث ۵۷ دار الفکر " ۱/۱۲۲
سنن ابن ماجہ " باب ماجاء فی القصد فی الوضوء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

[4] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الاسراف فی الوضوء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳
مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد وابی داؤد وابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضو قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۷

[5] القرآن الکریم ۶۵/۱

حدیث ۷: ابونعیم حلیہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لاخیر فی صب الماء الکثیر فی الوضوء و انہ من الشیطان[1]

وضو میں بہت سا پانی بہکانے میں کچھ خیر نہیں اور وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

نفی خیر[ف1] اپنے معنی لغوی پر اگرچہ مباح سے بھی ممکن کہ جب طرفین برابر ہیں تو کسی میں نہ خیر نہ شر، ولہذا علامہ عمر نے نہر الفائق میں مسئلہ کراہت[ف2] کلام بعد طلوع فجر تا طلوع شمس و بعد نماز[ف3] عشاء میں فرمایا:

المراد مالیس بخیر و انما یتحقق فی کلام ھو عبادۃ اذ المباح لاخیر فیہ کما لا اثم فیہ فیکرہ فی ھذہ الاوقات کلھا نقلہ السید[2] ابوالسعود فی فتح اللہ المعین۔

مراد وہ کلام ہے جو خیر نہ ہو اور خیر کا تحقق اسی کلام میں ہوگا جو عبادت ہو اس لئے کہ مباح میں "کوئی خیر نہیں" جیسے اس میں "کوئی گناہ نہیں"۔ تو مباح کلام بھی ان اوقات میں مکروہ ہوگا۔ اسے سید ابوالسعود نے فتح اللہ المعین میں نہر سے نقل کیا۔(ت)

اقول مگر نظر دقیق لیس بخیر اور لاخیر فیہ میں فرق کرتی ہے مباح ضرور نہ خیر نہ شر، مگر اس کے فعل پر مواخذہ نہیں، اور مواخذہ نہ ہونا خود خیر کثیر و نفع عظیم ہے تو لاخیر فیہ وہیں اطلاق ہوگا جہاں شر حاصل ہو۔

فاصاب[ف4] رحمہ اللہ تعالٰی فی قولہ المراد مالیس بخیر و تسامح فی قولہ لاخیر فیہ فحق العبارۃ المباح لیس

صاحب نہر نے یہ تو ٹھیک فرمایا کہ مراد مالیس بخیر ہے (وہ جو خیر نہیں) اور اس میں ان سے تسامح ہوا کہ المباح لاخیر فیہ (مباح

ف1: تحقیق مفاد لاخیر فیہ

ف2: مسئلہ طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک دنیوی کلام مطلقًا مکروہ ہے۔

ف3: مسئلہ نماز عشاء پڑھنے کے بعد بے حاجت دنیوی باتوں میں اشتغال مکروہ ہے۔

ف4: تطفل علی النہر و من تبعہ۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابی نعیم عن انس حدیث ۲۶۲۶۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۳۲۷

[2] النہر الفائق کتاب الصلوٰۃ قبیل باب الاذان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۹

فتح المعین " " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۷

بخیر کما انہ لیس بشر۔ | میں کوئی خیر نہیں) صحیح تعبیر یہ تھی کہ المباح لیس بخیر کما انہ لیس بشر مباح اچھا نہیں جیسے کہ وہ برا بھی نہیں۔ (ت)

ولہٰذا جبکہ ہدایہ میں فرمایا:

لاخیر فی السلم فی اللحم[1] | گوشت میں بیع سلم بہتر نہیں۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

ھٰذہ العبارۃ تاکید فی نفی الجواز[2]۔ | یہ عبارت نفیِ جواز کی تاکید کرتی ہے۔ (ت)

اقول رب عزوجل فرماتا ہے:

لاخیر فی کثیر من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس[3]۔ | ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات، یا اچھی بات، یا لوگوں میں صلح کرنے کا۔ (ت)

ہر معروف کو استثنا فرمالیا اور ہر طاعت معروف ہے تو باقی نہ رہے مگر مباح یا معاصی تو اگر لاخیر فیہ مباح کو بھی شامل ہوتا فی کثیر نہ فرماتے بلکہ فی شیئ من نجوٰھم لاجرم وہ معصیت کے ساتھ خاص ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث ۸ حدیث صحیح جس کی طرف بارہا اشارہ گزرا احمد وسعید بن منصور وابن ابی شیبہ وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وطحاوی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ایک اعرابی نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوکر وضو کو پوچھا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں وضو کرکے دکھایا جس میں ہر عضو تین تین بار دھویا پھر فرمایا:

ھکذا الوضوء فمن زاد علی ھذا اونقص فقد اساء وظلم او ظلم واساء ھذا لفظ د[4] وقد اوسد | اسی طرح وضو ہے تو جس نے اس پر بڑھایا یا گھٹایا تو یقیناً اس نے برا کیا اور ظلم کیا ــــ یا (فرمایا) ظلم کیا اور برا کیا۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵
[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۱۵
[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۴
[4] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء ثلثا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸

مطولا مع ذکر صفۃ الوضوء ومثلہ لفظ الامام الطحاوی مقتصرا قولہ اساء وظلم من دون شک[1]، ولفظ س وق فمن زاد علی ھذا فقد اساء وتعدی وظلم[2] ولفظ سعید وابی بکر فمن زاد اونقص فقد تعدی وظلم[3]۔

ہیں۔ اور انھوں نے یہ حدیث طریقۂ وضو کے بیان کے ساتھ طویل ذکر کی ہے۔ اسی کے مثل امام طحاوی کے بھی الفاظ ہیں اور ان کی روایت میں بغیر شک کے صرف اتنا ہے کہ "اس نے بُرا کیا اور ظلم کیا"۔۔۔۔ اور نسائی و ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں: تو جس نے اس پر زیادتی کی بہ تحقیق اس نے بُرا کیا اور حد سے بڑھا اور ظلم کیا۔۔۔ سعید بن منصور اور ابو بکر بن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: جس نے زیادتی یا کمی کی تو یقیناً وہ حد سے بڑھا اور ظلم کیا۔۔۔ (ان تمام روایات کا حاصل یہ ہوا کہ:) (ت)

وضو اس طرح ہے جس نے اس پر بڑھایا یا گھٹایا اُس نے بُرا کیا اور حد سے بڑھا اور ظلم کیا یہ تمام احادیث مطلق ہیں اور مذہب اول وچہارم کی مؤید، بالجملہ ان میں کوئی مذہب مطرود و مطروح نہیں لہٰذا راہ یہ ہے کہ بتوفیق الٰہی جانب توفیق چلئے۔

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (تو میں کہتا ہوں اور خدا ہی کی جانب سے توفیق ہے اور اسی کی مدد سے بلندی تحقیق تک رسائی ہے۔ت) تقدیر شرعی سے زیادہ پانی ڈالنا سہواً ہوگا یا بحالِ شک یا دیدہ و دانستہ۔ اوّل یہ کہ تین بار استیعاباً دھولیا اور یاد رہا کہ دو ہی بار دھویا ہے۔۔۔ اور دوم یہ کہ مثلاً دو یا تین میں شبہہ ہوگیا۔۔۔ یہ دونوں صورتیں یقیناً ممانعت سے خارج ہیں،

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا

ف: مسئلہ مصنف کی تحقیق مفرد۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الطہارۃ باب فرض الرجلین فی وضوء الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ما جاء فی القصد فی الوضوء الخ " " ص ۳۴

[3] المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الطہارۃ باب فی الوضوء کم ھو مرۃ حدیث ۵۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۷

26 رفع عن امتی الخطأ والنسیان[1] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دع ما یریبک[2]۔

ارشاد ہے میری اُمت سے خطا ونسیان اٹھا لیا گیا ہے۔ اور حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شک پیدا کرے اسے چھوڑ کر وہ لو جس میں شک نہ ہو۔(ت)

اور دیدہ ودانستہ کسی غرض صحیح وجائز کے لئے ہوگا یا غرض فاسد وممنوع کے لئے یا محض بلاوجہ، برتقدیر اول کسی طرح اسراف نہیں ہوسکتا نہ اس سے منع کی کوئی وجہ، عام ازینکہ وہ غرض غرض مطلوب شرعی ہو جیسے منہ سے ازالہ بدبو یا پان یا چھالیا کے ریزوں کا اخراج، یا حسب بیانات سابقہ وضو علی الوضو کی نیت یا غرض صحیح جسمانی جیسے میل کا ازالہ یا شدتِ گرما میں تحصیلِ برودت۔ تو اب نہ رہیں مگر دو صورتیں، اور یہی ان اقوالِ اربعہ میں زیر بحث ہیں، تحقیق معنی اسراف میں ہمارا بیان یاد کیجئے یہ وہی دو قطب ہیں جن پر اُس کا فلک دورہ کرتا ہے اور یہ بھی اُسی تقریر پر نظر ڈالے سے واضح ہوگا کہ ان صورتوں میں کی اول یعنی غرض فاسد وناروا کے لئے تقدیر شرعی پر زیادت مطلقاً ممنوع وناجائز ہے اگرچہ پانی اصلاً ضائع نہ ہو۔

قول اول کا یہی محمل ہے اور ضرور حق صریح بلکہ مجمع علیہ ہے اور اسی پر حمل کے لئے ہمارے علما نے حدیث ہشتم کو صورتِ فساد اعتقاد پر محمول فرمایا یعنی جبکہ جانے کہ تقدیر شرعی سے زیادہ ہی میں سنت حاصل ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس نیت فاسدہ سے نہر نہیں سمندر میں ایک چلّو بلکہ ایک بوند زیادہ ڈالنا اسراف وگناہ وناجائز ہوگا کہ اصل گناہ اُس نیت میں ہے گناہ کی نیت سے جو کچھ کرے گا سب گناہ ہوگا۔ رہی صورتِ اخیرہ کہ محض بلاوجہ زیادت ہو، اوپر واضح ہولیا کہ یہاں تحققِ اسراف وحصول ممانعت اضاعت پر موقوف ہے تو اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ پانی ضائع ہوا یا نہیں، اگر ہوا مثلاً زمین پر بہہ گیا اور کسی مصرف میں کام نہ آیا تو ضرور اسراف وناروا ہے۔ اور یہی محمل **قول چہارم** ہے اور یقیناً صواب وصحیح بلکہ متفق علیہ ہے، کون کہے گا کہ بیکار پانی ضائع کرنا جائز وروا ہے۔ باقی رہی ایک شکل

---

[1] الجامع الصغیر حدیث ۴۴۶۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۷۳
کشف الخفاء حدیث ۱۳۹۱ " " " ۱/ ۳۸۲
" حدیث ۱۳۰۵ " " " ۱/ ۳۶۰
[2] الجامع الصغیر " ۴۲۱۱ تا ۴۲۱۴ " ۲/ ۲۵۶ و ۲۵۷

کہ زیادت ہو تو بلاوجہ مگر پانی ضائع نہ ہو، مثلاً بلاوجہ محض چوتھی بار پانی اس طرح ڈالے کہ نہر میں گرے یا کسی پیڑ کے تھالے میں جسے پانی کی حاجت ہے یا کسی برتن میں جس کا پانی اسپ وگاؤ وغیرہ جانوروں کو پلایا جائے گا یا گارا بنانے کے لئے تغار میں پڑے گا یا زمین ہی پر گرا مگر موسم گرما ہے چھڑکاؤ کی حاجت ہے یا ہوا سے ریتا اڑتا ہے اُس کے دبانے کی ضرورت ہے اور انھیں کے مثل اور اغراض صحیحہ جن کے سبب پانی ضائع نہ جائے۔ یہ غرضیں اگرچہ صحیح وارد ہیں جن کے سبب اضاعت نہ ہو گی مگر اعضا پر یہ پانی مثلاً چوتھی بار ڈالنا محض بے وجہ ہی رہا کہ یہ غرضیں تو برتن میں ڈالنا یا زمین پر بہانا چاہتی ہیں عضو پر ڈال کر گرانے کو ان میں کیا دخل تھا، لاجرم وہ عبث محض رہا مگر پانی ضائع نہ گیا تو اسراف کی کوئی صورت متحقق نہ ہوئی اور اس کے ممنوع و ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں رہی، یہی **قول دوم و سوم** کا محل ہے، اور قطعاً مقبول و بےخلل ہے بلکہ اتفاق و اطباق کا محل ہے۔ اب نہ باقی رہی مگر ان دونوں قولوں پر نظر، وہ ایک مقدمہ کی تقدیم چاہتی ہے۔

فاقول وباللہ التوفیق **فائدہ** تحقیقِ معنی وحکم عبث میں تتبع کلمات علماء سے اُس کی تعریف وجوہِ عدیدہ پر ملے گی:

(۱) جس فعل میں غرض غیر صحیح ہو وہ عبث ہے اور اصلاً غرض نہ ہو تو سفہ۔ یہ تفسیر امام بدرالدین کردری کی ہے، امام نسفی نے مستصفی پھر علامہ حلبی نے غنیہ میں اسی طرح ان سے نقل فرما کر اس پر اعتماد کیا، اور محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر اور علامہ طرابلسی نے برہان شرح مواہب الرحمٰن اور دیگر شراح نے شروح ہدایہ وغیرہا میں اسی کو اختیار فرمایا، غنیہ حلبیہ میں ہے:

في المستصفی قال الامام بدر الدین یعنی الکردری العبث الفعل الذی فیه غرض غیر صحیح والسفه ما لا غرض فیه اصلاً[1]

مستصفی میں ہے کہ امام بدرالدین کردری نے فرمایا: عبث وہ فعل ہے جس میں کوئی غرض غیر صحیح ہو اور سفہ وہ ہے جس میں بالکل کوئی غرض نہ ہو۔ (ت)

غنیہ شرنبلالیہ میں ہے:

ف: عبث کسے کہتے ہیں اور اس کا حکم کیا ہے۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کراہیۃ الصلوٰۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

فی البرھان ھو فعل لغرض غیر صحیح[1]۔
برہان میں ہے وہ ایسا کام ہے جو غرض غیر صحیح کے لئے ہو۔ (ت)

فتح میں ہے:

العبث الفعل لغرض غیر صحیح[2]۔
عبث غرض غیر صحیح کے لئے کوئی کام کرنا ہے۔ (ت)

(۲) جس میں غرض غیر شرعی ہو۔

اقول یہ اول سے اعم ہے کہ ہر غرض غیر صحیح غیر شرعی ہے اور ضرور نہیں کہ ہر غرض غیر شرعی غیر صحیح ہو جیسے ٹھنڈک کے لئے زیادہ پانی ڈالنا کہ غرض صحیح ہے مگر شرعی نہیں۔ علامہ اکمل اور اُن کی تبعیت سے حلیہ و بحر نے امام بدرالدین سے اسی طرح نقل کیا۔ عنایہ میں ہے:

قال بدرالدین الکردری العبث الفعل الذی فیه غرض لکنه لیس بشرعی والسفه مالاغرض فیه اصلا[3]۔
بدرالدین کردری نے فرمایا: عبث وہ کام ہے جس میں کوئی غرض تو ہو لیکن شرعی نہ ہو۔ اور سَفَہ وہ ہے جس میں کوئی غرض ہی نہ ہو۔ (ت)

(۳) جس میں غرض صحیح نہ ہو۔

اقول یہ ان دونوں سے اعم ہے کہ اصلاً عدم غرض کو بھی شامل اور ثانی سے اخص بھی کہ غرض غیر شرعی صحیح کو بھی شامل۔ یہ تفسیر امام حمیدالدین کی ہے۔ عنایہ میں بعد عبارتِ مذکورہ ہے:

قال حمید الدین العبث کل عمل لیس فیه غرض صحیح[4]۔
امام حمیدالدین نے فرمایا، عبث ہر وہ کام ہے جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو۔ (ت)

مفرداتِ راغب میں ہے:

یقال لما لیس له غرض صحیح عبث[5]۔
عبث اسے کہا جاتا ہے جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو۔ (ت)

---

[1] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر الحکام باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۷
[2] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ فصل ویکرہ للمصلی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۵۶
[3] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ الخ فصل ویکرہ للمصلی 〃 〃
[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
[5] المفردات باب العین مع الباء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۲

تفسیر رغائب الفرقان میں ہے:

هوالفعل الذی لاغایة له صحیحة۔[1] — عبث ایسا کام ہے جس کا کوئی صحیح مقصد نہ ہو۔(ت)

(۴) غرض شرعی نہ ہو۔

اقول یہ اول ثانی ثالث سب سے اعم مطلقاً ہے کہ انتفائے غرض صحیح انتفائے غرض شرعی کو مستلزم ہے اور عکس نہیں اور انتفائے غرض شرعی انتفائے مطلق غرض سے بھی حاصل، امام نسفی اپنی وافی کی شرح کافی میں فرماتے ہیں:

العبث مالاغرض فیه شرعا فانما کره لانه غیرمفید۔[2] — عبث وہ ہے جس میں کوئی غرض شرعی نہ ہو، وہ اسی لئے مکروہ ہے کہ بے فائدہ ہے(ت)

(۵) جس میں فاعل کے لئے کوئی غرض صحیح نہ ہو۔

اقول یہ ۱ و ۳ سے اعم مطلقاً ہے کہ ممکن کہ فعل غرض صحیح رکھتا ہو اور فاعل بے غرض یا غرض غیر صحیح کے لئے کرے اور ۲ و ۴ سے اعم من وجہ کہ غرض فاسد میں تینوں صادق اور غرض صحیح غیر شرعی مقصود فاعل ہے تو وہ دو صادق خامس منتفی اور غرض شرعی میں مقصود فاعل ہے تو بالعکس۔

تعریفات السید میں ہے:

وقیل مالیس فیه غرض صحیح لفاعله[3] اھ — اور کہا گیا کہ عبث وہ کام ہے جس میں کرنے والے کی کوئی غرض صحیح نہ ہو۔(ت)

اقول اشار[ف] الی ضعفه وسیاتیك ان شاء الله تعالٰی انه الحق۔ — **اقول** حضرت سید نے اس کے ضعیف ہونے کا اشارہ دیا اور ان شاء اللہ آگے بیان ہوگا کہ یہی تعریف حق ہے(ت)

ف: تطفل علی العلامة الشریف

عـــہ اور اگر قصد غلط بھی ملحوظ کرلیجئے کہ جس فعل کی غرض فاسد ہے یہ جہلاً اس سے غرض صحیح کا قصد کرے تو ان دو سے بھی عام من وجہ ہوگا ۱۲ منہ۔

---

[1] غرائب القرآن ورغائب الفرقان تحت الآیة ۲۳/ ۱۱۵ مصطفی البابی مصر ۱۸/ ۴۲

[2] الکافی شرح الوافی

[3] التعریفات للسید الشریف باب العین انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۶۳

(۶) بے فائدہ کام۔

بحرالرائق میں نہایۂ امام سغناقی سے ہے:

مالیس بمفید فھو العبث۔[1] جو فائدہ مند نہ ہو وہ عبث ہے۔(ت)

امام سیوطی کی دُرِّ منثور میں ہے: عبثاای لالمنفعۃ[2] (عبث یعنی بے فائدہ۔ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

العبث عمل لافائدۃ فیہ ولاحکمۃ تقتضیہ[3] عبث وہ کام ہے جس میں نہ کوئی فائدہ ہو نہ کوئی حکمت اس کی مقتضی ہو۔(ت)

جلالین میں ہے: عبثا لالحکمۃ[4] (عبث بے حکمت۔ت)

غنیہ میں ہے:

الفرقعۃ فعل لافائدۃ فیہ فکان کالعبث[5] انگلیاں چٹخانا ایسا کام ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں تو یہ عبث کی طرح ہوا۔(ت)

اقول عبدالملک بن جریج تابعی نے کہ عبث کو باطل سے تفسیر کیا اسی معنے کی طرف مشیر ہے فان الشیئ اذا خلا عن الثمرۃ بطل (کیونکہ شے کا جب کوئی ثمرہ نہ ہو تو وہ باطل ہے۔ت) تفسیر ابن جریر میں ان سے مروی عبثا قال باطلا[6] (عبث کے معنی میں کہا باطل۔ت)

(۷) جس میں فائدہ معتدبہا نہ ہو۔

تاج العروس میں ہے:

قیل العبث مالافائدۃ فیہ کہا گیا عبث ایسا کام ہے جس میں کوئی قابل لحاظ

---

[1] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹

[2] درمنثور

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ فصل فی المکروہات دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۴۵

[4] جلالین تحت الآیۃ ۲۳/ ۱۱۵ النصف الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۹۱

[5] غنیۃ المستملی کراہیۃ الصلوٰۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

[6] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۳/ ۱۱۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۸/ ۷۹

یعتد بہا[1]۔ فائدہ نہ ہو۔ (ت)

اقول اسی طرف کلام علامہ ابوالسعود ناظر کہ ارشاد العقل میں فرمایا:

عبثا بغیر حکمۃ بالغۃ[2] اھ فافہم۔ عبث، جس میں کوئی حکمت بالغہ نہ ہو اھ تو اسے سمجھو۔ (ت)

(۸) اُس کام کے قابل فائدہ نہ ہو یعنی اُس میں جتنی محنت ہو نفع اس سے کم ہو۔

اقول اسے ہفتم سے عموم وخصوص من وجہ ہے کہ اگر کام نہایت سہل ہوا جس میں کوئی محنت معتد بہا نہیں تو فائدہ غیر معتد بہا اس کے قابل ہوگا اس تقدیر پر ہفتم صادق ہوگا نہ ہشتم اور اگر فائدہ فی نفسہا معتد بہا ہے مگر اُس کام کے لائق نہیں تو ہشتم صادق ہوگا نہ ہفتم ــــــ علامہ شہاب کی عنایۃ القاضی میں ہے:

العبث کاللعب ماخلا عن الفائدۃ مطلقا اوعن الفائدۃ المعتد بہا اوعما یقاوم الفعل کما ذکرہ الاصولیون[3]۔ عبث لعب کی طرح وہ کام ہے جس میں مطلقاً کوئی فائدہ نہ ہو یا قابلِ لحاظ فائدہ نہ ہو، یااس فعل کے مقابل فائدہ نہ ہو جیسا کہ اہل اصول نے ذکر کیا۔ (ت)

اقول مقابلہ مشعر مغایرت ہے یوں یہ قول اضعف الاقوال ہوگا کہ خاص مشقت طلب کاموں سے خاص رہے گا ہاں اگر معتد بہ سے معتد بہ بنظر فعل مرادلیں تو ہفتم وہشتم ایک ہوجائیں گے اور اعتراض نہ رہے گا اور کہہ سکتے ہیں کہ تغییر تعبیر مجوز مقابلہ ہے۔

(۹) وہ کام جس کا فائدہ معلوم نہ ہو۔

اقول اوّلاً مراد عدم علم فاعل ہے تو حکیم کے دقیق کام جن کا فائدہ عام لوگوں کی فہم سے ورا ہو عبث نہیں ہوسکتے۔

ثانیاً حکمت وغایت میں فرق ہے احکام تعبدیہ غیر معقولۃ المعنے کی حکمت ہمیں معلوم نہیں فائدہ معلوم ہے کہ الاسلام گردن نہادن۔

---

[1] تاج العروس باب الثاء فصل العین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۳۲

[2] ارشاد العقل السلیم تحت الآیۃ ۲۳/ ۱۱۵ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶/۱۵۳

[3] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶/۶۱۱

ثالثاً عدم علم مستلزم عدم نہیں تو یہ تفسیر اُن تینوں سے اعم ہے۔ تعریفات السید میں ہے:

العبث ارتکاب امرغیر معلوم الفائدۃ[1] — عبث ایسے امر کا ارتکاب جس کا فائدہ معلوم نہ ہو۔ (ت)

اقول مگر[ف1] علم بے قصد کیا مفید بلکہ اس کی شناعت اور مزید تو یہ حد جامع نہیں۔

(۱۰) وہ کام جس سے فائدہ مقصود نہ ہو۔

اقول یہ نہم سے بھی اعم کہ عدمِ علم عدمِ قصد کو مستلزم ولا عکس، تاج العروس میں ہے:

وقیل مالا یقصد بہ فائدۃ[2] اھ۔ — اور کہا گیا وہ جس سے کوئی فائدہ مقصود نہ ہو اھ

اقول اومأ[ف2] الی ما تزییفہ وستسمع بعونہ تعالٰی انہ ھو الصحیح۔ — **اقول** اس کی خامی کا اشارہ دیا اور بعونہ تعالٰی آگے واضح ہوگا کہ یہی تعریف صحیح ہے۔ (ت)

(۱۱) بے لذت کام عبث ہے اور لذت ہو تو لعب — جوھرہ نیرہ میں ہے:

العبث کل فعل لالذۃ فیہ فاما الذی فیہ لذۃ فھو لعب[3]۔ — عبث ہر وہ کام جس میں کوئی لذت نہ ہو اور جس میں کوئی لذت ہو وہ لعب ہے (ت)

اقول یہ[ف3] اپنے اس ارسال پر بدیہی البطلان ہے نہ ہر بے لذت کام عبث جیسے دوائے تلخ پینا، نہ ہر لذت والا لعب جیسے درود شریف و نعت مقدس کا وِرد، تو بعض تعریفات مذکورہ سے اُسے مقید کرنا لازم مثلاً یہ کہ جس فعل میں غرض صحیح نہ ہو۔

(۱۲) عبث و لعب ایک شے ہیں۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے اور کثرتِ اقوال بھی اسی طرف ہے۔ ابن جریر اُس جناب مشرف بہ تشریف اللھم علمہ الکتاب سے راوی تعبثون تلعبون[4] (تم عبث کرتے ہو یعنی کھیل کود کرتے ہو۔ ت) تعبیۃً اسی طرح

ف1: تطفل اخر علیہ ف2: معروضۃ علی السید مرتضی ف3: تطفل علی الجوھرۃ

---

[1] التعریفات للسید شریف باب العین انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۶۳

[2] تاج العروس باب الثاء فصل العین دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۳۲

[3] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۷۲

[4] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۶/۱۲۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹/۱۱۱

اُن کے تلمیذ ضحاک سے روایت کیا۔ نہایہ اثیریہ و مختار الصحاح میں ہے: العبث اللعب[1] (عبث لعب ہے۔ ت) اسی طرح سمین و حمل میں ہے، و سیأتی، مصباح المنیر و قاموس میں ہے: عبث کفرح لعب[2] (عبث فرِح کی طرح (یعنی باب سمع سے ہے) کھیل کا نام ہے۔ ت) تاج العروس میں ہے:

عابث لاعب بما لا یعنیہ ولیس من بالہ[3]	عابث ایسا کھیل کرنے والا جو بے معنی ہے اور جس سے اسے کام نہیں۔ (ت)

صراح میں ہے: عبث بازی[4] (عبث ایک کھیل ہے۔ ت)

درر شرح غرر میں ہے: عبثہ ای لعبہ[5] (عبث یعنی لعب۔ ت)۔

مفردات راغب میں ہے:

العبث ان یخلط بعملہ لعبا[6] الخ	عبث یہ ہے کہ اپنے کام میں کوئی کھیل ملائے الخ
اقول وانما صار عبثا لما خلط لالذاتہ فالعبث حقیقۃ ما خلط لا ما خلط بہ۔	**اقول** وہ کام عبث اسی کھیل کی وجہ سے ہوا جو اس میں ملا دیا خود عبث نہ ہوا تو عبث حقیقۃً وہ ہے جس کو ملایا گیا وہ نہیں جس میں ملایا گیا (ت)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

العبث اللعب وقیل ما لا لذۃ فیہ واللعب ما فیہ لذۃ۔[7]	عبث کھیل کو کہتے ہیں اور کہا گیا وہ جس میں کوئی لذت نہ ہو اور لعب وہ جس میں کوئی لذت ہو۔ (ت)

---

[1] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع الباء دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/۱۵۴
مختار الصحاح باب العین موسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۴۰۷
[2] القاموس المحیط باب الثاء فصل العین مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۹
[3] تاج العروس باب الثاء " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۳۲
[4] صراح " " مطبع مجیدی کانپور ۱/۷۵
[5] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۷
[6] المفردات باب العین مع الباء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۲
[7] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۲۷۰

تفسیر ابن جریر میں ہے، عبثا العباو باطلا[1] (عبث جو لعب اور باطل ہو۔ ت)۔

یہ بارہ تعریفیں ہیں اور بعونہٖ تعالٰی بعد تنقیح سب کا مآل ایک اگرچہ ۹ و ۱۱ کی عبارات میں تقصیر واقع ہوئی اس کی تحقیق چند امور سے ظاہر **فاقول** و باللہ التوفیق **اوّلا** لعب[ف۲] و لہو و ہزل و لغو و باطل و عبث سب کا محصل متقارب ہے کہ بے ثمرو نامفید ہونے کے گرد دورہ کرتا ہے

نہایہ ابن اثیر میں ہے:

یقال لکل من عمل عملا لایجدی علیہ نفعا انما انت لاعب[2]۔

جو شخص کوئی ایسا کام کرے جو اسے کوئی فائدہ دے اس سے کہا جاتا ہے تم بس کھیل کرتے ہو۔ (ت)

علامہ خفاجی سے گزرا:

العبث کاللعب ماخلا عن الفائدۃ[3]۔

عبث، لعب کی طرح وہ کام ہے جو فائدہ سے خالی ہو۔ (ت)

تعریفات علامہ شریف میں ہے:

اللعب ھو فعل الصبیان یعقب التعب من غیر فائدۃ[4] اھ **اقول** و تعقیب التعب خرج نظرا الی الغالب ولیس شرطا لازما کما لایخفی۔

لعب وہ بچوں کا کام ہے جس کے بعد تکان آتی ہے فائدہ کچھ نہیں ہوتا اھ **اقول** بعد میں تکان ہونے کا ذکر غالب و اکثر کے لحاظ سے ہوا یہ لعب کی کوئی لازمی شرط نہیں جیسا کہ واضح ہے۔ (ت)

ف۱: مصنف کی تحقیق کہ عبث کی بارہ تعریفوں کا حاصل ایک ہے اور اس کی تعریف جامع مانع کا استخراج۔

ف۲: لعب و لہو و ہزل و لغو و باطل و عبث متقارب المعنٰی ہیں۔

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۳/۱۱۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۸/۷۸

[2] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب اللام مع العین دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۲۱۸

[3] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی تحت الآیۃ ۲۳/۱۱۵ " " " ۶/۱۱۱

[4] التعریفات للسید الشریف باب اللام انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۸۳

اصول امام فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ میں ہے:

اما الهزل فتفسیرہ اللعب وھو ان یراد بالشیئ ما لم یوضع له وضدہ الجد[1]

ھزل کی تفسیر لعب ہے وہ یہ کہ کسی شے سے وہ قصد کیا جائے جس کے لئے اس کی وضع نہ ہوئی اس کی ضد "جِد" ہے۔ (ت)

اس کی شرح کشف الاسرار میں ہے:

لیس المراد من الوضع ھٰھنا وضع اللغة لا غیر بل وضع العقل او الشرع فان الکلام موضوع عقلا لافادة معناہ حقیقة کان او مجاز او التصرف الشرعی موضوع لافادة حکمه فاذا ارید بالکلام غیر موضوعه العقلی وھو عدم افادة معناہ اصلا، ارید بالتصرف غیر موضوعه الشرعی وھو عدم افادته الحکم اصلا فھو الھزل ولھذا فسرہ الشیخ باللعب اذ اللعب ما لا یفید فائدة اصلا وھو معنی ما نقل عن الشیخ ابی منصور رحمه الله تعالٰی ان الھزل ما لا یراد به معنی[2]

یہاں وضع سے صرف وضع لغت مراد نہیں۔ بلکہ وضع عقل یا وضع شرعی بھی مراد ہے — اس لئے کہ عقلاً کلام کی وضع اِس لئے ہے کہ اپنے معنی کا افادہ کرے خواہ وہ معنی حقیقی ہو یا مجازی — اور تصرف شرعی کی وضع اس لئے ہے کہ اپنے حکم کا افادہ کرے — توجب کلام کا مقصد وہ ہو جس کے لئے عقلاً اس کی وضع نہ ہوئی — وہ یہ کہ اپنے حکم کا بالکل کوئی فائدہ نہ دے — اور تصرف کا مقصد وہ ہو جس کے لئے شرعًا اس کی وضع نہ ہوئی — وہ یہ کہ اپنے حکم کا بالکل کوئی فائدہ نہ دے — تو وہ ھزل ہے — اسی لئے شیخ نے ھزل کی تفسیر لعب سے فرمائی اس لئے کہ لعب وہ ہے جو بالکل کوئی فائدہ نہ دے اور یہی اس کا مطلب ہے جو شیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہزل وہ ہے جس سے کوئی معنی مقصود نہ ہو۔ (ت)

تو تفسیر ۶ و ۱۲ کا حاصل ایک ہے ولہذا مصباح میں عبث من باب تعب لعب

---

[1] اصول البزدوی — فصل الھزل — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی — ص ۳۴۷

[2] کشف الاسرار — 〃 — دار الکتاب العربی بیروت — ۴/۳۵۷

وعمل مالا فائدة فیہ[1] (عبث باب تعب (سمع) سے ہے اس کا معنی کھیل کیا اور بے فائدہ کام کیا ۔ ت) اور منتخب میں "عبث بفتحتین بازی وبیفائدہ" بطور عطف تفسیری لکھا۔

ثانیاً اقول جس طرح عاقل سے کوئی فعل اختیاری صادر نہ ہوگا جب تک تصور بوجہ ما وتصدیق بفائدۃ ما نہ ہو یونہی انسان کے ہوش وحواس جب تک حاضر ہیں بے کسی شغل کے نہیں رہتا خواہ عقلی ہو جیسے کسی قسم کا تصور، یا عملی جیسے جوارح سے کوئی حرکت، تو کسی قسم کا شغل ہو نفس کے لئے اس میں اپنی عادت کا حصول اور اپنے مقتضٰی کا تیسر ہے اور یہ خود اس کے لئے ایک نوع نفع ہے اگرچہ دین ودنیا میں سوا ایک جی بہلنے کی تحصیل کے اور کوئی ثمرو نفع اُس پر مرتب نہ ہو، بایں معنی کوئی فعل اختیاری فاعل کے لئے اصلاً فائدہ سے عاری محض نہ ہوگا، ہاں یہ ممکن کہ وہ فائدہ قضیۂ شرع بلکہ قضیۂ مرضیہ عقل سلیم کے نزدیک بھی مثل لافائدہ ومحض غیر معتدبہا ہو بلکہ ممکن کہ اس کا مآل ضرر یحت ہو جیسے کفار کی عبادات شاقہ عاملة ناصبة ○ تصلٰی نارا حامیة[2] عمل کریں مشقت جھیلیں اور نتیجہ یہ کہ بھڑکتی آگ میں غرق ہوں گے ۔ تو ۶ سے مقصود وہی ۷ ہے۔

ثالثاً یہ بھی ظاہر کہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہر عاقل کے نزدیک حرکت عبث ہے تو مقدار فائدہ وفعل میں اگرچہ تساوی درکار نہیں تفاوت فاحش بھی نہ ہونا ضرور ۸ سے یہی مراد، اور معتدبہ بنظر فعل ہونے سے یہی ہفتم کا مفاد۔ فائدہ کا فی نفسہا کوئی امر عظیم مہتم بالشان ہونا ہرگز ضرور نہیں بلکہ جیسا کام اُسی کے قابل فائدہ معتدبہا ہے وھذا ما کنا اشرنا الیہ (یہی وہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا۔ ت)۔

رابعاً لذتِ لعب شرع کریم وعقل سلیم کے نزدیک فائدہ معتدبہا نہیں جبکہ لہو مباح ہو اور تعب کے بعد اُس سے ترویح قلب مقصود، اب نہ وہ عبث رہے گا نہ حقیقۃً لعب، اگرچہ صورت لعب ہو۔ ولہذا حدیث میں ہے حضور سیدِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ف: مسئلہ عبادت ومحنت دینیہ کے بعد دفع کلال وملال وحصول تازگی وراحت کے لئے احیاناً کسی امر مباح میں مشغولی جیسے جائز اشعار عاشقانہ کا پڑھنا سننا شرعاً مباح بلکہ مطلوب ہے۔

---

[1] مصباح المنیر کتاب العین تحت لفظ "عبث" منشورات دارالهجرة قم ایران ۲/ ۳۸۹

[2] القرآن الکریم ۸۸/ ۳ و ۴

الهوا والعبوا فانی اکرہ ان یری فی دینکم غلظة، رواہ البیہقی[1] فی شعب الایمان عن المطلب بن عبداللہ المخزومی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

لہو ولعب (کھیل کود) کرو کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ تمہارے دین میں سختی و درشتی دیکھیں۔ اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں مطلب بن عبداللہ مخزومی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام ابن حجر مکی کف الرعاع پھر سیدی عارف باللہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اللھو المباح ماذون فیہ منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانہ فی بعض الاحوال قد لاینافی الکمال، وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الھوا والعبوا دلیل لطلب ترویح النفوس اذا سئمت وجلاھا اذا صدیت باللھو واللعب المباح[2]۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے مباح لہو کی اجازت ہے اور یہ بعض احوال میں منافی کمال نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد "کھیل کود کرو" اس بات کی دلیل ہے کہ جب طبیعت اکتا جائے اور زنگ خوردہ سی ہوجائے تو مباح لہو ولعب کے ذریعہ اسے راحت دینا اور اس کا زنگ دور کرنا مطلوب ہے۔(ت)

تو ا: بھی ان تفاسیر سے جدا نہیں کہ نہ لعب میں بوجہ لذت فائدہ معتد بہا ہوا نہ عبث سے بسبب عدم لذت فائدہ نامعتبرہ منتفی۔

خامسًا بلاشبہہ فاعل سے دفع بحث کے لئے صرف فعل فی نفسہٖ مفید ہونا کافی نہیں بلکہ ضرور ہے کہ یہ بھی اُس سے فائدہ معتد بہا بمعنی مذکورہ کا قصد کرے ورنہ اس نے اگر کسی قصد فضول و بمعنے سے کیا تو اس پر الزامِ عبث ضرور لازم،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی[3]۔

کیونکہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۶۵۴۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/۲۴۷

[2] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الاصناف التسعۃ فی بیان آفات الید مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۴۳۹

کف الرعاع الباب الثانی القسم الاول دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۵۲

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

اور قصد کے لئے علم درکار کہ مجہول کا ارادہ نہیں ہوسکتا، زید سرِ راہ بیٹھا تھا ایک کھاتا پیتا ناشناسا گھوڑے پر سوار جارہا تھا اس نے ہزار روپے اٹھا کر اُسے دے دیئے کہ نہ صدقہ نہ صلہ رحم نہ محتاج کی اعانت نہ دوست کی امداد، کوئی نیت صالحہ نہ تھی، نہ ریا یا نام وغیرہ کسی مقصد بد کا محل تھا تو اسے ضرور حرکت عبث کہیں گے اگرچہ واقع میں وہ اس کا کوئی ذی رحم ہو جسے یہ نہ پہچانتا تھا۔ مقاصد شرعیہ پر نظر کرنے سے یہ حکم خوب منجلی ہوتا ہے، رب عزوجل فرماتا ہے:

وما اٰتیتم من ربا لیربو عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔[1]

جو فزونی تم دو کہ لوگوں کے مال میں زیادت ہو وہ خدا کے نزدیک نہ بڑھے گی اور جو صدقہ دو خدا کی رضا چاہتے تو انھیں لوگوں کے دُونے ہیں۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الم تر الی الرجل یقول للرجل لاموّلنّک فیعطیہ فہذا لایربو عند اللہ، لانہ یعطیہ لغیر اللہ لیثری مالہ۔[2]

کیا تو نے نہ دیکھا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے میں تجھے مالدار کردوں گا، پھر اسے دیتا ہے تو یہ دینا خدا کے یہاں نہ بڑھے گا کہ اس نے غیر خدا کے لئے صرف اس نیت سے دیا کہ اس کا مال بڑھادوں۔

امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں:

کان ہذا فی الجاھلیۃ یعطی احدھم ذاالقرابۃ المال یکثر بہ مالہ۔[3]

یہ زمانہ جاہلیت میں تھا اپنے عزیز کا مال بڑھانے کو اسے مال دیا کرتے۔

رواھما ابن جریر (ان دونوں کو ابن جریر نے روایت کیا۔ت)۔

ف: مسئلہ صلہ رحم اور اپنے اقربا کی مواسات عمدہ حسنات سے ہے مگر اگر نیت لوجہ اللہ نہ ہو بلکہ مثلاً خون کی شرکت اور طبعی محبت کا تقاضا تو اس سے عند اللہ کچھ فائدہ نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۹

[2] جامع البیان (تفسیر الطبری) عن ابن عباس تحت الآیۃ ۳۰/ ۳۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۱/ ۵۵

[3] " " " " " بحوالہ ابراہیم النخعی " " " ۲۱/ ۵۵

دیکھو فعل فی نفسہ مثمر ثمرۂ شرعیہ ہونے کا صالح فائدہ شرعیہ یعنی صلۂ رحم ومواسات پر مشتمل تھا مگر جب کہ اس نے اس کا قصد نہ کیا بے ثمر رہا تو حاصل یہ ٹھہرا کہ دفع عبث کو فائدۂ معتد بہا بنظر فعل معلومہ مقصودہ للفاعل درکار ہے تو ان تفاسیر کا وہی مآل ہوا جو ۹ و ۱۰ میں ملحوظ تھا ـــ

مفرداتِ راغب میں ہے :

لعب فلان اذا کان فعلہ غیر قاصد بہ مقصد اصحیحا۔[1] | لعب فلاں اس وقت بولتے ہیں جب ایسا کام کرے جس سے وہ کوئی صحیح مقصد نہ رکھتا ہو (ت)۔

سادساً غرض وہی فائدۂ مقصودہ ہے اور صحیح یہی کہ معتد بہا ہو تو ۳ و ۵ بھی اسی معنی کو ادا کر رہی ہیں اور غرض میں جبکہ قصد ملحوظ ہے تو تعریف سوم و دہم اوضح واخصر تعریفات ہیں اور یہیں سے واضح ہوا کہ قول سمین وجمل العبث اللعب وما لا فائدۃ فیہ وکل مالیس فیہ غرض صحیح[2] (عبث لعب بے فائدہ جس میں غرض صحیح نہ ہو۔ ت) میں سب عطف تفسیری ہیں۔

سابعاً ہم بیان کر آئے کہ فعل اختیاری بے غرض محض صادر نہ ہوگا تو جو بے غرض کہی ہے ضرور بغرض غیر صحیح ہے تو ۱ و ۳ کا مفاد واحد ہے اور اس تقدیر پر سفہ کا مصداق افعال جنوں ہونگے۔

ثامناً شرعی سے اگر مقبول شرع عــہ مراد لیں تو وہی حاصل غرض صحیح ہے کہ ہر غرض صحیح کو اگرچہ مطلوب فی الشرع نہ ہو شرع قبول فرماتی ہے جبکہ اپنے اقوی سے معارض نہ ہو اور ہنگام معارضہ عدمِ قبول قبول فی نفسہ کا منافی نہیں جیسے حدیث احاد وقیاس کہ بجائے خود حجت شرعیہ ہیں اور معارضۂ کتاب کے وقت نامقبول، امام نسفی کا عدم فرض شرعی سے تعریف فرما کر تعلیل کراہت میں لانہ غیر مفید (اس لئے کہ یہ غیر مفید ہے۔ ت) فرمانا اس کی طرف مشعر ہو سکتا ہے اس تقدیر پر ۲ اول اور ۴ سوم کی طرف عائد۔ اور ظاہر ہوا کہ بارہ[12] کی بارہ تعریفوں کا حاصل واحد۔

اقول مگر غرض شرعی سے متبادر تر عــہ غرض مطلوب فی الشرع ہے، اب یہ تخصیص بحسب

عــہ وعن ھذا ما قال فی البحر | عــہ یہی منشا ہے اس کا جو بحر میں فرمایا کہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف : شرع کے دو معنے ہیں، مقبول فی الشرع ومطلوب فی الشرع۔

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن تحت لفظ "لعب" اللام مع العین نور محمد کارخانہ کراچی ص ۴۶۶

[2] الفتوحات الالٰہیۃ تحت الآیۃ ۲۳/ ۱۱۵ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۶۷

مقام ہوگی کہ ان کا کلام عبث فی الصلوٰۃ میں ہے تو وہاں غرض مطلوب شرعی ہی غرض صحیح ہے نہ غیر۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اختلف فی تفسیر العبث فذکر الکردری انہ فعل فیہ غرض لیس بشرعی والمذکور فی شرح الھدایۃ وغیرھا ان العبث الفعل لغرض غیر صحیح حتی قال فی النھایۃ مالیس بمفید فھو العبث[1] اھ فاقام الخلاف لاجل التعبیر فی احدھما بشرعی وفی الآخر بصحیح ومال سعدی افندی الی ان المراد بالصحیح وھو الشرعی اذ فیہ الکلام فاشار الی نحو ما نحونا الیہ ان التخصیص لخصوص المقام ولقد احسن فی البحر اذ جعل مآل فی النھایۃ وغیرھا من الشروح واحدا ولم یلتفت الی الفرق بین الغرض الغیر الصحیح وعدم الغرض ولکن کان عبارۃ العنایۃ محتملا للفرق بہ ایضا حیث نقل التعریف بما فیہ غرض غیر شرعی وبمالیس فیہ غرض صحیح ثم

عبث کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بدرالدین کردری نے فرمایا وہ ایسا کام ہے جس میں کوئی ایسی غرض ہو جو شرعی نہ ہو۔ اور شرح ہدایہ وغیرہا میں ہے کہ عبث وہ کام ہے جو غرض غیر صحیح کے سبب ہو، یہاں تک کہ نہایہ میں فرمایا: جو فائدہ مند نہیں وہی عبث ہے اھ۔ تو صاحب بحر نے ایک میں "شرعی" سے تعبیر اور دوسری میں "صحیح" سے تعبیر کی وجہ سے اختلاف قرار دیا اور سعدی آفندی کا میلان اس طرف ہے کہ صحیح سے مراد وہی شرعی ہے اس لئے کہ کلام اسی سے متعلق ہے۔ تو جس روش پر ہم چلے اسی کی جانب انہوں نے اشارہ دیا کہ یہ تخصیص خصوصیت مقام کے پیش نظر ہے۔ اور بحر میں یہ بہت خوب کیا کہ نہایہ اور اس کے علاوہ شروح کی تعبیرات کا مآل ایک ٹھہرایا اور "غرض غیر صحیح" و "عدم غرض" کے فرق پر التفات نہ کیا۔ مگر عنایہ کی عبارت اس تفریق کا بھی احتمال رکھتی تھی کیونکہ اس میں دونوں تعریفیں نقل کی، "وہ جس میں غرض غیر شرعی ہو اور وہ جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو" پھر کہا کہ:

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹

آخر یہ دیکھا کہ مٹی سے بچانے[ف۱] کے لئے دامن اُٹھانا غرض صحیح ہے اور نماز میں مکروہ کہ غرض مطلوب شرعی نہیں، اور پیشانی سے پسینہ[ف۲] پونچھنا باآنکہ غرض مطلوب فی الشرع نہیں نماز میں بلاکراہت روا جبکہ ایذادے اور شغل خاطر کا باعث ہو کہ اب اس کا ازالہ غرض مطلوب شرع ہوگیا۔ عنایہ ونہایہ و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قال ولانزاع فی الاصطلاح[۱] اھ فلذا اجاب عنہ سعدی افندی بان النفی فی التعریف الثانی داخل علی القید[۲] اھ۔ **اقول** وھو مشکل بظاھرہ فان النفی اذا استولی علی مقید بقید صدق بانتفاء ایھما کان وانما یتم بالتحقیق الذی القینا علیك ان لاوقوع للفعل الاختیاری من دون غرض اصلا اھ منہ عفی عنہ۔

اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں اھ۔ اسی لئے سعدی آفندی نے اس کا جواب دیا کہ دوسری تعریف میں نفی قید پر داخل ہے اھ۔ **اقول** اور وہ بظاہر مشکل ہے اس لئے کہ نفی جب کسی ایسی چیز پر وارد ہوتی ہے جو کسی قید سے مقید ہے تو مقید اور قید کسی کے بھی انتفاء سے نفی کا صدق ہوجاتا ہے۔ اب دونوں کے مآل میں وحدت کی بات اسی وقت تام ہوسکتی ہے جب وہ تحقیق لی جائے جو ہم نے پیش کی کہ فعل اختیاری کا وقوع بغیر کسی غرض کے ہوتا ہی نہیں (تو مالیس فیہ غرض صحیح کا مآل یہی ہوگا کہ اس کی کوئی غرض تو ضرور ہے مگر غرض صحیح نہیں ہے اور یہ صورت کہ سرے سے صحیح غیر صحیح کوئی غرض ہی نہ ہو، واقع میں اس کا وجود نہ ہوگا ۱۲م) ۱۲ منہ (ت)

ف۱: مسئلہ نماز میں مٹی سے بچانے کے لئے دامن اٹھانا مکروہ ہے۔

ف۲: مسئلہ نماز میں مُنہ پر پسینہ ایسا آیا کہ ایذا دیتا اور دل بٹتا ہے تو اس کا پونچھنا مکروہ نہیں ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

[۱] العنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۵۶
[۲] حاشیۃ سعدی آفندی علی العنایۃ " " " " " " " " " "

27 بحر وغیرہا میں ہے :

کل عمل یفید المصلی لاباس بہ لماروی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرق فی صلوتہ لیلۃ فسلت العرق عن جبینہ ای مسحہ لانہ کان یؤذیہ فکان مفیدا واذا قام فـ من سجودہ فی الصیف نفض ثوبہ یمنۃ ویسرۃ کیلا تبقی صورۃ[1]

جس کام سے مصلی کو فائدہ ہو اس میں حرج نہیں اس لئے کہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک رات نماز میں پسینہ آیا تو حضور نے جبین مبارک سے پسینہ پونچھ دیا، اس لئے کہ اس سے حضور کو تکلیف ہوتی تھی تو پونچھنا مفید تھا ــــ اور جب گرمی کے موسم میں سجدہ سے اٹھتے تو دائیں یا بائیں اپنا کپڑا جھٹک دیتے تاکہ صورت باقی نہ رہے۔ (ت)

حاشیہ سعدی افندی میں ہے :

یعنی حکایۃ صورۃ الالیۃ[2]

یعنی سرین کی صورت کی نقل نہ ظاہر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فلیس نفضہ للتراب فلا یرد ما فی البحر عن الحلیۃ انہ اذا کان یکرہ رفع الثوب کیلا یتترب لایکون نفضہ من التراب عملا مفیدا[3] اھ ورأیتنی کتبت

تو اسے جھٹکنا مٹی کی وجہ سے نہیں ــــ اس لئے وہ اعتراض وارد نہ ہوگا جو بحر میں حلیہ سے منقول ہے کہ جب خاک آلود ہونے کے اندیشے سے کپڑا اٹھالینا مکروہ ہے تو مٹی سے اسے جھاڑنا کوئی مفید عمل نہ ہوا اھ۔ اس عبارت پر میرا حاشیہ

ف : مسئلہ گرمی کے موسم میں دامن یا جامہ سرین سے مل کر ان کی صورت ظاہر کرتا ہے اس سے بچنے کے لئے کپڑا دہنے بائیں نماز میں جھٹک دینا مکروہ نہیں بلکہ مطلوب ہے اور بلا حاجت کراہت۔

---

[1] العنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ فصل ویکرہ للمصلی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۷
البحرالرائق بحوالہ النہایۃ کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃 〃 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹
ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۰

[2] حاشیۃ سعدی آفندی علی العنایۃ 〃 〃 〃 〃 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۰

علیه اقول الذی فی الحلیة[۱] ھکذا ثم فی الخلاصة والنھایة[۲] وحاصله ان کل عمل مفید للمصلی فلا باس بفعله کسلت العرق عن جبینه ونفض ثوبه من التراب وما لیس بمفید یکرہ للمصلی الاشتغال به اھ واعترض علیه بثلثة وجوہ[۱] فقال قلت لکن اذا کان یکرہ رفع الثوب کیلا یتترب (کما تقدم) وانه قد وقع[۳] الخلاف فی انه یکرہ مسح التراب عن جبهته فی الصلٰوۃ کما ستذکرہ، وانه قد وقع

یہ ہے: اقول حلیہ کی عبارت اس طرح ہے: پھر خلاصہ اور نہایہ میں ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مصلی کے لئے مفید ہو اس کے کرنے میں حرج نہیں جیسے پیشانی سے پسینہ پونچھنا، اور مٹی سے کپڑا جھاڑنا ــــ اور جو مفید نہیں ہے اس میں مشغول ہونا مصلی کے لئے مکروہ ہے اھ ــــ حلبی نے اس عبارت پر تین طرح اعتراض کیا، وہ لکھتے ہیں: میں کہوں گا (۱) جب خاک آلود ہونے کے اندیشے سے کپڑا اٹھانا مکروہ ہے تو مٹی سے اسے جھاڑنا کوئی مفید عمل نہ ہوا (۲) اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ نماز میں پیشانی سے مٹی صاف کرنا مکروہ ہے یا نہیں جیسا کہ آگے اسے ہم ذکر کریں گے۔

ع‌ ذکر فیه معترکا ولم یتخلص من

ع‌ اس میں معرکہ آرائی کی جگہ بتاتی ہے اور (باقی برصفحہ آئندہ)

ف۱: معروضة علی العلامة ش

ف۲: مسئلہ نمازی کو ہر وہ عمل کہ نماز میں مفید ہو جائز وغیر مکروہ ہے اور ہر وہ عمل جس کا فائدہ نماز کی طرف عائد نہ ہو کم از کم مکروہ وخلافِ اولٰی ہے۔

ف۳: مسئلہ سجدہ میں ماتھے پر لگی ہوئی مٹی اگر ایذا دے مثلاً اس میں باریک کنکریاں ہوں یا کثیر ہو کہ آنکھوں پلکوں پر جھڑتی ہے جب تو مطلقاً اُسے پُونچھنے میں حرج نہیں اور نہ اخیر التحیات کے ختم سے پہلے مکروہ ہے اور اس کے بعد سلام سے پہلے حرج نہیں اور سلام کے بعد اسے صاف کر دینا تو مستحب ہے بلکہ اگر ریا کا خیال ہو کہ لوگ ٹیکا دیکھ کر نمازی سمجھیں جب تو اس کا باقی رکھنا حرام ہوگا۔

ل؎ جد الممتار علی رد المحتار کتاب الصلٰوۃ باب ما یفسد الصلٰوۃ الخ المجمع الاسلامی مبارکپور، ہند ۱/ ۳۰۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کلامہ کبیر شیئ **اقول** و الاوفق الالصق باصول المذھب ان لو اٰذاہ و شغل قلبہ کأن کان فیہ صغار حصی او کان کثیرا یتناثر علی عیونہ وجفونہ مسح مطلقا ولو فی وسط الصلٰوۃ والاکرہ فی خلال الصلٰوۃ ولو فی التشھد الاخیر امابعدہ وقبل السلام فقد نصوا ان لاباس بہ بلاخلاف وبعد السلام یستحب المسح دفعا للاذی وکراھۃ المثلۃ ففی الخانیۃ لاباس بان یمسح جبھتہ من التراب والحشیش بعد الفراغ من الصلٰوۃ وقبلہ اذا کان یضرہ ذٰلک ویشغلہ عن الصلٰوۃ وان کان لایضرہ ذٰلک یکرہ فی وسط الصلٰوۃ ولایکرہ قبل التشھد و السلام[1] اھ وفی الحلیۃ وفی التحفۃ

ان کے کلام سے کوئی بڑی بات حاصل نہیں ہوتی۔ **اقول** اصولِ مذہب سے زیادہ مطابق اور ہم آہنگ یہ ہے کہ مٹی سے اگر اسے تکلیف ہو اور اس کا دل بٹے مثلاً یہ کہ اس پر کنکریوں کے ریزے ہوں یا مٹی اتنی زیادہ ہو کہ آنکھوں اور پلکوں پر جھڑ کر گرتی ہو تو اسے صاف کر دے۔ مطلقًا۔ اگرچہ درمیانِ نماز میں ہو۔۔۔ ورنہ درمیانِ نماز صاف کرنا مکروہ ہے اگرچہ تشہد اخیر میں ہو، اور اس کے بعد، سلام سے قبل صاف کرنے سے متعلق علما کی بلا اختلاف تصریح ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ۔۔۔ اور بعد سلام صاف کرنا دفع اذی اور کراہت مثلہ کے پیش نظر مستحب ہے۔ خانیہ میں ہے: اس میں حرج نہیں کہ پیشانی سے مٹی اور تنکا نماز سے فارغ ہونے کے بعد صاف کر دے اور اس سے پہلے بھی جب کہ اس سے اسے ضرر ہو اور نماز سے اس کا دل بٹتا ہو۔ اور اگر اس سے ضرر نہ ہو تو درمیانِ نماز مکروہ ہے اور تشہد و سلام سے پہلے مکروہ نہیں۔ اھ ۔۔۔ حلیہ میں ہے: تحفہ میں ہے کہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف: مسئلہ مستحب ہے کہ سجدہ میں سرِ خاک پر بلاحائل ہو۔

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الصلٰوۃ باب الحدث فی الصلٰوۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۵۷

فضلا عن الثوب فكون نفض | کرنے کی ترغیب آئی ہے تو یہ بات عیاں طور پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی ظاہر الروایۃ یکرہ فی وسطہا ولا باس بہ اذا قعد قدر التشہد[1] ونص علی انہ الصحیح ونص رضی الدین فی المحیط علی انہ الاصح الخ وفیہا نصوا علی انہ لاباس بان یمسح بعد ما فرغ من صلوتہ قبل ان یسلم[2]، قال فی البدائع بلاخلاف لانہ لو قطع الصلوۃ فی ہذہ الحالۃ لایکرہ فلأن لایکرہ ادخال فعل قلیل اولٰی[3] الخ وفیہا عن الذخیرۃ اذا مسح جبہتہ بعد السلام یستحب لہ ذٰلک لانہ خرج من الصلوۃ وفیہ ازالۃ الاذٰی عن نفسہ[4] الخ۔

اقول ولو ابقاہ معاذ اللہ ریاء

ظاہر الروایہ میں یہ درمیان نماز مکروہ ہے اور جب بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس پر نص فرمایا کہ یہی صحیح ہے اور محیط میں رضی الدین نے یہ تصریح فرمائی کہ یہ اصح ہے الخ۔ اور حلیہ میں یہ بھی ہے: علما نے تصریح فرمائی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بدائع میں فرمایا اس میں کوئی اختلاف نہیں تو فعل قلیل اختلاف نہیں کیونکہ اس حالت میں اس کا نماز قطع کردینا مکروہ نہیں تو فعل قلیل داخل کردینا بدرجۂ اولٰی مکروہ نہ ہوگا۔ اور حلیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے: بعد سلام اپنی پیشانی صاف کرے تو یہ اس کے لئے مستحب ہے اس لئے کہ وہ نماز سے باہر آچکا ہے اور اس میں اپنے سے گندگی (اذی) دور کرنا بھی ہے الخ۔

اقول اور اگر معاذ اللہ ریاکاری کے لئے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] تحفۃ الفقہاء کتاب الصلوۃ باب مایستحب فی الصلوۃ ومایکرہ فیہا دار الفکر بیروت ص ۷۲
[2] بدائع الصنائع 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ایچ ایم سعید کمپنی لاہور ۱/ ۲۱۹
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/ ۲۱۹ و ۲۲۰
[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الثوب من التراب عملا مفیدا | محلِ نظر ہے کہ مٹی سے کپڑے کو جھاڑنا کوئی مفید عمل ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الناس حرم قطعا کما لایخفی ورأیتنی کتبت علی قول البدائع لوقطع الصلوٰۃ فی ھذہ الحالۃ لایکرہ ما نصہ:

اقول کیف^ف^ لایکرہ مع ان الواجب علیہ الانھاء بالسلام لا القطع بعمل غیرہ فان اراد بالقطع الانھاء منعنا القیاس لانہ مامور بہ کیف یقاس علیہ مالیس مطلوبا وھو مالم ینھھا لایقع مایقع الافی خلالھا الاتری الی الاثنا عشریۃ قال فی الھدایۃ علی تخریج البردعی ان الخروج عن الصلوٰۃ بصنع المصلی فرض عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فاعتراض ھذہ العوارض عندہ فی ھذہ الحالۃ کاعتراضھا فی خلال الصلوٰۃ[1] اھ وفی الفتح

اسے باقی رکھے تو قطعاً حرام ہے جیسا کہ واضح ہے۔ اور بدائع کی عبارت "اس حالت میں اس کا نماز قطع کردینا مکروہ نہیں" پر میں نے اپنا تحریر کردہ یہ حاشیہ دیکھا:

اقول کیوں مکروہ نہیں جب کہ اس پر واجب یہ ہے کہ سلام پر نماز پوری کرے نہ یہ کہ سلام کے علاوہ کسی عمل سے نماز قطع کردے۔ تو اگر قطع سے ان کی مراد نماز پوری کرنا ہے تو قیاس درست نہیں کیونکہ سلام پر نماز پوری کرنے کا تو اسے حکم ہے اس پر اس عمل کا قیاس کیسے ہوسکتا ہے جو مطلوب نہیں اور جب تک وہ نماز سلام سے پوری نہ کرے جو عمل بھی ہوگا درمیانِ نماز ہی ہوگا کیا وہ مشہور بارہ مسائل پیشِ نظر نہیں — ہدایہ میں فرمایا: امام بردعی کی تخریج پر یہ ہے کہ نماز سے مصلی کا اپنے عمل کے ذریعہ باہر آنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فرض ہے۔ تو ان کے نزدیک اس حالت میں ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہی ہے جیسے نماز کے درمیان پیش آنا اھ — اور فتح القدیر میں امام

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف: تطفل علی الامام الجلیل صاحب البدائع۔

[1] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب الحدث فی الصلوٰۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۱۰

وانہ لاباس بہ مطلقا فیہ نظر ظاہر[1] اھ وانت تعلم ان اعتراضہ علی ما نقل عن الخلاصۃ والنہایۃ صحیح الی الغایۃ للتصریح فیہ ان النفض من التراب۔

اور اس میں "مطلقاً" کوئی حرج نہیں ہے اھ۔ ناظر کو معلوم ہے کہ حلبی نے خلاصہ ونہایہ سے جس طرح عبارت نقل کی ہے اس پر ان کا اعتراض بالکل درست اور بجا ہے کیونکہ اس عبارت میں مٹی سے جھاڑنے کی صراحت موجود ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ناقلا عن الکرخی انما تبطل عندہ فیہا لانہ فی اثنائہا کیف وقد بقی علیہ واجب وھو السلام وھو اٰخرھا داخلا فیہا[2] اھ فاتفق التخریجان ان ما قبل السلام داخل فی خلال الصلوٰۃ فلو لا یکرہ ما یکون فیہ مما لیس من افعال الصلوٰۃ ولا مفیدا محتاجا الیہ فتدبر اذ لا بحث مع الاطباق لاسیما من مثلی والاتباع للمنقول وان لم یظہر للعقول، واللہ تعالٰی اعلم اھ منہ غفرلہ۔

کرخی سے نقل ہے، امام صاحب کے نزدیک ان عوارض کی صورتوں میں نماز اسی لئے باطل ہوتی ہے کہ وہ ابھی اثنائے نماز میں ہے کیوں نہ ہو جب کہ ابھی اس کے ذمہ ایک واجب باقی ہے وہ ہے سلام، یہ نماز کا آخری عمل ہے اور نماز میں داخل ہے اھ ـــــ تو امام بردعی وامام کرخی دونوں حضرات کی تخریجیں اس پر متفق ہیں کہ ماقبل سلام، درمیان نماز داخل ہے تو اس حالت میں واقع ہونے والا وہ کام مکروہ کیوں نہ ہوگا جو نہ افعالِ نماز سے ہے نہ مفید ہے نہ اس کی حاجت ہے تو تدبر کرو۔ اس لئے کہ اتفاق موجود ہوتے ہوئے بحث کی ـــــ خصوصاً مجھ جیسے سے ـــــ گنجائش نہیں۔ اتباع منقول کا ہوگا اگرچہ اس کی وجہ معقول ظاہر نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم اھ منہ غفرلہ (ت)

[1] البحرالرائق بحوالہ الحلبی کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹
[2] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الحدث فی الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۳۶

اقول وانما قید بقولہ مطلقا لان الثوب ان کان مما یفسدہ التراب کأن یکون من الحدید المخلوط للرجل اوالخالص للمرأۃ وکان فی التراب نداوۃ فلولم یغسل بقی متلوثا ولو غسل فسد فحینئذ ینبغی ان لاینھی التوقی فان الضرورات تبیح المحظورات، واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول اعتراض کے الفاظ میں انھوں نے "مطلقاً" کی قید اس لئے رکھی ہے کہ اگر کپڑا ایسا ہو جو کہ مٹی سے خراب ہوجائے مثلاً مرد کا کپڑا مخلوط ریشم کا یا عورت کا خالص ریشم کا ہو اور مٹی میں نمی ہو اب اگر اسے دھوتا نہیں تو کپڑا خاک آلود رہ جاتا ہے اور دھوتا ہے تو خراب ہوتا ہے ایسی صورت میں مٹی سے بچانا ممنوع نہ ہونا چاہئے کیوں کہ ضرورتوں کے پاس ممنوعات مباح ہوجاتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

ولکن الشان ان لیس لفظ التراب لا فی الخلاصۃ ولا فی النھایۃ فنص نسختی الخلاصۃ ولا یعبث بشیئ من جسدہ وثیابہ والحاصل ان کل عمل ھو مفید لاباس بہ للمصلی وقد صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ سلت العرق عن جبینہ وکان اذا قام من سجودہ نفض ثوبہ یمنۃ و یسرۃ ومالیس بمفید یکرہ کاللعب ونحوہ[1] اھ۔

لیکن معاملہ یہ ہے کہ لفظ "تراب (مٹی)" نہ خلاصہ میں ہے نہ نہایہ میں ہے۔ میرے نسخہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے: "اور اپنے جسم یا کپڑے کے کسی حصے سے کھیل نہ کرے۔ اور حاصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مفید ہو مصلی کے لئے اس میں حرج نہیں، نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بطریق صحیح ثابت ہے کہ جبین مبارک سے پسینہ صاف کیا اور جب سجدہ سے اٹھتے تو اپنا کپڑا دائیں بائیں جھٹک دیتے ——— اور جو مفید نہیں وہ مکروہ ہے جیسے لعب اور اس کے مثل اھ۔

ف: **مسئلہ** اگر کپڑا بیش قیمت ہے جیسے ریشمیں تانے کا مرد کے لئے یا خالص ریشمی عورت کے لئے اور نماز خالی زمین پر پڑھ رہا ہے اور مٹی گیلی ہے کہ کپڑا نہ بچائے تو کیچڑ سے خراب ہوگا اور دھونے سے بگڑ جائے گا تو ایسی حالت میں بچانے کی اجازت ہونی چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۷

ونص النهاية على ما نقل فی البحر مثل ما اثرته عن العناية بمعناه وقد صرح فيه بالمراد اذ قال كيلا يتبقى صورة ولا توجه عليه لشیئ من الايرادات بيد ان الامام الحلبی ثقة حجة امين فی النقل فالظاهر انه وقع هكذا فی نسختيه الخلاصة والنهاية ولكن العجب[ف۱] من البحر نقل عبارة النهاية مصرحة بالصواب ثم عقبها بالاعتراضات الواردة على لفظ من التراب واقرها كانه ليس عنها جواب۔

اور نہایہ کی عبارت جیسے بحر میں نقل کی ہے بالمعنی اسی کی طرح ہے جو میں نے عنایہ سے نقل کی اور اس میں مراد کی تصریح کر دی ہے کیوں کہ اس میں کہا ہے: "تاکہ صورت نہ باقی رہے" اور اس عبارت پر ان تینوں اعتراضوں میں سے ایک بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ مگر امام حلبی نقل میں ثقہ، حجت، امین ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ ان کے خلاصہ اور نہایہ کے نسخوں میں عبارت اسی طرح ہوگی جیسے انھوں نے نقل کی ــــ لیکن تعجب بحر پر ہے کہ انھوں نے نہایہ کی عبارت تو صاف صحیح کی تصریح کے ساتھ نقل کی (وہ جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا) پھر بھی اس کے بعد لفظ "تراب" سے متعلق وارد ہونے والے اعتراضات نقل کر کے انھیں برقرار رکھا گویا ان کا کوئی جواب نہیں۔

یہ نہایت کلام ہے تحقیق معنیٔ عبث میں، اب تنقیحِ حکم[ف۲] کی طرف چلئے و باللہ التوفیق

اقول بیان سابق سے واضح ہوا کہ عبث کا مناط فعل میں فائدہ معتد بہا مقصود نہ ہونے پر ہے اور وہ اپنے عموم سے قصد مضر و ارادۂ شر کو بھی شامل، تو بظاہر مثل اسراف اس کی بھی دو صورتیں، ایک فعل بقصد شنیع، دوسری یہ کہ نہ کوئی بُری نیت ہو نہ اچھی۔ رب عزوجل نے فرمایا:

افحسبتم انما خلقنكم عبثا و انكم الينا لا ترجعون[۱]

کیا اس گمان میں ہو کہ ہم نے تمھیں عبث بنایا اور تم ہماری طرف نہ پلٹو گے۔

ف۱: تطفل علی البحر

ف۲: حکمِ عبث کی تنقیح۔

---

[۱] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۱۵

علمانے اس آیہ کریمہ میں عبث کو معنی دوم پر لیا یعنی کیا ہم نے تم کو بیکار بنایا، تمھاری آفرینش میں کوئی حکمت نہ تھی، یونہی بھینے پیدا ہوئے بیہودہ مرجاؤ گے نہ حساب نہ کتاب نہ عذاب نہ ثواب، جیسے وہ خبیث کہا کرتے تھے:

ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیی ومانحن بمبعوثین[۱]

یہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ ہم اٹھائے نہ جائیں گے۔ (ت)

اس پر رَد کو یہ آیت اُتری۔

کما تقدم بعض نقله وزعم العلامة الخفاجی بعد ما ذکر فی العبث ثلث عبارات تقدمت والظاهر[۲] ان المراد (ای فی هذه الکریمة) الاول اھ.

جیسا کہ اس کی کچھ نقلیں گزر چکیں ـــــ اور علامہ خفاجی نے عبث سے متعلق وہ تین عبارتیں ذکر کیں جو گزر چکیں پھر یہ کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں مراد پہلا معنی ہے اھ ـــــ

اقول اولاً علمت[ف۱] ان الکل واحد وثانیاً ان ابقینا[ف۲] التغایر فالظاهر الاخیران لان فی الهمزة انکار ماحسبوه لایجاب ما سلبوه ولیس المراد اثبات فائدة ما ولو غیر معتدبها ولهذا قال فی الارشاد بغیر حکمة بالغة[۳] واطلق الجلال لان حکم الله تعالٰی کلها بالغة

اقول اولاً یہ واضح ہو چکا کہ سب تعریفیں ایک ہی ہیں۔ ثانیاً اگر ہم تغایر باقی رکھیں تو ظاہر آخری دو تعریفیں ہیں۔ اس لئے کہ ہمزہ میں ان کے گمان کا انکار ہے تاکہ اس کا اثبات ہو جس کی انھوں نے نفی کی۔ اور مراد یہ نہیں کہ کسی بھی فائدہ کا اثبات ہو جائے اگرچہ قابل لحاظ وشمار نہ ہو۔ اور اس لئے ارشاد میں فرمایا: بغیر حکمت بالغہ کے۔ اور جلال نے مطلق رکھا، کیونکہ اللہ تعالٰی کا ہر حکم بالغ ہے

ف۱: معروضة علی العلامة الخفاجی

ف۲: معروضة اخری علیه

---

[۱] القرآن الکریم ۲۳ / ۳۷

[۲] عنایة القاضی علی تفسیر البیضاوی تحت الآیة ۲۳ / ۱۱۵ دارالکتب العلمیة بیروت ۶ / ۶۱۱

[۳] الارشاد العقل السلیم 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۶ / ۱۵۳

علی ان الحکمۃ نفسہا یستحیل ان لا یعتد بہا۔ علاوہ ازیں بذاتِ خود حکمت ناممکن ہے کہ غیر معتد بہا ہو۔ (ت)

اور سیدنا ہود علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی قوم عاد سے فرمایا:

اتبنون بکل ریع ایۃ تعبثون ○ وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون ○[1]

کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو عبث کرتے یا عبث کے لئے اور کارخانے بناتے ہو گویا تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں بعض نے کہا راستوں میں مسافروں کے لئے بے حاجت بھی جگہ جگہ علامتیں قائم کرتے تھے۔

ذکرہ فی الکبیر وتبعہ البیضاوی و ابوالسعود والجمل قال فی الانوار (ایۃ) علما للمارۃ (تعبثون) ببنائہا اذ کانوا یھتدون بالنجوم فی اسفارھم فلا یحتاجون الیھا[2] اھ فاورد ان لا نجوم بالنھار وقد یحدث باللیل من الغیوم ما یستر النجوم، واجاب فی العنایۃ بانھم لا یحتاجون الیھا غالبا اذ امر الغیم نادر لاسیما فی دیار العرب[3] اھ۔

اسے تفسیر کبیر میں ذکر کیا اور بیضاوی، ابوالسعود اور جمل نے اس کا اتباع کیا۔ انوار التنزیل بیضاوی میں ہے (نشان) گزرنے والوں کے لئے علامت (عبث کرتے ہو) اسے بنا کر ۔۔ اس لئے کہ وہ اپنے سفروں میں ستاروں سے راہ معلوم کرتے تھے تو انھیں نشانات کی حاجت نہ تھی اھ۔ اس پر اعتراض ہوا کہ دن میں ستارے نہیں ہوتے اور رات کو بھی کبھی اتنی بدلی ہو جاتی ہے کہ ستارے چُھپ جاتے ہیں ۔۔ عنایۃ القاضی میں علامہ خفاجی نے اس کا یہ جواب دیا کہ زیادہ تر انھیں اس کی حاجت نہ تھی اس لئے کہ بدلی ہونا نادر ہے خصوصاً دیارِ عرب میں۔ اھ۔

اقول اولاً ف لم یجب عن

اقول اولاً دن والی صورت سے

ف: معروضۃ ثالثۃ علیہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۲۸ و ۱۲۹

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲۶/ ۱۲۸ و ۱۲۹ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۴۷

[3] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی " " " دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۱۹۹

النهار وانما به اکثر الاسفار۔

وثانیا[1] ان سلم الندر فعمل ما یحتاج الیہ ولواحیانا لایعد عبثا قال "مع انہ لواحتیج الیہا لم یحتج الی ان یجعل فی کل ریع فان کثرتہا عبث اھ[1]"

اقول ہذا[2] منزع اٰخر فلا یرفع الایراد عن القاضی قال وقال الفاضل الیمنی ان اماکنہا المرتفعۃ تغنی عنہا فھی عبث[2] اھ۔

اقول اولا[3] ارتفاع الاماکن لایبلغ بحیث یراہا القاصد من ای مکان بعید قصد۔

وثانیا[4] ھو منزع ثالث وکلامنا فی کلام والانوار، وبالجملۃ ھو وجہ

اعتراض کا جواب نہ دیا جب کہ زیادہ تر سفر دن ہی میں ہوتے ہیں۔

ثانیا اگر بدلی کا نادرًا ہی ہونا تسلیم کرلیا جائے تو بھی ایسی چیز بنانا جس کی ضرورت پڑتی ہو اگرچہ کبھی کبھی پڑتی ہو، عبث شمار نہ ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں: باوجودے کہ اگر اس کی ضرورت ہو تو بھی اس کی ضرورت نہیں کہ ہر بلندی پر بنائیں اس لئے کہ ان نشانات کی کثرت بلاشبہہ عبث ہے اھ۔

اقول یہ ایک دوسرا رخ ہے اس سے قاضی کا اعتراض نہیں اٹھتا۔ آگے لکھتے ہیں: فاضل یمنی نے کہا: ان بلند جگہوں سے ان نشانات کا مقصد یونہی پورا ہوجاتا تھا تو یہ عبث ٹھہرے اھ۔

اقول اولا جگہوں کی اونچائی اس حد تک نہیں ہوتی کہ عازم سفر جس دور جگہ سے بھی چاہے دیکھ لے۔

ثانیا یہ ایک تیسرا رُخ ہوا۔ اور ہماری گفتگو کلام بیضاوی سے متعلق ہے۔ الحاصل

ف۱: معروضۃ رابعۃ علیہ

ف۲: معروضۃ خامسۃ علیہ

ف۳: معروضۃ سادسۃ علیہ وعلی الفاضل الیمنی۔

ف۴: معروضۃ سابعۃ علیہما۔

---

[1] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی تحت الآیۃ ۲۶ / ۱۲۸ و ۱۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷ / ۱۹۹

[2] " " " " " " " " " " " " " " "

ضعیف ولا اعلم له سندا من السلف ولقد احسن النیسابوری اذاسقطه من تلخیص الکبیر۔

یہ ایک کمزور وجہ ہے اور سلف سے اس کی کوئی سند میرے علم میں نہیں۔ اور نیشاپوری نے بہت اچھا کیا کہ تفسیر کبیر کی تلخیص سے اسے ساقط کر دیا۔

اقول وتعبیری[ف۱] اذ قلت یبنون من دون حاجۃ ایضا احسن من تعبیر الکبیر و من تبعہ کماتری۔

اقول میری یہ تعبیر کہ "بے حاجت۔ بھی بناتے تھے" تفسیر کبیر اور اس کے متبعین کی تعبیر سے بہتر ہے جیسا کہ پیشِ نظر ہے۔ (ت)

امام مجاہد و سعید بن جبیر نے فرمایا: جگہ جگہ کبوتروں کی کابکیں بناتے ہیں۔

رواہ عن الاول ابن جریر[۱] فی (أیۃ) و ھو والفریابی وسعید بن منصور وابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید وابنا المنذر وابی حاتم فی[۲] (مصانع) و عزاہ للثانی فی المعالم[۳]۔

اسے امام مجاہد سے ابن جریر نے "آیہ" کے معنی میں روایت کیا اور ابن جریر، فریابی، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے ان سے "مصانع" کے معنی میں روایت کیا۔ اور معالم التنزیل میں اسے حضرت سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا (ت)

ان دونوں تفسیروں پر یہ عبث بمعنی دوم ہوگا یعنی لغو ولہو۔ بعض نے کہا ہر جگہ اُونچے اونچے محل تکبر و تفاخر کے لئے بناتے۔

ذکرہ الکبیر و من بعدہ وللفریابی وابناء حمید وجریر والمنذر وابی حاتم عن مجاھد و تتخذون مصانع قال

اسے تفسیر کبیر میں ذکر کیا اور اس کے بعد کے مفسرین نے بھی۔ اور فریابی، ابن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے روایت کی "وتتخذون مصانع" انھوں نے کہا

ف۱: علی الامام الرازی والبیضاوی وابی السعود۔

---

[۱] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت الآیۃ ۲۶/ ۱۲۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹/ ۱۱۰

[۲] الدر المنثور بحوالہ الفریابی وغیرہ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶/ ۲۸۲

[۳] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) 〃 〃 〃 دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۳۶

قصورا مشیدۃ وبنیانا مخلدا[1] و لابن جریر عنہ قال اٰیۃ بنیان[2]۔

مضبوط محل اور دوامی عمارت۔ اور ابن جریر نے ان سے روایت کی کہ آیۃ یعنی عمارت (ت)

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے منقول ہوا جو راستے سیدنا ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جاتے ان پر محل بنائے تھے کہ ان میں بیٹھ کر خدمت رسالت میں حاضر ہونے والوں سے تمسخر کرتے۔ ذکرہ فی مفاتیح الغیب و رغائب الفرقان[3] (اسے مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) اور رغائب الفرقان (نیشاپوری) میں ذکر کیا۔ ت) یا سر راہ بناتے ہر راہگیر سے ہنستے ذکرہ البغوی والبیضاوی وابوالسعود[4] واقتصر علیہ الجلال[5] ملتزما الاقتصار علی اصح الاقوال (اسے بغوی، بیضاوی اور ابوالسعود نے ذکر کیا، اور جلالین میں صرف اسی کو بیان کیا جب کہ اس میں یہ التزام ہو کہ اس تفسیر میں صرف اصح اقوال پر اکتفا ہوگی۔ ت)

ان دونوں تفسیروں پر یہ عبث بمعنی اول ہوگا یعنی قصدِ شر و ارادۂ ضرر۔

بالجملہ دونوں معنے کا پتا قرآن عظیم سے چلتا ہے اگرچہ متعارف غالب میں اس کا استعمال معنی دوم ہی پر ہے بیہودہ و بیمعنے کام ہی کو عبث کہتے ہیں نہ کہ معاصی و ظلم و غضب و زنا و ربا وغیرہا کو۔

اذا تقرر ھذا فاقول ظھر ان لاعتب علی الامام الجلیل صاحب الھدایۃ رحمہ اللہ تعالٰی اذ یقول ان العبث خارج الصلوۃ حرام فما ظنک فی الصلوۃ[6] اھ وقد اقرہ فی العنایۃ و

جب یہ طے ہوگیا تو میں کہتا ہوں واضح ہوگیا کہ امام جلیل صاحب ہدایہ رحمہ اللہ تعالٰی پر کوئی عتاب نہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ: عبث بیرونِ نماز حرام ہے تو اندرونِ نماز سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اھ۔ اسے عنایہ و فتح القدیر میں برقرار رکھا

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ الفریابی وغیرہ تحت الآیۃ ۲۶/ ۱۲۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۲۸۲

[2] جامع البیان (تفسیر الطبری) 〃 〃 〃 〃 ۱۹/ ۱۱۰

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) 〃 〃 دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۴/ ۱۳۵

غرائب القرآن و رغائب الفرقان 〃 〃 مصطفی البابی مصر ۱۹/ ۶۵

[4] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) 〃 〃 دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۳۷

انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) 〃 〃 دارالفکر بیروت ۴/ ۲۴۸

[5] تفسیر الجلالین تحت الآیۃ ۲۶/ ۱۲۸ اصح المطابع دہلی ص ۳۱۴

[6] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۹ و ۱۲۰

الفتح وتبعه فی الدرر والغنیۃ و لفظ مولٰی خسرو انہ خارج الصلٰوۃ منھی عنہ فما ظنك فیہا[1] اھ ولفظ المحقق الحلبی العبث حرام خارج الصلٰوۃ ففی الصلٰوۃ اولٰی[2] اھ۔

اور درر وغنیہ میں اس کا اتباع کیا۔ مولٰی خسرو کے الفاظ یہ ہیں: وہ بیرونِ نماز منہی عنہ ہے تو اندرونِ نماز سے متعلق تمہارا کیا حال ہے اھ۔ اور محقق حلبی کے الفاظ یہ ہیں: عبث بیرونِ نماز حرام ہے تو اندرونِ نماز بدرجۂ اولٰی (حرام) ہوگا اھ۔

فان قلت اطلقوا وانما ھو حکم القسم الاول قلت اصل الکلام فی الصلٰوۃ وکل عبث فیہا من القسم الاول فتعین مرادا وکان اللام للعہد فحصل التفصی عما اورد[ف] السروجی فی الغایۃ وتبعہ فی البحر والشرنبلالی فی الغنیۃ وش ان العبث خارجہا بثوبہ او بدنہ خلاف الاولٰی ولا یحرم قال والحدیث ای ان اللّٰہ کرہ لکم ثلثا العبث فی الصلٰوۃ والرفث فی الصیام والضحك فی المقابر رواہ القضاعی[3] عن یحیی بن ابی کثیر مرسلا) قید بکونہ

اگر کہئے ان حضرات نے مطلق رکھا ہے اور یہ قسم اول کا حکم ہے میں کہوں گا اصل کلام نماز سے متعلق ہے اور نماز میں ہر عبث قسم اول سے ہے تو اسی کا مراد ہونا متعین ہے اور "العبث" میں لام عہد کا ہے تو اس اعتراض سے چھٹکارا ہوگیا جو سروجی نے غایہ میں وارد کیا اور صاحبِ بحر نے بحر میں اور شرنبلالی نے غنیہ میں اور شامی نے اس کی پیروی کی۔ (اعتراض یہ ہے) کہ بیرونِ نماز اپنے کپڑے یا بدن سے عبث (کھیل کرنا) خلافِ اولٰی ہے، حرام نہیں۔ اور کہا کہ: یہ حدیث "بیشک اللہ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند فرمائیں: نماز میں عبث، روزے میں بیہودگی، قبرستانوں میں ہنسنا۔ قضاعی نے یحیٰی بن ابی کثیر سے مرسلاً روایت کی"۔ اس میں عبث کے ساتھ اندرونِ نماز

ف: تطفل علی السروجی والبحر والشرنبلالی وش۔

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ الخ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۷
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کراھیۃ الصلٰوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹
[3] البحر الرائق بحوالہ القضاعی فی مسند الشہاب کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

فی الصلٰوۃ اھ۔[1] | ہونے کی قید لگی ہوئی ہے اھ۔(ت)

ظاہر ہے کہ معنی اول پر عبث ممنوع وناجائز ہوگا نہ دوم پر، اور یہاں ہمارا کلام قسم دوم میں ہے یعنی جہاں نہ قصدِ معصیت نہ پانی کی اضاعت۔

بل **اقول** لك ان تقول ان فی النظر الدقیق لاحکم علی العبث فی نفسه بالحظر والتحریم اصلا وما کان لانضمام ضمیمة ذمیمة فانما مرجعه الیها دونه وتحقیق ذٰلك انا اریناك تظافر الکلمات علی ان مناط العبث علی عدم قصد الفائدة بالفعل وھذه حقیقة متحصلة بنفسها ولیس قصد المضر اوعدم قصده من مقوماتها ولا ممایتوقف علیه وجودها کسبب وشرط فیعد من محصلاتها فاذن لیس قصد مضر الا من مجاوراتها وماکان لمجاور یکون حکما له لصاحبه الا تری ان البیع یحرم بشرط فاسد وبعد اذان الجمعة واذا سئلت

بلکہ میں کہتا ہوں تم کہہ سکتے ہو کہ بنظرِ دقیق دیکھا جائے تو خود عبث پر منع وتحریم کا حکم بالکل نہیں اور جو حکم منع کسی مذموم ضمیمہ کے شامل ہوجانے کی وجہ سے ہے اس کا مرجع اس ضمیمہ کی طرف ہے عبث کی جانب نہیں ـــــ اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہم دکھا چکے کہ کلمات کا اس پر اتفاق ہے کہ عبث کا مدار اس پر ہے کہ بالفعل فائدہ کا قصد نہ ہو۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو خود حصول وثبوت رکھتی ہے۔ اور مضر کا قصد یا عدمِ قصد اس کا نہ تو جز ہے نہ سبب وشرط کی طرح اس پر اس کا وجود موقوف ہے کہ اسے اس کا محصِّل شمار کیا جائے۔ تو کسی مضر کا قصد بس اس کا مجاور اور اس سے متصل ہی ہوسکتا ہے اور جو حکم کسی مجاور ومتصل کے سبب ہو وہ در اصل اسی متصل کا حکم ہے اس کے ساتھ والے کا نہیں ــــ دیکھئے کسی شرط فاسد سے بیع حرام ہوتی ہے

ف: تحقیق المصنف ان فی تقسیم الشیئ بحسب المجاور لایکون حکم القسم حکم المقسم۔

---

[1] البحرالرائق بحوالہ الغایۃ للسروجی کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰
غنیۃ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الاحکام علی ہامش درر الحکام " " میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۷
ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۰

عن حکم البیع قلت مشروع بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ کما ذکرہ فی غایۃ البیان وغیرھا والصلوٰۃ تکرہ فی ثیاب الحریر للرجل وفی الارض المغصوبۃ و لا یمنعك ذٰلك بان تقول اذا سئلت عن حکمہا ان الصلوٰۃ خیر موضوع فمن استطاع ان یستکثر منہا فلیستکثر کما رواہ الطبرانی[1] فی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وبالجملۃ یؤاخذ علی المعصیۃ من حیث قصد الشر لا من حیث عدم قصد الخیر وھی انما کانت عبثا من ھذہ الحیثیۃ لا من تلك فلیس الحظر حکم العبث اصلا۔

یوں ہی اذانِ جمعہ کے بعد بیع حرام ہے، اور اگر خود بیع کا حکم پوچھا جائے تو جواب ہوگا کہ جائز، اور کتاب وسنّت واجماعِ اُمّت سے مشروع ہے جیسا کہ اسے غایۃ البیان وغیرہا میں ذکر کیا ہے۔ یوں ہی نماز ریشمی کپڑے میں مرد کے لئے اور غصب کردہ زمین میں کسی کے لئے بھی مکروہ ہے لیکن اگر خود نماز کا حکم پوچھا جائے تو جواب یہی ہوگا نماز ایک وضع شدہ خیر اور نیکی ہے تو جس سے ہوسکے کہ اسے زیادہ حاصل کرے تو اُسے چاہیے کہ وہ زیادہ حاصل کرے۔ جیسا کہ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ الحاصل معصیت پر مواخذہ اس لحاظ سے ہے کہ شر کا قصد ہوا، اس لحاظ سے نہیں کہ خیر کا قصد نہ ہوا، اور وہ عبث اسی حیثیت سے ہے اُس حیثیت سے نہیں تو عبث کا حکم ممانعت بالکل نہیں۔ (ت)

اس کا حکم وہی ہے جو ابھی غایۂ سروجی وبحر الرائق وغنیہ وشرنبلالی وردالمحتار سے منقول ہوا کہ خلافِ اولٰی ہے اور یہی مفادِ درمختار ہے،

حیث قال کرہ عبثہ للنھی الالحاجۃ ولا باس بہ خارج الصلوٰۃ[2] اھ فان لاباس لما ترکہ اولٰی۔

اس کے الفاظ یہ ہیں: اس کا عبث نہی کی وجہ سے مکروہ ہے مگر یہ کہ کسی حاجت کی وجہ سے ہو اور بیرونِ نماز اس میں حرج نہیں اھ۔ اس لئے کہ لاباس (حرج نہیں) اسی کے لئے بولا جاتا ہے جس کا ترک اولٰی ہے۔ (ت)

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۴۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۱/ ۱۸۳

[2] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۱

28 اور یہی وہ ہے جو **قول سوم** میں ارشاد ہوا کہ پانی میں اسراف ذکر نا آداب سے ہے،

اما مافی الحلیة فی مسألة فرقعة الاصابع[ف۱] هل یکرہ خارج الصلوٰة فی النوازل یکرہ والظاهر ان المراد کراهة تنزیه حیث لایکون لغرض صحیح اما لغرض صحیح ولو اراحة الاصابع فلا[۱] اھ وفی[ف۲] تشبیکها بعد ذکر النهی عنه فی الصلوٰة وفی السعی الیها و لمنتظرها کمثلهم فی الفرقعة مانصه فیبقی فیما وراء هذه الاحوال حیث لایکون عبثا علی الاباحة من غیر کراهة وان کان علی سبیل العبث یکرہ تنزیها[۲] اھ وتبعه فیهما ش والبحر فی الاولی وزادانه لما لم یکن فیها خارجها نهی لم تکن تحریمیة کما اسلفناه قریبا[۳] اھ یرید ماقدمه انه

مگر حلیہ میں انگلیاں چٹخانے کے مسئلہ میں ہے: کیا یہ بیرونِ نماز بھی مکروہ ہے؟ نوازل میں ہے کہ مکروہ ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہ مراد ہے جبکہ اس کی کوئی غرض صحیح نہ ہو۔ اور اگر کسی غرض صحیح کے تحت ہو اگرچہ انگلیوں کو راحت دینا ہی مقصود ہو تو کراہت نہیں اھ۔ اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے سے متعلق نماز میں، اور نماز کے لئے جانے اور نماز کے انتظار کی حالتوں میں انگلیاں چٹخانے کی طرح نہی کا ذکر کرنے کے بعد حلیہ میں لکھا ہے: ان کے علاوہ احوال میں جہاں کہ عبث نہ ہو بغیر کسی کراہت کے اباحت پر حکم رہے گا اور اگر بطورِ عبث ہو تو مکروہ تنزیہی ہوگا اھ۔ ان دونوں مسئلوں میں شامی نے حلیہ کا اتباع کیا ہے اور بحر نے پہلے مسئلہ میں اتباع کیا ہے اور مزید یہ لکھا: چوں کہ انگلیاں چٹخانے سے متعلق بیرونِ نماز ممانعت نہیں اس لئے وہاں یہ مکروہ

ف۱: **مسئلہ** نماز میں انگلی چٹخانا گناہ وناجائز ہے یوں ہی اگر نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے یا نماز کے لئے جارہا ہے۔ اور ان کے سوا اگر حاجت ہو مثلاً انگلیوں میں بخارات کے سبب کسل پیدا ہو تو خالص اباحت ہے اور بے حاجت خلاف اولٰی وترک ادب ہے۔

ف۲: **مسئلہ** یہی سب احکام اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے کے ہیں۔

---

[۱] و [۲] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[۳] البحر الرائق کتاب الصلوٰة باب ما یفسد الصلوٰة الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

ان لم یکن الدلیل نھیا بل کان مفیدا للترك الغیر الجازم فھی تنزیھیۃ اھ وعقب الثانیۃ بقولہ وقد قدمنا عن الھدایۃ ان العبث خارج الصلٰوۃ حرام وحملناہ علی کراھۃ التحریم فینبغی ان یکون العبث خارجھا لغیر حاجۃ کذلك اھ۔

تحریمی نہیں جیسا کہ کچھ پہلے اسے ہم بیان کر چکے[1] پہلے یہ بتایا ہے کہ اگر دلیل مخالفت نہ کرتی ہو بلکہ غیر جزمی طور پر ترک کا افادہ کر رہی ہو تو کراہت تنزیہی ہوگی اھ اور بحر نے مسئلۂ دوم کے بعد یہ لکھا ہے کہ: ہم ہدایہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ بیرونِ نماز عبث حرام ہے اور اسے ہم نے کراہت تحریم پر محمول کیا تو بیرونِ نماز بے حاجت عبث کا حکم بھی یہی ہونا چاہئے[2] اھ۔

فاقول دعوی کراھۃ التنزیہ مبتنیۃ علی عدم الفرق بین خلاف الاولٰی وکراھۃ التنزیہ و زعم ان ترك کل مستحب مکروہ کما قدمنا فی التنبیہ الثالث عن الحلیۃ ان المکروہ تنزیھا مرجعہ خلاف الاولٰی و الظاھر انھما متساویان، وعن البحر ان التنزیہ فی رتبۃ المندوب وعن ش ان ترك المندوب وعن ش ان ترك المندوب مکروہ تنزیھا وقد علمت ماھو التحقیق وباللہ التوفیق۔

اس پر میں کہتا ہوں کراہت تنزیہ کا دعوٰی، خلافِ اولٰی اور کراہت تنزیہ کے درمیان عدمِ فرق پر اور اِس خیال پر مبنی ہے کہ ہر مستحب کا ترک مکروہ ہے جیسا کہ تنبیہ سوم میں حلیہ کے حوالے سے ہم نے نقل کیا کہ: مکروہِ تنزیہی کا مرجع خلافِ اولٰی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں تساوی ہے۔ اور بحر سے نقل کیا کہ کراہت تنزیہ کا مرتبہ مندوب کے مقابل ہے اور شامی سے نقل کیا کہ ترکِ مندوب مکروہ تنزیہی ہے — اور وہاں واضح ہو چکا کہ تحقیق کیا ہے، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔

اما ما عقب بہ الثانیۃ **فاقول اولا** اعجب واغرب مع انہ اسلف الاٰن ان لیس

اب رہا وہ جو بحر نے مسئلہ دوم کے بعد لکھا **تو میں کہتا ہوں اولاً** بہت زیادہ عجیب وغریب ہے باوجودے کہ ابھی انھوں نے

ف: تطفل علی البحر۔

[1] البحرالرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹
ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 〃 دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۲۹
[2] البحرالرائق 〃 〃 〃 〃 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰ و ۲۱

خارجها نهی فلا تحریمیة وثانیا حققنا ان کلام الهدایة فی القسم الاول من العبث فاجراؤہ فی الثانی غیر سدید۔

پہلے بتایا کہ بیرون نماز نہی نہیں تو مکروہ تحریمی نہیں.
ثانیا ہم تحقیق کرچکے کہ ہدایہ کا کلام عبث کی قسم اول سے متعلق ہے تو اسے قسم دوم میں جاری کرنا درست نہیں۔ (ت)

ہم اوپر بیان کر آئے کہ کراہت تنزیہی کے لئے بھی نہی و دلیل خاص کی حاجت ہے اور مطلق کوئی فعل کبھی کسی فائدہ غیر معتد بہا کے لئے کرنے سے شرع میں کون سی نہی مصروف ہے کہ کراہت تنزیہ ہو، ہاں خلاف اولٰی ہونا ظاہر کہ ہر وقت اولٰی یہی ہے کہ انسان فائدہ معتد بہا کی طرف متوجہ ہو۔ رہی حدیث صحیح:

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه، رواہ الترمذی[1] و ابن ماجة والبیهقی فی الشعب عن ابی هریرة والحاکم فی الکنی عن ابی بکر الصدیق وفی تاریخه عن علی المرتضٰی و احمد والطبرانی فی الکبیر عن السید ابن السید الحسین بن علی والشیرازی فی الالقاب عن ابی ذر والطبرانی فی الصغیر عن زید بن ثابت وابن عساکر عن الحارث بن هشام

انسان کے اسلام کی خوبی سے ہے یہ بات کہ غیر مہم کام میں مشغول نہ ہو لایعنی بات ترک کرے (اس کو ترمذی و ابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے، اور حاکم نے کُنی میں حضرت ابوبکر صدیق سے اور اپنی تاریخ میں حضرت علی مرتضٰی سے، اور امام احمد نے اور معجم کبیر میں طبرانی نے سید ابن سید حضرت حسین بن علی سے، اور شیرازی نے القاب میں حضرت ابوذر سے، اور معجم صغیر میں طبرانی نے حضرت زید بن ثابت سے، اور ابن عساکر نے حضرت حارث بن ہشام

ف: تطفل اٰخر علیه۔

---

[1] سنن الترمذی کتاب الزہد حدیث ۲۳۲۴ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۴۲
سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب کف اللسان فی الفتنة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۵
مجمع الزوائد کتاب الادب باب من حسن اسلام المرء الخ دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۸

رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حسنہ النووی وصححہ ابن عبد البر والھیثمی۔

سے، ان حضرات رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ امام نووی نے اسے حسن اور ابن عبدالبر و ھیثمی نے صحیح کہا۔ (ت)

اقول اس کا مفاد بھی اُسی قدر کہ حسن اسلام سب محسنات سے ہے اور محسنات میں سب مستحسنات بھی، نہ کہ ہر غیر مہم سے نہی، ورنہ غیر مہم تو بیکار سے بھی اعم ہے، تو سوا مہمات کے سب پر نہی اگر مباحات سراسر مرتفع ہو جائیں گے۔ لاجرم امام ابن حجر مکی شرح اربعین نووی میں فرماتے ہیں:

الذی یعنی الانسان من الامور ما یتعلق بضرورۃ حیاتہ فی معاشہ مما یشبعہ من جوع ویرویہ من عطش ویستر عورتہ ویعف فرجہ ونحو ذٰلک مما یدفع الضرورۃ دون ما فیہ تلذذ و استمتاع واستکثار وسلامتہ فی معادہ[1]

انسان کے لئے مہم امور وہ ہیں جو اس کی حیات ومعاش کی ضرورت سے وابستہ ہوں اس قدر خوراک جو اس کی بھوک دور کر کے سیری حاصل کرائے اور پانی اس کی پیاس دور کر کے سیراب کردے اور کپڑا جس سے اس کی ستر پوشی ہو اور وہ جس سے اس کی پارسائی کی حفاظت اور عفت ہو اور اسی طرح کے امور جن سے اس کی ضرورت دفع ہو اور جس میں اس کے معاد وآخرت کی سلامتی ہو وہ نہیں جس میں صرف لطف ولذت اندوزی اور کثرت طلبی ہو۔ (ت)

ابن عطیہ مالکی شرح اربعین میں ہے:

مالا یعنیہ ھو مالا تدعو الحاجۃ الیہ مما لا یعود علیہ منہ نفع اخروی والذی یعنیہ ما یدفع الضرورۃ دون ما فیہ تلذذ وتنعم وقال الشیخ یوسف بن عمر ما لا یعنیہ ھو ما یخاف فیہ فوات الاجر

لایعنی وغیر مہم امور وہ ہیں جن کی کوئی حاجت نہ ہو، جن سے کوئی اُخروی فائدہ نہ ہو۔ اور مہم امور وہ ہیں جن سے ضرورت دفع ہو نہ وہ جن میں لذت اندوزی وآسائش طلبی ہو۔ اور شیخ یوسف بن عمر نے فرمایا: لایعنی امور وہ ہیں جن میں اجر فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور

---

[1] شرح اربعین للامام ابن حجر مکی

والذی یعنیہ ھو الذی لایخاف فیہ فوات ذلك[1] اھ مختصرا۔

یعنی مہم وہ امور ہیں جن میں اجر فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اھ مختصرا۔ (ت)

علامہ احمد بن حجازی کی شرح اربعین میں ہے:

الذی یعنی الانسان من الامور مایتعلق بضرورۃ حیاتہ فی معاشہ وسلامتہ فی معادہ، ومما لایعنیہ التوسع فی الدنیا و طلب المناصب و الریاسۃ[2] اھ ملخصا۔

انسان کے لئے مہم وہ امور ہیں جو اس کی معاشی زندگی اور اُخروی سلامتی کی ضرورت سے متعلق ہوں اور لایعنی وغیر مہم امور دنیا کی وسعت اور منصب و ریاست کی طلب ہے اھ ملخصًا (ت)

تیسیر میں ہے:

الذی یعنیہ ماتعلق بضرورۃ حیاتہ فی معاشہ دون ما زاد، و قال الغزالی حد مالایعنی ھو الذی لو ترك لم یفت بہ ثواب و لم ینجز بہ ضرر[3]۔

مہم امر وہ ہے جو اس کی معاشی زندگی کی ضرورت سے وابستہ ہو وہ نہیں جو زیادہ ہو۔ اور امام غزالی نے فرمایا: لایعنی کی تعریف یہ ہے کہ اگر اسے ترک کردے تو اس سے کوئی ثواب فوت نہ ہو اور اس سے کوئی ضرر عائد نہ ہو۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

حقیقۃ مالایعنیہ مالایحتاج الیہ فی ضرورۃ دینہ ودنیاہ ولاینفعہ فی مرضاۃ مولاہ بان یکون عیشۃ بدونہ ممکنا، وھو فی استقامۃ حالہ بغیرہ متمکنا، قال الغزالی وحد مالایعنیك ان تتکلم بکل مالوسکت عنہ

لایعنی کی حقیقت یہ ہے کہ دین و دنیا کی ضرورت میں اس سے کام نہ ہو اور رضائے مولٰی میں وہ نفع بخش نہ ہو اس طرح کہ وہ اس کے بغیر زندگی گزار سکتا ہو اور وہ نہ ہو تو بھی وہ اپنی حالت درست رکھ سکتا ہو ــــ امام غزالی نے فرمایا: لایعنی کی حد یہ ہے کہ تم ایسی بات بولو جو

---

[1] شرح اربعین للامام ابن عطیہ مالکی

[2] المجالس السنیۃ فی الکلام علی الاربعین للنوویۃ المجلس الثانی عشر الخ دار احیاء الکتب العربیۃ مصر ص ۳۶ و ۳۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من حسن اسلام المرء الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۳۸۱

لم تأثم ولم تتضرر في حال
ولامآل ومثاله ان تجلس مع قوم
فتحكي معهم اسفارك وما رأيت
فيها من جبال وانهار، وما وقع لك
من الوقائع ، وما استحسنته من
الاطعمة والثياب، وما تعجبت منه من
مشائخ البلاد ووقائعهم، فهذه امور
لوسكت عنها لم تأثم ولم تتضرر، واذا
بالغت في الاجتهاد حتى لم يمتزج بحكايتك
زيادة ولانقصان ، ولا تزكية
نفس من حيث التفاخر بمشاهدة
الاحوال العظيمة ، ولا اغتياب لشخص ،
ولامذمة لشئ مما خلقه
الله تعالٰى ، فانت مع ذلك كله
مضيع زمانك ، ومحاسب على
عمل لسانك اذ تستبدل الذي
هو ادنٰى بالذي هو خير ،
لانك لوصرفت زمان الكلام في
الذكر والفكر ربما ينفتح ، لكن من
نفحات رحمة الله تعالٰى ما يعظم
جدواه ولوسبحت الله تعالٰى
بني لك بها قصر في الجنة ، و
من قدر على ان ياخذ كنزا من
الكنوز فاخذ بدله مدرة لاينتفع بها

عہ وقع في نسخة المرقاة المطبوعة مصر بدرة بالباء وهو تصحيف اهـ منه۔

نہ بولتے تو نہ گنہگار ہوتے نہ حال و مآل میں اس
سے تمھیں کوئی ضرر ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ
بیٹھ کر لوگوں سے تم اپنے سفروں کا قصہ بیان کرو
اور یہ کہ میں نے اتنے پہاڑ اتنے دریا دیکھے اور یہ یہ
واقعات پیش آئے اتنے عمدہ کھانوں اور کپڑوں
سے سابقہ پڑا، اور ایسے ایسے مشائخ بلاد سے
ملاقات ہوئی ان کے واقعات یہ ہیں۔ یہ ایسی
باتیں ہیں جو تم نہ بولتے تو نہ گنہگار ہوتے، نہ ان سے
تمھیں کوئی ضرر ہوتا۔ اور جب تمھاری پوری کوشش
یہ ہو کہ تمھاری حکایت میں نہ کسی کمی بیشی کی آمیزش
ہو، نہ ان عظیم احوال کے مشاہدہ پر تفاخر کے
اعتبار سے خودستائی کا شائبہ ہو، نہ کسی انسان
کی غیبت ہو، نہ خدائے تعالٰی کی مخلوقات میں
سے کسی شئی کی مذمت ہو تو ان ساری احتیاطوں
کے بعد بھی تم اپنا وقت برباد کرنے والے ہو اور
تم سے اپنی زبان کے عمل پر حساب ہوگا اس لئے
کہ تم خیر کے عوض اسے لے رہے ہو جو ادنٰی و
کمتر ہے، کیونکہ گفتگو کا یہ وقت اگر تم ذکر و فکر
میں صرف کرتے تو رحمتِ الٰہی کے فیوض سے
تم پر وہ در فیض کشادہ ہوتا جس کا نفع عظیم ہوتا
اگر تم خدائے بزرگ و برتر کی تسبیح کرتے تو اس کے
بدلے تمھارے لئے جنت میں ایک محل تعمیر ہوتا۔
جو ایک خزانہ لے سکتا ہو مگر اسے چھوڑ کر ایک
بے کار کا ڈھیلا اٹھالے تو وہ کھلے ہوئے خسارہ

عہ مرقاۃ کے مطبوعہ مصر نسخہ میں مدرۃ کی جگہ باء سے بدرہ چھپا ہوا ہے یہ تصحیف ہے ۱۲ منہ (ت)

کان خاسرا خسرانا مبینا، وھذا اعلٰی فرض السلامۃ من الوقوع فی کلام المعصیۃ وانی تسلم من الاٰفات التی ذکرناھا[1]۔ اور صریح نقصان کا شکار اور یہ اس مفروضہ پر ہے کہ معصیت کی بات میں پڑنے سے سلامت رہ جاؤ، اور ان آفتوں سے سلامتی کہاں جو ہم نے ذکر کیں۔ (ت)

خلاصہ ان سب نفیس کلاموں کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی امت کو لایعنی باتیں چھوڑنے کی طرف ارشاد فرماتے ہیں جتنی بات آدمی کے دین میں نافع اور ثواب الٰہی کی باعث ہو یا دنیا میں ضرورت کے لائق ہو جیسے بھوک پیاس کا ازالہ بدن ڈھانکنا یا رسائی حاصل کرنا اسی قدر امر مہم ہے اور اس سے زائد جو کچھ ہو جیسے دنیا کی لذتیں نعمتیں منصب ریاستیں غرض جملہ افعال واقوال و احوال جن کے بغیر زندگانی ممکن ہو اور ان کے ترک میں نہ ثواب کا فوت نہ اب یا آئندہ کسی ضرر کا خوف وہ سب لایعنی وہ قابل ترک ہے مثلاً لوگوں کے سامنے اپنے سفر کی حکایتیں کہ اتنے[علہ] اتنے شہر اور پہاڑ اور دریا دیکھے یہ یہ[عہ۲] معاملے پیش آئے فلاں[عہ۳] فلاں کھانے اور لباس عمدہ پائے ایسے[عہ۴] ایسے مشایخ سے

عہ۱ اقول مگر جبکہ نیت بیان عجائب صنعت وحکمت وقدرت ربانی وذکر الٰہی ہو قال اللہ تعالٰی فی الاٰفاق[2] وفی انفسکم افلا تبصرون[۲] ۱۲ منہ (اللہ تعالٰی نے فرمایا: دنیا بھر میں، اور خود تم میں کتنی نشانیاں ہیں تو کیا تمھیں سوجھتا نہیں۔ ت)

عہ۲ اقول مگر جبکہ ان کے ذکر میں اپنی یا سامعین کی منفعت دینی ہو اور خالص اُسی کا قصد کرے قال تعالٰی وذکرھم بایّٰم اللہ[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور انھیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ ت) ۱۲ منہ۔

عہ۳ اقول مگر جبکہ اس سے مقصود اپنے اوپر احسانات الٰہی کا بیان ہو کہ ایسی جگہ ایسی بے سروسامانی میں مجھ سے ناچیز کو اپنے کرم سے ایسا ایسا عطا فرمایا۔ قال اللہ تعالٰی واما بنعمۃ ربك فحدث[4] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ ت) ۱۲ منہ۔

عہ۴ اقول مگر جب کہ علمائے سنت وصلحائے امت کے فضائل کا نشر اور سامعین کو ان سے استفادہ کی طرف ترغیب مقصود ہو عند ذکر الصّٰلحین تنزل الرحمۃ[5] (صالحین کے ذکر پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ت)

ف: حدیث وائمہ کی جلیل نصیحت: لایعنی باتوں کاموں کے ترک کی ہدایت اور لایعنی کے معنٰی کا بیان۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کتاب الادب باب حفظ اللسان تحت الحدیث ۴۸۴۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۸۵ و ۵۸۶

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۵۳ [3] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۱ [4] القرآن الکریم ۱۴/ ۵ [5] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

[6] کشف الخفاء حدیث ۱۷۷۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶۵

ملنا ہوا، یہ سب باتیں اگر تو نہ بیان کرتا تو نہ گناہ تھا نہ ضرر ہوتا[عہ۱] اور اگر تو کامل کوشش کرے کہ تیرے کلام میں واقعیت سے کچھ کمی بیشی[عہ۲] نہ ہونے پائے، نہ اس تفاخر سے نفس کی تعریف نکلے کہ ہم نے ایسے ایسے عظیم حال دیکھے، نہ اس میں[عہ۳] کسی شخص کی غیبت ہو نہ اللہ تعالٰی کی پیدا کی[عہ۴] ہوئی کسی چیز کی مذمت ہو تو اتنی

عہ۱ اقول ثواب ملنا بھی ایک نوع ضرر ہے، خود امام غزالی رحمہ اللہ سے بحوالہ تیسیر اور کلام ابن عطیہ مرقاۃ میں گزرا کہ جو کچھ آخرت میں نافع ہو لایعنی نہیں، ورنہ اس کے یہ معنی لیں کہ جس کے ترک میں نہ گناہ اخروی نہ ضرر دنیوی تو تمام مستحبات بھی داخل لایعنی ہوجائیں گے اور وہ بداہۃً باطل ہے ۱۲ منہ

عہ۲ اقول یعنی وہ کمی جس سے معنی کلام بدل جائیں جیسے کسی ضروری استثنا کا ترک ورنہ جبکہ ترک کل میں گناہ نہیں ترک بعض میں کیوں ہونے لگا ۱۲ منہ۔

عہ۳ اقول مگر جبکہ جس کی برائی بیان کی وہ گمراہ بدمذہب ہو کر ان کی شناعت سے مسلمانوں کو مطلع کرنا واجبات دینیہ سے ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفہ الناس اذکروا الفاجر بما فیہ یحذرہ الناس[۱] کیا فاجر کی برائی بیان کرنے سے پرہیز رکھتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر میں جو شناعتیں ہیں بیان کرو کہ لوگ اس سے پرہیز کریں۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والامام الترمذی الحکیم فی النوادر والحاکم فی الکنٰی والشیرازی فی الالقاب وابن عدی فی الکامل والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی السنن والخطیب فی التاریخ عن معٰویۃ بن حیدۃ القشیری والخطیب فی رواۃ مالک عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما ۱۲ منہ۔

عہ۴ اقول مگر جبکہ اس میں مصلحت دینیہ ہو اور معاذ اللہ اعتراض کے پہلو سے پاک ہو جیسے کچھ لوگ کسی طرف عازم سفر ہیں ان کو بتانا کہ فلاں راستہ بہت خراب ہے اس سے نہ جانا یا کوئی کسی عورت سے نکاح چاہتا ہے اسے اس کی صورت نسب وغیرہ میں عیوب معلوم ہیں ان کو خالص خیر خواہی کی نیت سے بیان کرنا لحدیث ان فی اعین الانصار شیئا[۲] رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ۔

---

[۱] نوادر الاصول الاصل السادس والستون والمائۃ فی ذکر الفاجر دار صادر بیروت ص ۲۱۳
السنن الکبرٰی کتاب الشہادات باب الرجل من اہل الفقہ الخ " " " ۱۰/ ۲۱۰
المعجم الکبیر حدیث ۱۰۱۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/ ۴۱۸
اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ الخطیب وغیرہ کتاب آفات اللسان دار الفکر بیروت ۷/ ۵۵۶

[۲] صحیح مسلم کتاب النکاح باب ندب من اراد نکاح امرأۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۶

احتیاطوں کے بعد بھی اُس کلام کا حاصل یہ ہوگا کہ تو نے اُتنی دیر اپنا وقت ضائع کیا اور تیری زبان سے اس کا حساب ہوگا تو خیر کے عوض ادنٰے بات اختیار کر رہا ہے اس لئے کہ جتنی دیر تُو نے یہ باتیں کیں اگر اتنا وقت اللہ عزوجل کی یاد اور اس کی نعمتوں صنعتوں کی فکر میں صرف کرتا تو غالباً رحمتِ الٰہی کے فیوض سے تجھ پر وہ کھلتا جو بڑا نفع دیتا اور تسبیحِ الٰہی کرتا تو تیرے لئے جنت میں محل چُنا جاتا[1] اور جو ایک خزانہ لے سکتا ہو وہ ایک ٹھیکرا لینے پر بس کرے تو صریح زیان کار ہو، اور یہ سب بھی اُس تقدیر پر ہے کہ کلام معصیت سے بچ جائے، اور وہ آفتیں جو ہم نے ذکر کیں اُن سے بچنا کہاں ہوتا ہے۔ ظاہر ہوا کہ لایعنی جملہ مباحات کو شامل ہے نہ کہ مطلقاً مکروہ ہو، ہاں مثلاً چارپائی ڈالنے کی عادت کرلے تو غالباً اس پر باعث نہ ہوگا مگر وسوسہ اور کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ دیکھنے والے اسے موسوس جانیں گے اور بلاضرورتِ شرعیہ محلِ تہمت میں پڑنا ضرور مکروہ ہے فیذکر عنہ[2] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم[1] وفی الباب عن

کہ حضور اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے مذکور ہے کہ جو خدا اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ ہرگز تہمت کی جگہ نہ ٹھہرے اور اس باب میں امیر المومنین

[1] اقول ہر بار تسبیح الٰہی کرنے پر جنت میں ایک پیڑ بویا جانا احادیثِ کثیرہ[2] میں ہے من احادیث ابن مسعود وابن عباس وابن عمر وجابر وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اما بناء القصر فاللہ تعالٰی اعلم۔

[2] اوردہ فی الکشاف من اٰخر سورۃ الاحزاب والعلامۃ الشرنبلالی قبیل سجود السھو من مراقی الفلاح۔

[2] کشاف میں سورہ احزاب کے آخر میں اور علامہ شرنبلالی نے سجدہ سہو کے بیان میں مراقی الفلاح میں لکھا ہے۔ (ت)

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۳۳/۵۶ دارالکتاب العربی بیروت ۳/۵۵۸
کشف الخفاء حدیث ۸۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۷
مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضۃ " " ص ۲۵۸
[2] سنن الترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۴۷۵ و ۳۴۷۶ دارالفکر بیروت ۵/۲۸۶ و ۲۸۷

امیر المؤمنین[1] الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے (ت)

یہ منشاء **قول دوم** ہے۔

بالجملہ حاصلِ حکم یہ نکلا کہ بے حاجت زیادت اگر باعتقادِ سنیت ہو مطلقاً ناجائز و گناہ ہے اگرچہ دریا میں، اور اگر پانی ضائع جائے تو جب بھی مطلقاً ممنوع و مکروہ تحریمی اگرچہ اعتقادِ سنیت نہ ہو، اور اگر نہ فسادِ عقیدت نہ اضاعت تو خلافِ ادب ہے مگر عادت کرلے تو مکروہ تنزیہی۔ یہ ہے بحمد اللہ تعالٰی فقہ جامع و فکرِ نافع و درکِ بالغ و نورِ بازغ و کمالِ توفیق و جمالِ تطبیق و حسنِ تحقیق و عطرِ تدقیق، وباللہ التوفیق، والحمد للہ رب العٰلمین۔

اقول اس تنقیح جلیل سے چند فائدے روشن ہوئے:

اولاً اصل حکم وہی ہے جو امام محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب اصل میں ارشاد فرمایا کہ بقیہ احکام کے مناط عقیدت و اضاعت و عادت ہیں اور وہ نفس فعل سے زائد۔ فی نفسہ اس کا حکم اُسی قدر کہ قول سوم میں مذکور ہوا۔

ثانیاً دوم و سوم میں اُس زیادت کو اسراف سے تعبیر فرمانا محض بنظرِ صورت ہے ورنہ جب نہ معصیت نہ اضاعت تو حقیقتِ اسراف زنہار نہیں۔

ثالثاً در بارۂ زیادت منع و اجازت میں عادت و ندرت کو دخل نہیں کہ فسادِ عقیدت یا پانی کی اضاعت ہو تو ایک بار بھی جائز نہیں اور ان دونوں سے بری ہو تو بارہا بھی گناہ و معصیت نہیں کراہت تنزیہی جدا بات ہے، ہاں در بارۂ نقص یہ تفصیل ہے کہ بے ضرورت تین بار سے کم دھونے کی عادت مکروہ تحریمی اور احیاناً ہو تو بے فسادِ عقیدت صرف مکروہ تنزیہی ورنہ تحریمی کہ تثلیث سنتِ مؤکدہ ہے اور سنتِ مؤکدہ کے ترک کا یہی حکم بخلاف زیادت کہ ترکِ تثلیث نہیں بلکہ تثلیث پوری کرکے

---

[1] رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال من اقام نفسہ مقام التہمۃ فلا یلومن اساء الظن بہ ۱۲ منہ

[1] خرائطی نے مکارم الاخلاق میں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے تہمت کی جگہ اپنے آپ کو پہنچایا تو بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] کشف الخفاء بحوالہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق تحت الحدیث ۸۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۷

زیادت ہے۔

وبہ ظہر ضعف ف ما مر عن العلامۃ ش فی التنبیہ الخامس من التوفیق بین نفی البدائع الکراھۃ ای التحریمیۃ عن الزیادۃ علی الثلاث والنقص عنہا عند عدم الاعتقاد مع اشعار الفتح وغیرہ بثبوتہا اذا زاد او نقص لغیر حاجۃ بان محمل الاول اذا فعلہ مرۃ والثانی علی الاعتیاد فہذا مسلم فی النقص ممنوع فی الزیادۃ۔

اسی سے اس تطبیق کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو علامہ شامی سے ہم نے تنبیہ پنجم میں نقل کی۔ تفصیل یہ کہ صاحبِ بدائع نے تین بار سے کم وبیش دھونے سے متعلق بتایا کہ اگر (کمی بیشی کے مسنون ہونے) کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو مکروہ نہیں یعنی مکروہ تحریمی نہیں۔ اور صاحبِ فتح القدیر وغیرہ نے بتا دیا کہ اگر زیادتی یا بے حاجت کمی کرے تو کراہت ثابت ہے اگرچہ وہ تین بار دھونے کو ہی مسنون مانتا ہو۔ علامہ شامی کی تطبیق یہ ہے کہ نفی بدائع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی ایک بار کمی بیشی کا مرتکب ہُوا تو کراہت نہیں اور فتح وغیرہ کے اثبات کراہت کا معنٰی یہ ہے کہ اگر کمی یا زیادتی کی عادت کرے تو کراہت ہے۔ اس تطبیق پر کلام یہ ہے کہ کمی کی صورت میں تو یہ تسلیم ہے مگر زیادتی کی صورت میں تسلیم نہیں (جیسا کہ اوپر واضح ہوا۔ م)

اما الاستناد الی مفہوم تفریع الفتح وغیرہ المار ثمہ وقد تمسک بہ ایضا العلامۃ ط علی ان کراھۃ الاسراف کراھۃ تحریم حیث قال "اقول یاثم بالاسراف ولو اعتقد سنیۃ الثلاث فقط فلذا قالوا فی المفہوم (ای بیان مفہوم قولہم ان الحدیث

اب ایک بحث اور رہ گئی کہ فتح القدیر وغیرہ میں جیسا کہ وہاں گزرا وعید حدیث کو عدم اعتقاد پر محمول کرکے یہ تفریع کی ہے کہ اگر کسی حاجت کے تحت کمی بیشی کی تو اس میں حرج نہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بلا حاجت کمی بیشی ہے تو مکروہ ہے۔ اس تفریع کے مفہوم سے علامہ شامی نے اسراف کی کراہت پر استناد کیا ہے اور اس سے

ف: حدیث وائمہ کی جلیل نصیحت، لایعنی باتوں کاموں کے ترک کی ہدایت، اور لایعنی کے معنے کا بیان۔

محمول على الاعتقاد) حتى لو رأى سنية العدد و زاد لقصد الوضوء على الوضوء او لطمانينة القلب او نقص لحاجة فلاباس به (اى فافاد ان لو زاد بلاغرض كان فيه باس) ولو كان كما ذكر (ان لاباس الا فی الاعتقاد) لاتكره الزياد مطلقا[1] اھ مزيدا منا بين الاھلة۔

علامہ طحطاوی نے بھی اسراف کی کراہت تحریم پر استناد کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں کہتا ہوں اگر صرف تثلیث کے مسنون ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو بھی اسراف سے گنہگار ہوجائے گا۔ اسی لئے مفہوم میں ("حدیث اعتقاد پر محمول ہے" اس کلام کے مفہوم کے بیان میں) علما نے کہا ہے کہ "اگر تین کے عدد کو مسنون مانتا ہو اور وضو علی الوضو کے ارادے سے یا اطمینان قلب کے لئے زیادتی کرے یا کسی حاجت کی وجہ سے کمی کرے تو کوئی حرج نہیں"۔ یعنی اس سے مستفاد یہ ہوا کہ اگر بلاغرض زیادہ کرے تو اس میں حرج ہے) اور اگر ایسا ہوتا جیسا ذکر کیا گیا (کہ حرج صرف اعتقاد خلاف میں ہے) تو "مطلقاً" زیادتی مکروہ نہ ہوتی۔ طحطاوی کی عبارت ہلالین کے درمیان ہمارے اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔

وهذا هو منزع كلام ش بيد انه حمله على التعود واطلق ط اقول ولاطلاقه مستندات كما علمت اما[ف] تفصيل ش ان الاسراف يكره تنزيها ان وقع احيانا و تحريما ان تعود فلا اعلم من صرح به وكانه اخذه من جعل النهر

کلام شامی کا منشا بھی یہی ہے فرق یہ ہے کہ انہوں نے اسے عادت پر محمول کیا ہے اور طحطاوی نے مطلق رکھا ہے **اقول** اور ان کے اطلاق کی تائید میں کچھ قابل استناد عبارتیں ہیں جیسا کہ معلوم ہوا۔ رہی علامہ شامی کی یہ تفصیل کہ اسراف اگر احیاناً واقع ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور عادۃً ہو تو مکروہ تحریمی ہے، میرے علم میں کسی نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ علامہ شامی

[ف]: معروضة اخرى عليه

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ بیروت ۱/ ۲۷

ترکه سنة مؤکدة مع خلافه له فی حمل الکراهة علی التحریم۔

فاقول هم انفسهم فی ابانة المفهوم[۱۲] وشرح منوطهم الحکم بالاعتقاد فذکروا تصویرا لایکون فیه الزیادة والنقص لاجل الاعتقاد بل لغرض اُخر لان العاقل لابد لفعله من غرض فاذا لم یکن المشی علی ما اعتقد فلیکن ما ذکروا فلا یدل علی اداسة الامر علی هذا التصویر والا لخالف الشرح المشروح فان المشروح ناطه الاعتقاد وصرح ان لو زاد او نقص واعتقد ان الثلاث سنة لایلحقه الوعید کما تقدم عن البدائع وهذا ینوطه بشیئ اُخر غیرہ و بالجملة لانسلم ان لشرح المفهوم مفهوما ما اُخر وان[۲] سلم فمفهومه

نے شاید اس کو اس سے اخذ کیا ہے کہ صاحبِ نہر نے ترکِ اسراف کو سنّتِ مؤکدہ قرار دیا ہے باوجودیکہ صاحبِ نہر نے اسراف کی کراہت کا تحریمی ہونا ظاہر کیا تو علامہ شامی نے ان کی مخالفت کی ہے۔

اب تفریع مذکور کے مفہوم سے استناد پر **میں کہتا ہوں** وہ حضرات تو خود مفہوم کی توضیح کر رہے ہیں اور اس بات کی تشریح فرما رہے ہیں کہ حکم حدیث کو انھوں نے اعتقاد سے وابستہ رکھا ہے اسی کے لئے انھوں نے ایسی صورت پیش کی ہے جس میں زیادتی یا کمی اعتقاد کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی اور غرض کے تحت ہو۔ اس لئے کہ کار عاقل کے لئے کوئی غرض ہونا ضروری ہے۔ تو اگر اس کے اعتقاد پر نہ چلیں تو وہی ہونا چاہیے جو ان حضرات نے ذکر کیا (اب اگر اعتقاد کو بنیاد نہ مان کر مطلقًا اسراف کو مکروہِ تحریمی کہتے ہیں ۱۲م) تو یہ اس کو نہیں بتاتا کہ مدارِ کار اُس صورت پر ہے جو ان حضرات نے پیش کی ورنہ شرح اور مشروح میں مخالفت لازم آئے گی اس لئے کہ مشروح نے تو حکم کا مدار اعتقاد پر رکھا ہے اور یہ صراحت کر دی ہے کہ اگر تین بار دھونے کو سنت مانتے ہوئے زیادتی یا کمی کی تو وعید اسے لاحق نہ ہو گی جیسا کہ بدائع سے نقل ہوا۔ اور شرح حکم کو اس کے علاوہ کسی اور چیز سے وابستہ کرتی ہے۔

ف۱: معروضة ثالثة علیه وعلی العلامة ط۔

ف۲: معروضة رابعة علی ش واخری علی ط۔

معارض لمنطوق البدائع وغیرھا والمنطوق مقدم فافھم۔

الحاصل ہم یہ نہیں مانتے کہ شرح مفہوم کا کوئی دوسرا مفہوم ہوسکتا ہے۔ اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کا مفہوم بدائع وغیرھا کے منطوق کے معارض ہے اور منطوق مقدم ہوتا ہے۔ تو اسے سمجھو۔

رابعاً جبکہ حدیث نے بے قید حال ومکان زیادت ونقص پر حکمِ اسارت وظلم وتعدی فرمایا اور زیادت میں تعدی خاص مکان اضاعت میں ہے اور نقص میں خاص بحال عادت، لہذا ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے حدیث کو ایک منشاء ونیت یعنی اعتقاد سنیّت پر حمل فرمایا جس سے بے قید حال ومکان مطلقاً حکم تعدی واسارت ہو۔

خامساً بدائع وغیرہ کی تصریح کہ اگر بے اعتقاد سنیّت نقص وزیادت ہو تو وعید نہیں صحیح ونجیح ہے کہ عادت نقص یا اضاعت زیادت میں لحوق وعید اس ضم ضمیمہ پر ہے تو فعل بجائے خود اپنے منشاء وغایت ومقصد ونیت میں مواخذہ سے پاک ہے کما علمت ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (جیسا کہ واضح ہوا، اسی طرح تحقیق ہونی چاہیے، اور خدا ہی مالکِ توفیق ہے۔ ت)

الحمدللہ اس امرِ مہم اعنی حکم اسرافِ آب کا بیان ایسی وجہِ جلیل وجمیل پر واقع ہوا کہ خود ہی ایک مستقل نفیس رسالہ ہونے اور تاریخی نام:

برکات السماء فی حکم اسراف الماء

رکھنے کے قابل، والحمدللہ علی نعمہ الجلائل وصلی اللہ تعالٰی علی سید الاواخر والاوائل وآلہ وصحبہ الکرام الافاضل۔

فائدہ مہمہ[1]: وضو میں پانی زیادہ نہ خرچ ہونے کے لئے چند امور کا لحاظ رکھیں:

(۱) وضو[2] دیکھ دیکھ کر ہوشیاری واحتیاط کے ساتھ کریں، عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ وضو

ف۱: فائدہ: وہ باتیں جن کے لحاظ سے وضو میں پانی کم خرچ ہو۔

ف۲: مسئلہ وضو میں جلدی نہ چاہیے بلکہ درنگ احتیاط کے ساتھ کرے، عوام میں جو مشہور ہے کہ وضو جوانوں کا سا، نماز بوڑھوں کی سی، یہ وضو کے بارے میں غلط ہے۔

بہت جلد کرنا چاہئے اور اسی معنے پر کہتے ہیں کہ وضو نوجوان کا سا اور نماز بُوڑھوں کی سی، یہ غلط ہے بلکہ وضو میں بھی درنگ و ترکِ عجلت مطلوب ہے۔ فتح وبحر و شامی شمار آدابِ وضو میں ہے: والتأنی[1] (ٹھہر ٹھہر کر دھونا۔ت)، عالمگیریہ میں معراج الدرایہ سے ہے: لایستعجل فی الوضوء[2] (وضو میں جلدی نہ کرے۔ت)۔

اقول ظاہر ہے کہ جس شَے کے لئے شرع نے ایک حد باندھی ہے کہ اس سے نہ کمی چاہئے نہ بیشی، تو اُس فعل کو باحتیاط بجالانے ہی میں حد کا موازنہ ہوسکے گا نہ کہ لپ جھپ اناپ شناپ میں۔

(۲) بعض لوگ چُلّو لینے میں پانی ایسا ڈالتے ہیں کہ اُبل جاتا ہے حالانکہ جو گرا بیکار گیا اس سے احتیاط چاہئے۔

(۳) ہر چُلّو بھرا ہونا ضرور نہیں بلکہ جس کام کے لئے لیں اُس کا اندازہ رکھیں مثلاً ناک میں نرم بانسے تک پانی چڑھانے کو پُورا چُلّو کیا ضرور نصف بھی کافی ہے بلکہ بھرا چُلّو کُلّی کے لئے بھی درکار نہیں۔

(۴) لوٹے کی ٹونٹی متوسط معتدل چاہئے، نہ ایسی تنگ کہ پانی بدیر دے، نہ فراخ کہ حاجت سے زیادہ گرائے۔ اس کا فرق یُوں معلوم ہوسکتا ہے کہ کٹوروں میں پانی لے کر وضو کیجئے تو بہت خرچ ہوگا، یونہی فراخ ٹونٹی سے بہانا زیادہ خرچ کا باعث ہے، اگر لوٹا ایسا ہو تو احتیاط کرے پُوری دھار نہ گرائے بلکہ باریک۔

(۵) بہت بھاری برتن سے وضو نہ کرے خصوصاً کمزور کہ پُورا قابو نہ ہونے کے باعث پانی بے احتیاط گرے گا۔

(۶) اعضاف دھونے سے پہلے اُن پر بھیگا ہاتھ پھیرلے کہ پانی جلد دوڑتا ہے اور تھوڑا بہت کا کام دیتا ہے خصوصاً موسمِ سرما میں اس کی زیادہ حاجت ہے کہ اعضا میں خشکی ہوتی ہے بہتی دھار بیچ میں جگہ خالی چھوڑ جاتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

عن خلف بن ایوب انہ قال خلف بن ایوب سے روایت ہے کہ انھوں نے

ف: مسئلہ مستحب ہے کہ اعضا دھونے سے پہلے بھیگا ہاتھ پھیرلے خصوصاً جاڑے میں۔

[1] فتح القدیر	کتاب الطہارۃ	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	۳۲/۱
البحرالرائق	کتاب الطہارۃ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۲۸/۱
[2] الفتاوی الہندیۃ	الفصل الثالث فی المستحبات	نورانی کتب خانہ پشاور	۹/۱

ینبغی للمتوضئ فی الشتاء ان یبل اعضاءہ بالماء شبہ الدھن ثم یسیل الماء علیھا لان الماء یتجافی عن الاعضاء فی الشتاء کذا فی البدائع[1]۔

فرمایا، وضو کرنے والے کو چاہئے کہ جاڑے میں اپنے اعضا کو پانی سے تیل کی طرح تر کرے پھر ان پر پانی بہائے اس لئے کہ پانی جاڑے میں اعضا سے الگ رہ جاتا ہے۔ ایسا ہی بدائع میں ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الاداب امرار الید علی الاعضاء المغسولۃ والتأنی والدلك خصوصا فی الشتاء[2] اھ۔

وضو کے آداب میں یہ ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء پر ہاتھ پھیر لے، اور ٹھہر ٹھہر کر دھوئے، اور مَل لیا کرے خصوصًا جاڑے میں اھ۔ (ت)

واعترضہ فی البحر بانہ ذکر الدلك من المندوبات وفی الخلاصۃ انہ سنۃ عندنا[3] اھ وقدمناہ فی التنبیہ الثالث وقال العلامۃ ش فی المنحۃ قولہ " ذکر الدلك الخ یمکن ان یجاب عنہ بان مرادہ امرار الید المبلولۃ علی الاعضاء المغسولۃ لما قدمہ الشارح عند الکلام علی غسل الوجہ عن خلف بن ایوب (ای ما نقلناہ اٰنفا قال) لکن کان ینبغی تقییدہ بالشتاء تأمل[4] اھ۔

اس پر بحر کا اعتراض ہے کہ انھوں نے ملنے کو مندوبات میں شمار کر دیا جب کہ خلاصہ میں یہ ہے کہ وہ ہمارے نزدیک سنّت ہے اور یہ اعتراض ہم تنبیہ سوم میں ذکر کر چکے ہیں ـــ علامہ شامی منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق میں بحر کے اعتراض مذکور کے تحت لکھتے ہیں: اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ صاحبِ فتح کی مراد یہ ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لیا جائے اس کی وجہ وُہ ہے جو شارح نے غسلِ وجہ پر کلام کے تحت حضرت خلف بن ایوب سے نقل کی (وہی جو اوپر ہم نے ابھی نقل کیا) لیکن انھیں اس کے ساتھ "جاڑے" کی قید لگا دینا چاہئے تھا ـــ تامل کرو ـــ اھ۔

---

[1] البحر الرائق | کتاب الطہارۃ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۱
[2] فتح القدیر | " | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۱/۳۲
[3] البحر الرائق | " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۲۹
[4] منحۃ الخالق علی البحر الرائق | " | " " " | " "

اقول اولاً ان امرار[ف۱] ادانہ لاینداب الیہ الا فی الشتاء فممنوع لان الماء وان کان لایتجافی عن الاعضاء فی غیر الشتاء فلا شك ان البل قبل الغسل ینفع فی کل زمان فانہ یسھل مرور الماء ویقلل المصروف منہ کما ھو مجرب مشاھد فالنقل عن الامام خلف فی الشتاء لاینفیہ فی غیرہ انما یقتضی ان الحاجۃ الیہ فی الشتاء اشد وھذا قد صرح بہ المحقق حیث قال خصوصا فی الشتاء[۱]۔

وثانیاً امرار الید علی الاعضاء المغسولۃ قد افرزہ المحقق عن الدلك کما سمعت فکیف یحمل علیہ۔

لکن التحقیق ما **اقول** ان الامرار المذکور لہ ثلثۃ محتملات الاول الامرار بعد الغسل اعنی[ف۲] بعد

اقول اولاً اگر علامہ شامی کی مراد یہ ہے کہ وہ صرف جاڑے ہی میں مندوب ہے تو یہ قابلِ تسلیم نہیں اس لئے کہ غیر سرما میں پانی اگرچہ اعضاسے الگ نہیں ہوتا مگر اس میں شک نہیں کہ دھونے سے پہلے تر کرلینا ہر موسم میں مفید ہے کیوں کہ اس سے پانی بآسانی گزرتا ہے اور کم صرف ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ تجربہ ومشاہدہ سے معلوم ہے۔ تو امام خلف سے نقل اگرچہ خاص جاڑے کے لفظ کے ساتھ ہے مگر اس سے غیر سرما کی نفی نہیں ہوتی اس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ جاڑے میں ضرورت زیادہ ہے اور اس کی تو حضرت محقق نے تصریح کردی ہے اس طرح کہ انہوں نے لکھا: "خصوصاً جاڑے میں۔"

ثانیاً دھوئے جانے والے اعضا پر ہاتھ پھیرنے کو حضرت محقق نے دلك (اعضا کو ملنے) سے الگ ذکر کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارت پیش ہوئی تو اسے اس پر کیسے محمول کیا جائے گا؟ —— لیکن تحقیق وہ ہے جو **میں کہتا ہوں** کہ مذکورہ ہاتھ پھیرنے میں تین معنی کا احتمال ہے: ——

اوّل: دھولینے کے بعد ہاتھ پھیرنا یعنی پانی گرجانے

ف۱: معروضۃ علی العلامۃ ش۔

ف۲: مسئلہ ہر عضو دھو کر اس پر ہاتھ پھیر دینا چاہیے کہ پانی کی بوندیں ٹپکنا موقوف ہوجائے تاکہ بدن یا کپڑے پر نہ ٹپکیں۔

---

[۱] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲

ما انحدر الماء لنشف الباقی کیلا یترشش علی الثیاب۔

والثانی مع الغسل ای حین کون الماء بعدُ مارا علی الاعضاء وھو عین الدلک المطلوب قال فی البحر خلف ما قدمنا عن خلف الدلکُ لیس من مفھومہ (ای الغسلِ بالفتح) وانما ھو مندوب وذکر فی الخلاصۃ انہ سنۃ وحدہ امرار الید علی الاعضاء المغسولۃ اھ[1]۔

والثالث قبل الغسل ویحتاج الی التقیید بالمبلولۃ والتجوز فی المغسولۃ بمعنی ما سیغسل اوما امر بہ ان یغسل فح قد یمکن ان یراد بالدلک الثالث کما زعم العلامۃ ش وبالامرار الاول فلا ھو ینافی الافراز ولا یلزم عد الثانی من المندوبات خلافا لما ھو المذھب المذکور فی الخلاصۃ ومن القرینۃ علیہ ان المحقق بحث فی

کے بعد باقی کو خشک کرنے کے لئے ہاتھ پھیرنا تاکہ کپڑوں پر نہ ٹپکے۔

دوم: دھونے کے ساتھ ساتھ ہاتھ پھیرنا۔ یعنی جس وقت پانی اعضاء پر گر رہا ہے اُسی وقت ہاتھ پھیرتے جانا۔ یہ بعینہٖ وہی دلک (اعضاء کو ملنا) ہے جو مطلوب ہے۔ بحر میں حضرت خلف سے نقل شدہ کلام کے بعد لکھا: دلک، غسل بالفتح۔ دھونے۔ کے مفہوم میں داخل نہیں۔ وہ صرف مندوب ہے۔ اور خلاصہ میں ذکر کیا کہ سنت ہے۔ اور اس کی تعریف یہ ہے: دھوئے جانے والے اعضاء پر ہاتھ پھیرنا اھ۔

سوم: دھونے سے پہلے ہاتھ پھیرنا (فتح کی عبارت ہے: امرار الید علی الاعضاء المغسولۃ اعضائے مغسولہ پر ہاتھ پھیرنا ۱۲م) عبارت فتح کے اندر یہ معنی لینے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ہاتھ کے ساتھ "تر" کی قید لگائی جائے۔ دوسری یہ کہ "مغسولہ" میں مجاز مانا جائے اور کہا جائے کہ مغسولہ کا معنی یہ کہ وہ جو دھوئے جائیں گے یا وہ جن کے دھونے کا حکم ہے۔ ایسی صورت میں دلک (اعضاء کو ملنا) سے تیسرا معنی مراد لیا جا سکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی کا خیال ہے اور "ہاتھ پھیرنے" سے پہلا معنی مراد ہو سکتا ہے۔ یہ معنی اسے الگ ذکر کرنے

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱

كون الدلك خارجا عن حقيقة الغسل ومال الى ان المقصود بشرعية الغسل لايحصل الا به وقد اجاب عنه في الغنية بما يكفي ويشفي فيبعد ان يدخله ههنا في مجرد ادب نازل عن الاستنان ايضا خلفة عن الافتراض وقد يؤيده ايضا لفظة خصوصا في الشتاء لان الثاني صرحوا باستنانه مطلقا وانما قيدوا بالشتاء الثالث، فهذا غاية توجيه ما في المنحة وبه يندفع ايراد البحر وان كان المتبادر من الدلك هو الثاني ولذا مشى عليه في البحر واقتفينا اثره فيما مر بل مشى عليه ش نفسه في رد المحتار واعترض على الفتح بما اعترض في البحر قائلا لكن قدمنا ان الدلك سنة

کے خلاف پڑے گا۔ اور یہ بھی لازم آئے گا کہ انھوں نے دوسرے معنی کو خلاصہ میں ذکر شدہ مذہب کے برخلاف، مندوبات میں شمار کردیا ــــ اور اس پر ایک قرینہ بھی ہے وہ یہ کہ حضرت محقق نے دلک (بمعنی دوم) کے حقیقتِ غسل سے خارج ہونے پر بحث کی ہے اور ان کا میلان اس طرف ہے کہ دھونے کی مشروعیت کا جو مقصود ہے وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اس بحث کا صاحبِ غنیہ نے کافی وشافی جواب دے دیا ہے (مگر جب وہاں دلک کو عینِ غسل اور نفسِ فرض قرار دینے کی طرف مائل ہیں ۱۲م) تو بعید ہے کہ یہاں فرضیت کے بدلے مسنونیت سے بھی فروتر صرف ایک ادب کے تحت اسے داخل کردیں ــ اور ان کے لفظ " خصوصاً جاڑے میں " سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ معنی دوم کے تو مطلقاً مسنون ہونے کی علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ اور جاڑے کی قید صرف معنی سوم میں لگائی ہے۔ یہ منحۃ الخالق کے جواب کی انتہائی توجیہ ہے اور اسی سے بحر کا اعتراض بھی دفع ہوجاتا ہے۔ اگرچہ لفظ دلک سے متبادر وہی معنی دوم ہے اسی لئے صاحبِ بحر اسی پر گئے ہیں اور سابق میں ہم نے بھی ان ہی کے نشانِ قدم کی پیروی کی ہے۔ بلکہ خود علامہ شامی ردالمحتار میں اسی پر گام زن ہیں اور فتح پر وہی اعتراض کیا ہے جو بحر نے کیا، وہ لکھتے ہیں: لیکن ہم پہلے ذکر کرچکے کہ دلک سنت ہے۔

قال ولعل المراد بما قبله (ای امرار الید) امرارها علیه مبلولة قبل الغسل تأمل اھ[1]۔

اقول قد علمت[ف1] ان ھذا اضعف احتمالاتہ واذا کان ھذا مرادہ فحمل الدلك علیہ یکون تکرار بلا شك، فان قلت ذکر المحقق بعدہ من الاداب حفظ ثیابہ من المتقاطر[2] فیحمل الامرار علی الاول یتکرر مع ھذا **قلت** امرار الید وان کان معلولا بالحفظ تعلیل الفعل بغایتہ فلیس علة کافیة لحصولہ بحیث لایحتاج بعدہ فی الحفظ الی احتراس سواہ فلایکون ذکرہ مغنیا عن ذکر الحفظ۔

اور کہتے ہیں: شاید ما قبل (یعنی ہاتھ پھیرنے) سے مراد دھونے سے پہلے اعضاء پر تر ہاتھ پھیرنا ہے، تامل کرو، اھ۔

اقول واضح ہوچکا کہ اس لفظ میں یہ سب سے ضعیف احتمال ہے، اگر اس لفظ سے یہ ان کی مراد ہو تو اس پر "دلک" کو محمول کرنے میں بلاشبہہ تکرار لازم آئے گی۔ **اگر سوال ہو** کہ حضرت محقق نے اس کے بعد آداب میں "ٹپکنے والے پانی سے کپڑوں کو بچانا" بھی شمار کیا ہے۔ تو ہاتھ پھیرنے سے اگر معنی اول مراد لیا جائے تب بھی تو یہاں آکر تکرار ہوجائے گی؛ **تو میں جواباً کہوں گا** اگرچہ ہاتھ پھیرنے کی علت "کپڑوں کی حفاظت" بتائی گئی ہے جیسے کسی فعل کی علت اس کی غایت کو بتایا جاتا ہے مگر یہ ہاتھ پھیرنا بچاؤ حاصل ہونے کے لئے ایسی کافی علت نہیں ہے کہ اس کے بعد بچاؤ میں مزید کسی احتیاط اور ہوشیاری برتنے کی ضرورت ہی نہ ہو تو ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہوجانے کے بعد بھی اس کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ ٹپکنے والے پانی سے کپڑوں کے بچانے کو مستقلاً ذکر کیا جائے۔

ثم اقول عجب[ف2] للبحر

ثم اقول صاحبِ بحر پر تعجب ہے

ف1: معروضة علی ش

ف2: تطفل علی البحر

[1] رد المحتار کتاب الطہارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۵

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲

جزم ھھنا بندب الدلك و نسب الاستنان للخلاصۃ کغیرالمرتضی لہ واعترض ثمہ علی المحقق بان فی الخلاصۃ انہ سنۃ عندنا[1]

کہ یہاں دلک کے مندوب ہونے پر جزم کیا اور مسنون ہونے کو خلاصہ کی طرف یوں منسوب کیا جیسے یہ ان کا پسندیدہ نہیں، اور وہاں حضرت محقق پر یہی اعتراض کیا ہے کہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ہمارے نزدیک سنت ہے۔

(۷) کلائیوں پر بال ہوں تو ترشوادیں کہ اُن کا ہونا پانی زیادہ چاہتا ہے اور مونڈنے سے سخت ہوجاتے ہیں اور تراشنا مشین سے بہتر کہ خوب صاف کردیتی ہے اور سب سے احسن و افضل نورہ ہے کہ ان اعضا میں یہی سنّت سے ثابت۔ ابن ماجہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا اطلی بدأ بعورتہ فطلاھا بالنورۃ و سائر جسدہ اھلہ[2]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نورہ کا استعمال فرماتے تو سترِ مقدس پر اپنے دستِ مبارک سے لگاتے اور باقی بدن مبارک پر ازواجِ مطہرات لگادیتیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وعلیھن وبارک وسلم۔

اور ایسا نہ کریں تو دھونے سے پہلے پانی سے خوب بھگولیں کہ سب بال بچھ جائیں ورنہ کھڑے بال کی جڑ میں پانی گزر گیا اور نوک سے نہ بہا تو وضو نہ ہوگا۔

(۸) دست و پا پر اگر لوٹے سے دھار ڈالیں تو ناخنوں سے کُہنیوں یا گٹّوں کے اوپر تک علی الاتصال اُتاردیں کہ ایک بار میں ہر جگہ پر ایک ہی بار گرے پانی جبکہ گر رہا ہے اور ہاتھ کی روانی میں دیر ہوگی تو ایک جگہ پر مکرر گرے گا۔

(۹) بعض لوگ یُوں کرتے ہیں کہ ناخن سے کُہنی یا گِٹّے تک بہاتے لائے پھر دوبارہ سہ بارہ

ف: مسئلہ ہاتھ، پاؤں، سینہ، پشت پر بال ہوں تو نورہ سے دور کرنا بہتر ہے۔ اور مُوئے زیرِ ناف پر بھی استعمالِ نورہ آیا ہے۔

---

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹

[2] سنن ابن ماجۃ ابواب الادب باب الاطلاء بالنورۃ " " " ص ۲۷۴

کے لئے جو ناخن کی طرف لے گئے تو ہاتھ نہ روکا بلکہ دھار جاری رکھی ایسا نہ کریں کہ تثلیث کے عوض پانچ بار ہو جائے گا بلکہ ہر بار کہنی یا گِٹّے تک لاکر دھار روک لیں اور رُکا ہوا ہاتھ ناخنوں تک لے جاکر وہاں سے پھر اجرا کریں کہ سنت[1] یہی ہے کہ ناخن سے کہنیوں یا گٹوں تک پانی بہے نہ اس کا عکس، کما نص علیہ فی الخلاصۃ وغیرھا (جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں اس کی تنصیص کی ہے۔ ت)۔

(۱۰) قول جامع یہ ہے کہ سلیقہ سے کام لیں، سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

قد یرفق بالقلیل فیکفی و یخرق الکثیر فلایکفی ذکرہ الامام النووی فی شرح مسلم[1] و اوردہ الامام العینی فی شرح البخاری بلفظ قد یرفق الفقیہ بالقلیل فیکفی و یخرق الاخرق فلا یکفی[2]

یعنی سلیقہ سے اٹھاؤ تو تھوڑا بھی کافی ہو جاتا ہے اور بدسلیقگی برتو تو بہت بھی کفایت نہیں کرتا (اسے امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا اور امام عینی نے شرح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا)۔

فائدہ[2]: اوپر حدیث گزری کہ وَلْہان نام شیطان وضو میں وسوسہ ڈالتا ہے اس کے وسوسہ سے بچو، دفعِ وسوسہ کے لئے بہترین تدبیر ان باتوں کا التزام ہے:

(۱) رجوع الی اللہ و اعوذ[1] و لاحول[2] و سورۂ ناس[3] کی قرارت اور اٰمَنْتُ[4] بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کہنا اور ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ[3] o ان سے

---

[1]: **مسئلہ** سنت یہ ہے کہ پانی ہاتھ پاؤں کے ناخن کی طرف سے کہنیوں اور گٹوں کے اوپر تک ڈالیں اُدھر سے ادھر کو نہ لائیں۔

[2]: **فائدہ جلیلہ**: دفع وسواس کی دعائیں اور علاج۔

---

[1] شرح صحیح مسلم للامام النووی کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء دار الفکر بیروت ۲/ ۱۳۷۳

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء بالمد تحت الحدیث ۲۰۱-۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۴۱

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

فوراً وسوسہ دفع ہوجاتا ہے اور[1] سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْخَلَّاقِ ۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ[1] کی کثرت اُسے جڑسے قطع کردیتی ہے۔ حدیث میں ہے ایک صاحب نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر وسوسہ کی شکایت کی کہ نماز میں پتا نہیں چلتا دو پڑھیں یا تین۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذاوجدت ذٰلك فارفع اصبعك السبابة الیمنی فاطعنه فی فخذك الیسری وقل بسم اللّٰه فانها سکین الشیطان۔ رواه البزار[2] والطبرانی عن والد ابی الملیح ورواه ایضا الحکیم الترمذی۔

جب تُو ایسا پائے تو اپنی داہنی انگشتِ شہادت اُٹھاکر اپنی بائیں ران میں مار اور بسم اللہ کہہ کہ وہ شیطان کے حق میں چُھری ہے (اس کو بزار اور طبرانی نے ابو ملیح کے والد سے روایت کیا ہے اور حکیم ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ت)

(۲) وسوسہ کی نہ سُننا اس پر عمل نہ کرنا اس کے خلاف کرنا، اس بلائے عظیم کی عادت ہے کہ جس قدر اس پر عمل ہو اُسی قدر بڑھے اور جب قصداً اس کا خلاف کیا جائے تو باذنہٖ تعالٰی تھوڑی مدت میں بالکل دفع ہوجائے۔ عمرو بن مُرّہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ماوسوسة باولع ممن یراها تعمل فیه۔ رواه ابن ابی شیبة[3]۔

شیطان جسے دیکھتا ہے کہ میرا وسوسہ اس میں کارگر ہوتا ہے سب سے زیادہ اسی کے پیچھے پڑتا ہے۔ (اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔ ت)

امام ابن حجر مکی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں مجھ سے بعض ثقہ لوگوں نے بیان کیا کہ دو وسوسہ والوں کو نہانے کی ضرورت ہوئی دریائے نیل پر گئے طلوعِ صبح کے بعد پہنچے، ایک نے دوسرے سے کہا: تُو اُتر کر غوطے لگا میں گنتا جاؤں گا اور تجھے بتاؤں گا کہ پانی تیرے سارے سر کو پہنچا یا نہیں۔ وہ اُترا اور غوطے لگانے شروع کئے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی تھوڑی سی جگہ تیرے سر میں باقی ہے وہاں پانی نہ پہنچا،

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۱۹

[2] کنز العمال بحوالہ طب والحکیم عن ابی الملیح حدیث ۱۲۷۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۵۲
المعجم الکبیر حدیث ۵۱۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۱۹۲
مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی والبزار کتاب الصلوٰۃ باب السہو فی الصلوٰۃ دار الکتاب بیروت ۲/ ۱۵۱

[3] المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الطہارات حدیث ۲۰۵۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۷۹

ایک صبح سے دوپہر ہوگیا آخر تھک کر باہر آیا اور دل میں شک رہا کہ غسل اُترا یا نہیں۔ پھر اس نے اس دوسرے سے کہا: اب تو اُتر میں گنوں گا۔ اُس نے ڈبکیاں لگائیں اور یہ کہتا جاتا ہے کہ ابھی سارے سر کو پانی نہ پہنچا، یہاں تک کہ دوپہر سے شام ہوگئی، مجبور وہ بھی دریا سے نکل آیا اور دل میں شبہہ کا شبہہ ہی رہا، دن بھر کی نمازیں کھوئیں اور غسل اُترنے پر یقین نہ ہونا تھا نہ ہوا، والعیاذ باللہ تعالٰی، ذکرہ فی الحدیقۃ الندیۃ[1] (اسے حدیقہ ندیہ میں بیان کیا گیا۔ ت) یہ وسوسہ ماننے کا نتیجہ تھا۔

اور صالحین میں سے ایک صاحب فرماتے ہیں مجھے دربارۂ طہارت وسوسہ تھا، راستہ کی کیچڑ اگر کپڑے میں لگ جاتی اُسے دھوتا (حالانکہ شرعاً جب تک خاص اُس جگہ نجاست کا ہونا ثابت و متحقق نہ ہو حکمِ طہارت ہے) ایک دن نمازِ صبح کے لئے جاتا تھا راہ کی کیچڑ لگ گئی میں نے دھونا چاہا اور خیال آیا کہ دھوتا ہوں تو جماعت جاتی ہے، ناگاہ اللہ عزوجل نے مجھے ہدایت فرمائی میرے دل میں ڈالا کہ اس کیچڑ میں لوٹ اور سب کپڑے سان لے اور یونہی نماز میں شریک ہوجا، میں نے ایسا ہی کیا، پھر وسوسہ نہ ہوا۔ ذکرہ فی الطریقۃ المحمدیۃ[2] (اسے طریقہ محمدیہ میں ذکر کیا گیا۔ ت) یہ اس کی مخالفت کی برکت تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا احدکم اذا کان فی المسجد جاء الشیطان فابس بہ کما یبس الرجل بدابتہ فان اسکن لہ وثقہ او الجمہ۔

جب تم میں کوئی مسجد میں ہوتا ہے شیطان آکر اس کے بدن پر ہاتھ پھیرتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے گھوڑے کو رام کرنے کے لئے اس پر ہاتھ پھیرتا ہے پس اگر وہ شخص ٹھہرا رہا یعنی اسکے وسوسہ سے فوراً الگ نہ ہوگیا تو اسے باندھ لیتا یا لگام دے دیتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس حدیث کو روایت کرکے فرمایا:

انتم ترون ذٰلک اما الموثوق فتراہ مائلا کذا لایذکر اللہ

یعنی حدیث کی تصدیق تم آنکھوں دیکھ رہے ہو وہ جو بندھا ہوا ہے اُسے تو دیکھے گا یُوں جھکا ہوا

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی النوع الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۹۱

[2] الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث فی علاج الوسوسۃ الخ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/۳۳۰

واما الملجم ففاتح فاہ لایذکر اللہ عزوجل۔ رواہ الامام احمد۔[1]

کہ ذکرِ الٰہی نہیں کرتا اور وہ جو لگام دیا ہوا ہے وُہ منہ کھولے ہے اللہ تعالٰی کا ذکر نہیں کرتا (اسے امام احمد نے روایت کیا۔ ت)۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وجد احدکم فی بطنہ شیئا فاشکل علیہ اخرج منہ شیئ ام لا فلا یخرج من المسجد حتی یسمع صوتا اویجد ریحا رواہ مسلم والترمذی[2] عن ابی ھریرۃ و لاحمد والترمذی وابن ماجۃ والخطیب عنہ مختصرا بلفظ لاوضوء الا من صوت اوریح[3] ولاحمد والشیخین وابی داؤد والنسائی وابناء ماجۃ وخزیمۃ وحبان عن عباد بن تمیم عن عمہ عبد اللہ

جب تم میں کوئی اپنے شکم میں کچھ محسوس کرے جس سے اس پر اشتباہ ہو جائے کہ اس سے کچھ خارج ہوا یا نہیں تو وہ مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سُنے یا بُو پائے ــ اسے مسلم و ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔ اور ان سے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور خطیب نے مختصراً ان الفاظ میں روایت کیا ہے، وضو نہیں مگر آواز یا بُو سے ــ اور امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان کی روایت عباد بن تمیم سے ہے، وہ اپنے چچا عبداللہ

ع وقع ھھنا فی نسخۃ کنز العمال المطبوعۃ بحیدر اباد عن عمر مکان عن عمہ وھو تصحیف شدید فاجتنبہ اھ منہ۔

ع یہاں کنز العمال کے نسخہ مطبوعہ حیدر آباد میں عن عمہ کی جگہ عن عمر چھپ گیا ہے اور یہ شدید قسم کی تصحیف ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا چاہئے اھ منہ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۳۰

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب الدلیل علی ان من تیقن الطہارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۸

سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی الوضوء من الریح حدیث ۷۵ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۳۴

[3] 〃 〃 〃 ۷۴ 〃 〃 〃

سنن ابن ماجہ 〃 باب لاوضوء الا من حدث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۱۰ و ۴۳۵

بن زید بن عاصم قال شکی الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجل یخیل الیہ انہ یجد الشئ فی الصلٰوۃ قال لا تنصرف حتی تسمع صوتا او تجد ریحا[1] ولاحمد وابی یعلٰی عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الشیطان لیأتی احدکم وھو فی صلٰوتہ فیأخذ بشعرۃ من دبرہ فیمدھا فیری انہ قد احدث فلا ینصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحا[2] ورواہ عنہ سعید بن منصور مختصرا نحو المرفوع من حدیث عباد وللبزار عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یأتی احدکم الشیطان فی الصلٰوۃ فینفخ فی مقعدتہ فیخیل انہ احدث ولم یحدث فاذا وجد ذلک فلا ینصرف حتی

بن زید بن عاصم سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں ایک شخص نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس یہ شکایت عرض کی کہ اسے خیال ہوتا ہے کہ نماز میں کچھ محسوس کر رہا ہے۔ سرکار نے فرمایا: نماز سے نہ پھرو یہاں تک کہ آواز سنو یا بُو پاؤ۔ اور امام احمد و ابو یعلٰی حضرت ابو سعید سے وہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ تم میں کوئی نماز میں ہوتا ہے اور شیطان اس کے پاس آکر اس کے پیچھے سے کوئی بال کھینچتا ہے جس سے وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کا وضو جاتا رہا، ایسا ہو تو وہ نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سُنے یا بُو پائے — اور اسے ان سے سعید بن منصور نے مختصراً حضرت عباد کی حدیث کے مرفوع الفاظ کے ہم معنی ذکر کیا ہے — اور بزار حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ تم میں کسی کے پاس نماز میں شیطان آکر اس کے پیچھے پھونک دیتا ہے جس سے اس کو خیال ہوتا ہے کہ مجھے حدث ہوگیا حالانکہ اسے حدث نہ ہوا تو کوئی ایسا محسوس کرے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب لا یتوضأ من الشک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵
صحیح مسلم کتاب الحیض الدلیل علی ان من تیقن الطہارۃ 〃 ۱/ ۱۵۸
سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الریح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷
سنن ابی داؤد 〃 باب اذا شک فی الحدث آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳
سنن ابن ماجۃ ابواب الطہارۃ باب لا وضوء الا من حدث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

[2] الجامع الصغیر بحوالہ حم ع حدیث ۲۰۲۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲۴

يسمع صوتا او يجد ريحا[1] ورواه عنه الطبرانی فی الكبير مختصرا بلفظ من خيل له فی صلٰوته انه قد احدث فلا ينصرف حتی يسمع صوتا او يجد ريحا[2] ولعبد الرزاق وابن ابی الدنيا عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال ان الشيطان ليطيف باحدكم فی الصلٰوة ليقطع عليه صلٰوته فاذا اعياه ان ينصرف نفخ فی دبره يريه انه قد احدث فلا ينصرفن احدكم حتی يجد ريحا او يسمع صوتا[3] وفی رواية اخرٰی عنه رضی الله تعالٰی عنه حتی انه ياتی احدكم وهو فی الصلٰوة فينفخ فی دبره ويبل احليله ثم يقول قد احدثت فلا ينصرفن احدكم حتی يجد ريحا ويسمع صوتا ويجد بللا[4] ولعبد الرزاق وابن ابی شيبة فی مصنفيهما وابن ابی داؤد فی كتاب الوسوسة

تو نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سنے یا بُو پائے۔ اور اسے طبرانی نے ان سے مختصراً ان الفاظ میں روایت کیا ہے جسے نماز کے اندر ایسا خیال ہو کہ اسے حدث ہوا تو ہرگز وہ نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سُنے یا بُو پائے ۔۔۔ اور عبدالرزاق و ابن ابی الدنیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ سے راوی ہیں، انھوں نے فرمایا، شیطان تم میں کسی کے گرد اس کی نماز توڑنے کے لئے گھیرا ڈال دیتا ہے، جب اس سے عاجز ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی نماز سے پھرے تو اس کے پیچھے پھُونک دیتا ہے تاکہ اسے یہ خیال ہو کہ اسے حدث ہوگیا۔ ایسا ہو تو ہرگز کوئی نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ بُو پائے یا آواز سُنے ۔۔۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ہی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ وہ نماز میں کسی کے پاس آکر اس کے پیچھے پھونک دیتا ہے اور اس کے احلیل (ذکر کی نالی) کو تر کردیتا ہے پھر کہتا ہے تو بے وضو ہوگیا۔ تو ہرگز کوئی نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ بُو پائے اور آواز سُنے اور تری پائے۔ اور عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ اپنی اپنی مصنّف میں، اور ابن ابی داؤد کتاب الوسوسہ میں حضرت

---

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب الطہارۃ باب ما ینقض الوضوء حدیث ۲۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۱۴۶

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۹۴۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۳۴۱

[3] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۵۳۶ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۱

[4] آکام المرجان بحوالہ عبداللہ بن مسعود باب ۱۲۰ مکتبہ خیر کثیر کراچی ص ۹۲

عن ابرهیم النخعی قال کان یقال ان الشیطان یجری فی الاحلیل و فی الدبر[ع] فیری الرجل انه قد احدث فلا ینصرف احدکم حتی یسمع صوتا او یجد ریحا او یری بللا[1]۔

ابراہیم نخعی سے راوی ہیں انھوں نے فرمایا: کہا جاتا تھا کہ شیطان احلیل میں اور دُبر میں دوڑ جاتا ہے۔ آدمی کو یہ خیال دلاتا ہے کہ اسے حدث ہوگیا تو ہرگز کوئی نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سنے یا بُو پائے یا تری دیکھے۔

قلت ذکر ھذین الاثرین الامام جلیل الجلال السیوطی فی لقط المرجان مقتصرا علیھما ھو، و صاحبه البدر فی اصله اٰکام المرجان مع ثبوته فی المرفوع کما علمت وقال عامر الشعبی من اجلاء علماء التابعین ان الشیطان بزقة یعنی بلة طرف الاحلیل ذکره العارف فی الحدیقة الندیة[2]۔

قلت یہ دونوں اثر (اثر ابن مسعود و اثر امام نخعی) امام جلال الدین سیوطی نے "لقط المرجان" میں ذکر کئے اور انھوں نے انھی دونوں پر اکتفا کی اسی طرح اس کی اصل آکام المرجان میں قاضی بدرالدین شبلی نے بھی ان ہی دونوں پر اکتفا کی ہے حالانکہ یہ مضمون مرفوع میں موجود ہے جیسا کہ معلوم ہوا ــــ اور اجلّہ علمائے تابعین میں سے امام عامر شعبی فرماتے ہیں: شیطان کبھی تھوک دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ سرِ احلیل تر کردیتا ہے۔ اسے عارف باللہ عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں ذکر کیا۔ (ت)

ع فی نسختی لقط المرجان بین الواؤ فی لفظة لم یقمھا الکاتب وھو ینفخ فی الدبر او نحوہ اھ منه۔

ع لقط المرجان کے میرے نسخہ میں واوٗ اور فی کے درمیان ایک لفظ ہے جو کاتب نے صاف نہ لکھا وہ ینفخ فی الدبر یا اس کے ہم معنی کچھ ہوگا اھ منہ (ت)

---

[1] المصنف لعبد الرزاق باب الرجل یشتبه علیه فی الصلوٰۃ احدث الخ حدیث ۵۳۸ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۲

[2] الحدیقة الندیة الباب الثالث النوع الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۸۸

ف۱
ان حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نماز میں دھوکا دینے کے لئے کبھی انسان کی شرمگاہ پر آگے سے تھوک دیتا ہے کہ اُسے قطرہ آنے کا گمان ہوتا ہے کبھی پیچھے پھونکتا یا بال کھینچتا ہے کہ ریح خارج ہونے کا خیال گزرتا ہے اس پر حکم ہوا کہ نماز سے نہ پھرو جب تک تری یا آواز یا بُو نہ پاؤ یعنی جب تک وقوعِ حدث پر یقین نہ ہولے۔

ہمارے امام اعظم کے شاگرد جلیل سیدنا عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

اذا شك فى الحدث فانه لا يجب عليه الوضوء حتى يستيقن استيقانا بقدر ان يحلف عليه۔ علقه عنه الترمذى[۱] فى باب الوضوء من الريح۔

یعنی یقین ایسا درکار ہے جس پر قسم کھا سکے کہ ضرور حدث ہوا اور جب قسم کھاتے ہچکچائے تو معلوم ہوا کہ معلوم نہیں مشکوک ہے اور شک کا اعتبار نہیں کہ طہارت پر یقین تھا اور یقین شک سے نہیں جاتا۔ (ترمذی نے باب الوضوء من الریح میں اسے ابن مبارک سے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ ت)

ف۲
اسی لئے سنت ہوا کہ وضو کے بعد ایک چھینٹا رومالی یا تہ بند ہو تو اس کے اندرونی حصے پر جو بدن کے قریب ہے دے لیا کریں ثم لیقل ھو من الماء پھر اگر قطرہ کا شبہہ ہو تو خیال کریں کہ پانی جو چھڑکا تھا اس کا اثر ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا توضأت فانتضح۔ رواه ابن ماجة[۲] عن ابى هريرة رضى الله تعالٰى عنه۔

جب تو وضو کرے تو چھینٹا دے لے (اسے ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔ ت)

ف۱: مسئلہ شیطان کے تھوک اور پھونک سے نماز میں قطرے اور ریح کا شبہہ جاتا ہے حکم ہے کہ جب تک ایسا یقین نہ ہو جس پر قسم کھا سکے اس پر لحاظ نہ کرے شیطان کہے کہ تیرا وضو جاتا رہا تو دل میں جواب دے لے کہ خبیث تُو جھوٹا ہے اور اپنی نماز میں مشغول رہے۔

ف۲: مسئلہ سنت ہے کہ وضو کے بعد رومالی پر چھینٹا دے لے۔

---

[۱] سنن الترمذی ابواب الطہارت حدیث ۷۶ دارالفکر بیروت ۱/۱۳۵

[۲] سنن ابن ماجہ ر باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

بلکہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ والسواک و استنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم و نتف الابط وحلق العانۃ وانتقاص الماء، قال الراوی ونسیت العاشرۃ الا ان تکون المضمضۃ[1]

دس باتیں قدیم سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہیں: لبیں کترنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، وضو وغسل میں پانی سونگھ کر اوپر چڑھانا، ناخن تراشنا، انگلیوں کے جوڑ (یعنی جہاں جہاں میل جمع ہونے کا محل ہے اُسے) دھونا، بغل اور زیرِ ناف بالوں سے صاف کرنا، شرمگاہ پر پانی ڈالنا۔ راوی نے کہا دسویں میں بھول گیا

عـه قال المناوی من للتبعیض ولـذا لم یذکر الختان ھنا اھ اقول کونھا للتبعیض لا شك فیه فان الختان والمضمضة کلا من الفطرة کما یاتی: فالزیادة علی العشر معلومة ولکن ما علل به من عدم ذکر الختان ھنا لا محل له وکانه نسی ان الراوی نسی العاشرة فما یدریك لعلها الختان کما استظھرہ جمع کما سیأتی اھ منه۔

عـه علامہ مناوی نے کہا من الفطرۃ میں من تبعیض کا ہے۔ اسی لئے یہاں ختنہ کا ذکر نہ کیا اھ اقول من برائے تبعیض ہونے میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ ختنہ اور کلی ہر ایک کا شمار فطرت کے تحت ہے جیسا کہ آرہا ہے تو دس سے زیادہ ہونا معلوم ہے لیکن من برائے تبعیض ہونے کی جو علت بیان کی ہے کہ "اسی لئے یہاں ختنہ کا ذکر نہیں" اس کا کوئی موقع نہیں، شاید وہ یہ بھول گئے کہ راوی دسویں چیز بھول گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ ختنہ ہی ہو جیسا کہ ایک جماعت نے اسے ظاہر کہا ہے جیسا کہ اگلے حاشیہ میں آرہا ہے ۱۲ منہ (ت)

ف: دس باتیں قدیم سے سنتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث عشر من الفطرۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۱۳۲

رواہ احمد ومسلم والاربعۃ عنہ[1] شاید کلی ہو۔ امام احمد، مسلم اور اصحابِ سُنن اربعہ نے

[1] امام قاضی عیاض پھر امام نووی نے استظہار فرمایا کہ غالباً دسویں ختنہ ہو کر دوسری حدیث میں ختنہ بھی خصالِ فطرت سے شمار فرمایا ہے[2] انتہی، یعنی حدیث احمد و شیخین ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے:

خمس من الفطرۃ الختان والاستحداد وقص الشارب وتقلیم الاظافر ونتف الابط[3]

پانچ چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ قدیمہ سے ہیں: ختنہ اور اُسترا لینا اور لبیں اور ناخن ترشوانا اور بغل کے بال دور کرنا۔

اقول ایک حدیث میں کُلی کو بھی خصالِ فطرت سے گنا ہے۔ امام احمد و ابوبکر بن ابی شیبہ وابوداؤد وابن ماجہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من الفطرۃ المضمضۃ والاستنشاق (الی قولہ) والانتضاح بالماء والاختتان[4]

فطرت سے ہے کُلی اور ناک میں پانی ڈالنا (الی قولہ) شرم گاہ پر چھینٹا اور ختنہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۹
سنن ابی داؤد " باب السواک من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸
سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب الفطرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵
مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/۱۳۷
سنن الترمذی کتاب الادب حدیث ۲۷۶۶ دار الفکر بیروت ۴/۳۴۸
سنن النسائی کتاب الزینۃ باب من السنن الفطرۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۲۷۳ و ۲۷۴

[2] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۹

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۷۵
صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ " " ۱/۱۲۸ و ۱۲۹
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۲۹ و ۲۳۹ و ۲۸۳

[4] مسند احمد بن حنبل عن عمار بن یاسر " " ۴/۲۶۴
سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب الفطرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶

ام المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ (ت)

شرمگاہ پر پانی ڈالنے کی علمائے نے دو تفسیریں کیں: ایک استنجا رواہ مسلم[1] عن وکیع۔ دوسرے وہی چھینٹا۔ اور اس کے مؤید ہے کہ ایک روایت میں بجائے انتقاص الماء[ع] لفظ والانتضاح آیا ہے، جمہور علما نے فرمایا: انتضاح وہی چھینٹا ہے ذکرہ الامام النووی[2]۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ چھینٹا خاص اہلِ وسوسہ ہی کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے سنّت ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے وسوسہ کو کیا علاقہ،

ان عبادی لیس لك علیهم سلطٰن[3]

بے شک میرے بندوں پر تیرا غلبہ اور تسلط نہیں ہوسکتا۔ (ت)

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ حکم بن سفیٰن یا سفیٰن بن حکم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال،

کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا بال توضأ و نضح فرجه[4]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب پیشاب فرماتے تو وضو فرماتے اور شرمگاہِ اقدس پر چھینٹا دیتے۔

ابن ماجہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

توضأ رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فنضح فرجه[5]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو فرماکر سترِ مبارک پر چھینٹا دیا۔

ع یہ وہی روایتِ عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ ابھی ہم نے ذکر کی ۱۲ منہ۔

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۹

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم " " " " " " " "

[3] القرآن الکریم ۱۵/۴۲

[4] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الانتضاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۲

سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی النضح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب النضح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۳۳

[5] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

احمد وابن ماجہ و دارقطنی وحاکم وحارث بن ابی اسامہ حضرت محبوب ابن المحبوب سیدنا و ابن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے والد ماجد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتانی جبریل فی اول ما اوحی الی فعلمنی الوضوء والصلٰوۃ فلما فرغ الوضوء اخذ غرفۃ من الماء فنضح بھا فرجہ[1]

یعنی اوّل اوّل جو مجھ پر وحی اُتری ہے جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حاضر ہو کر مجھے وضو ونماز کی تعلیم دی، جبریل نے وضو خود کرکے دکھایا، جب وضو کر چکے ایک چُلّو پانی لے کر اپنی اُس صورتِ مثالیہ کے موضع شرمگاہ پر چھڑک دیا۔

ولفظ ق:

علمنی جبرئیل الوضوء وامرنی ان انضح تحت ثوبی لما یخرج من البول بعد الوضوء[2]

جبریل علیہ السلام نے مجھے وضو کی تعلیم دی اور مجھے حکم دیا کہ زیر جامہ پانی چھڑکوں اس خدشہ کو ختم کرنے کے لئے کہ وضو کے بعد کوئی قطرہ نکلا ہو۔ (ت)

ترمذی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ع وعزاہ الامام الجلیل الجلال فی جامعیہ الی ابن ماجۃ ایضا **اقول** لیس عندہ جاء فی جبریل فقال یا محمد انما عندہ ما قدمت ای عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأت فانتضح[3] منہ۔

ع امام جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر وجامع کبیر میں اس حدیث کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ **اقول** ابن ماجہ کے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ نہیں بلکہ وہ ہے جس کا ذکر میں نے ابی ہریرہ سے کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اذا توضأت فانتضح اھ منہ (ت)

ف تطفل علی الامام الجلیل الجلال الدین السیوطی۔

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ حم، قط، ک حدیث ۸۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲
جامع الاحادیث " " " " ۲۲۹ دار الفکر بیروت ۱/ ۵۵
سنن الدارقطنی کتاب الطہارۃ حدیث ۳۸۳/ ۱ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷۷ و ۲۷۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ما جاء فی النضح بعد الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

[3] " " " " " " " " " " "

جاءنی جبریل فقال یا محمد اذا توضأت فانتضح[1]۔
جبریل نے حاضر ہوکر مجھ سے عرض کی یارسول اللہ! جب حضور وضو فرمائیں چھینٹا دے لیا کریں۔

جبریل کا اپنی صورت مثالیہ کے ستر پر چھڑکنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور طریقہ وضو عرض کرنے کے لئے تھا اور حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل تعلیم امت کے لئے۔

مرقاۃ میں ہے:

نضح فرجہ ای ورش ازارہ بقلیل من الماء اوسراویلہ به لدفع الوسوسۃ تعلیما للامۃ[2]۔
"ستر مبارک پر چھینٹا دیا" یعنی تہبند یا پاجامے پر بھی امت کو دفع وسوسہ کی تعلیم دینے کے لئے تھوڑا پانی چھڑک دیا۔ (ت)

معہذا اس میں اقویا کے لئے جن کو برودت مثانہ کا عارضہ نہ ہو، ایک نفع اور بھی ہے کہ شرمگاہ پر سرد پانی پڑنے سے اس میں تکاثف واستمساک پیدا ہوکر قطرہ موقوف ہوجاتا ہے کما ارشد الیہ حدیث زید رضی اللہ تعالٰی عنہ عند ق۔

ع سیدنا امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اذا وجدت شیأ من البلۃ فانضحہ مایلیہ من ثوبك بالماء ثم قل ھو من الماء قال حماد قال لی سعید بن جبیر انضحہ بالماء ثم اذا وجدتہ فقل ھو من الماء قال محمد وبھذا ناخذ اذا کان کثر ذلك من الانسان وھو قول ابی حنیفۃ[3]۔
یعنی سیدنا امام اعظم حماد بن سلیمان سے وہ سعید بن جبیر سے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا تری پاؤ تو شرمگاہ اور وہاں کے کپڑے پر چھینٹا دے لیا کرو، پھر شبہہ گزرے تو خیال کرو کہ پانی کا اثر ہے۔ امام حماد نے فرمایا کہ ایسا ہی سعید بن جبیر نے مجھ سے فرمایا امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب آدمی کو شبہہ زیادہ ہوا کرے تو یہی طریقہ برتے اور یہی قول امام اعظم کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ (ت)

---

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء حدیث ۵۰ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۰۸
الجامع الصغیر بحوالہ ت وھ حدیث ۳۵۴ دارالکتب العلمیہ " ۲/ ۲۱۸
[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ " ۳۶۱ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۷۷
[3] کتاب [illegible] حدیث ۸۵ [illegible]

اقول مگر یہاں **اوّلاً** یہ ملحوظ رہے کہ مقصود نفی وسوسہ ہے نہ ابطال حقیقت، تو جسے قطرہ اترنے کا یقین ہو جائے وہ پانی پر حوالہ نہیں کر سکتا، یونہی جسے معاذ اللہ سلس البول کا عارضہ ہو اُسے یہ چھینٹا مفید نہیں بلکہ بسا اوقات مضر ہے کہ پانی کی تری سے نجاست بڑھ جائے گی۔

ثانیاً سفید کپڑا پانی پڑنے سے بدن سے چمٹ کر بے حجابی لاتا ہے اس کا خیال فرض ہے۔

ثالثاً یہ حیلہ اس وقت تک نافع ہے کہ چھڑکا ہوا پانی خشک نہ ہو گیا ہو ورنہ اس پر حوالہ نہ کرسکیں گے۔

وجیز امام کردری میں ہے:

رأی البلة بعد الوضوء سائلا من ذکرہ یعید الوضوء وان کان یعرض کثیرا ولا یعلم انہ بول او ماء لایلتفت الیہ وینضح فرجہ او ازارہ بالماء قطعا للوسوسة واذا بعد عہدہ عن الوضوء او علم انہ بول لاتنفعہ الحیلة۔[1]

وضو کے بعد ذکر سے تری بہتی دیکھی تو وضو کا اعادہ کرے اور اگر ایسا بہت پیش آتا ہو اور وہ نہ جانتا ہو کہ پیشاب ہے یا پانی، تو اس کی طرف التفات نہ کرے اور اپنی شرمگاہ یا تہبند پر قطع وسوسہ کے لئے پانی چھڑک دیا کرے۔ اور جب وضو کئے دیر گزر چکی ہو اور اسے معلوم ہو کہ پیشاب ہے تو حیلہ اس کے لئے کار آمد نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

ولفظھما وینبغی ان ینضح فرجہ وازارہ[عـہ] الخ۔

ان کے الفاظ یہ ہیں، اپنی شرمگاہ اور تہبند پر پانی چھڑک لینا چاہئے۔ (ت)

فائدہ: ہم نے زیر امر سوم آٹھ[۲] پانی گنائے تھے جو آبِ وضو کے شمار سے جدا ہیں یہ ان کا نواں[۹] ہوا۔ اُن دیار میں رواج ایسے لوٹوں کا ہے جن میں جانبِ پشت بغرض گرفت دستے لگے ہوتے ہیں یہاں بھی ایسے لوٹے دیکھے مگر کم۔ علما فرماتے ہیں[ف۳] ادب یہ ہے کہ پانی ڈالتے میں لوٹے کے منہ پر

ف۱: **مسئلہ** اس چھینٹے میں چند امر ملحوظ ہیں۔

ف۲: **مسئلہ** علاوہ اُن آٹھ پانیوں کے دو پانی اور جو حساب آب وضو سے جدا ہیں۔

ف۳: **مسئلہ** دستہ دار لوٹا ہو تو مستحب یہ ہے کہ پانی ڈالتے وقت اس کا دستہ تھامے اُس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھے۔

عـہ: ای بالواؤ دون او اھ منہ (یعنی دونوں پر، یہ واو کے ساتھ ہے اَو (یا) کے ساتھ نہیں ۱۲ منہ۔ ت)

---

[1] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

ہاتھ نہ رکھے بلکہ دستہ پر۔ اور جب بھیگے ہاتھ سے دستہ چھوا جائے گا تو مستحب[ف۱] ہوا کہ وضو سے پہلے اسے تین بار دھولے، یہ دسواں[۱۰] پانی ہوا، تلك عشرة كاملة۔

فتح القدیر و بحر الرائق و رد المحتار آداب وضو میں ہے:

كون[ف۲] اٰنيته من خزف وان يغسل عروة الابريق ثلثا ووضع يده حالة الغسل على عروته لا راسه[۱]	مستحب یہ ہے کہ وضو کا برتن مٹی کا ہو، اور لوٹے کا دستہ تین بار دھولے، اور دھوتے وقت ہاتھ دستے پر رکھے لوٹے کے منہ پر نہیں۔(ت)

(۳) اگر شیطان[ف۳] حیلہ سے بھی نہ مانے اور وسوسہ ڈالے ہی جائے کہ تیرے وضو میں غلطی رہی یا تیری نماز ٹھیک نہ ہوئی تو سیدھا جواب یہ ہے کہ خبیث تو جھوٹا ہے۔ ابن حبان و حاکم ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جاء احدكم الشيطان فقال انك احدثت فليقل انك كذبت و لابن حبان فليقل فى نفسه[۲]	جب تم میں کسی کے پاس شیطان آکر وسوسہ ڈالے کہ تیرا وضو جاتا رہا تو فوراً اُسے جواب دے کہ تو جھوٹا ہے (اور اگر مثلاً نماز میں ہے تو) دل میں یہی کہہ لے، مطلب وہی ہے کہ وسوسہ کی طرف التفات نہ کرے۔

اقول حالتیں تین[۳] ہوتی ہیں:

ف۱: مسئلہ مستحب ہے کہ وضو سے پہلے لوٹے کا دستہ تین بار دھولے۔

ف۲: مسئلہ مستحب ہے کہ وضو مٹی کے برتن سے کرے۔

ف۳: رَدِّ وسوسہ کا تیسرا علاج

---

[۱] رد المحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی تتمیم المندوبات دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۴

فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲

البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸

[۲] المستدرک للحاکم 〃 دار الفکر بیروت ۱/۱۳۴

موارد الظمآن 〃 حدیث ۱۸۷ المطبعۃ السلفیۃ ص ۷۳

ایک تو یہ کہ عدو کا وسوسہ مان لیا اس پر عمل کیا یہ تو اس ملعون کی عین مراد ہے اور جب یہ ماننے لگا تو وہ کیا ایک ہی بار وسوسہ ڈال کر تھک رہے گا، حاشا وہ ملعون آٹھ پہر اسی کی تاک میں ہے جتنا جتنا یہ مانتا جائے گا وہ اس کا سلسلہ بڑھاتا رہے گا، یہاں تک کہ نتیجہ وہی ہوگا کہ دو دو پہر کامل دریا میں غوطے لگائے اور سر نہ دھلا۔

دوسرے یہ کہ مانے تو نہیں مگر اس کے ساتھ نزاع و بحث میں مصروف ہو جائے یہ بھی اس کے مقصد ناپاک کا حصول ہے کہ اس کی غرض تو یہی تھی کہ یہ اپنی عبادت سے غافل ہو کر کسی دوسرے جھگڑے میں پڑ جائے اور پھر اس حیص بیص میں ممکن ہے کہ وہی خبیث غالب آئے اور صورت ثانیہ صورت اولٰی کی طرف عود کر جائے والعیاذ باللہ تعالٰی۔

لہٰذا نجات اس تیسری صورت میں ہے جو ہمارے نبی کریم حکیم علیم رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے تعلیم فرمائی کہ فوراً اتنا کہہ کر الگ ہو جائے کہ تو جھوٹا ہے۔

اقول یعنی یہ نہیں کہ صرف اس معنے کا تصور کر لیا کہ یہ کافی نہ ہوگا بلکہ دل میں جمالے کہ ملعون جھوٹا ہے پھر اس کی طرف التفات اور اس سے بحث و بُردوبات کی کیا حاجت، شاید اسی لئے لفظ فی نفسہ زیادہ فرمایا۔

تنبیہ ضروری سخت ضروری اشد ضروری: اقول ہمارے حضور پُرنور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جوامع الکلم عطا فرمائے گئے مختصر لفظ فرمائیں اور معانی کثیرہ پر مشتمل ہوں۔ شیطان دو قسم ہیں:

۱ شیاطین الجن کہ ابلیس لعین اور اس کی اولاد ملاعین ہیں اعاذنا اللہ والمسلمین من شرھم وشر الشیٰطین اجمعین (اللہ تعالٰی ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ان کے شر اور تمام شیاطین کے شر سے پناہ دے۔ ت)۔

۲ دوسرے شیاطین الانس کہ کفار و مبتدعین کے داعی و منادی ہیں۔

لعنھم اللہ وخذلھم ابدا و نصرنا علیھم نصرا مؤبدا	خدا ان پر لعنت فرمائے اور ان کو ہمیشہ بے سہارا رکھے اور ان پر ہمیں دائمی نصرت عطا فرمائے۔

ف: **تنبیہ ضروری سخت ضروری**: آریوں، پادریوں وغیرہم کے لکچر ندائیں سننے کو جانے سے قرآن عظیم سخت ممانعت فرماتا ہے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین، آمین!

الٰہی بطفیل سید المرسلین قبول فرما۔ حضور پر اور تمام رسولوں پر خدائے برتر کا درود و سلام ہو۔ آمین (ت)

ہمارا رب عزوجل فرماتا ہے:

وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضھم الٰی بعض زخرف القول غرورا۔[1]

یونہی ہم نے ہر نبی کا دشمن کیا شیطان آدمیوں اور شیطان جنّوں کو کہ آپس میں ایک دوسرے کے دل میں بناوٹ کی بات ڈالتے ہیں دھوکا دینے کے لئے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگ شیطان آدمیوں اور شیطان جنّوں کے شر سے۔ عرض کی کیا آدمیوں میں بھی شیطان ہیں؟ فرمایا، ہاں۔ رواہ احمد[2] وابن ابی حاتم والطبرانی عن ابی امامۃ واحمد وابن مردویہ والبیہقی فی الشعب عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہما (اس کی روایت احمد نے ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ابی امامہ سے اور احمد نے ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب میں ابوذر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے کی۔ ت)

ائمہ دین فرمایا کرتے کہ شیطان آدمی شیطان جن سے سخت تر ہوتا ہے رواہ ابن جریر عن عبدالرحمٰن بن زید (اس کو ابن جریر نے عبدالرحمٰن بن زید سے روایت کیا۔ ت)۔

اقول آیہ کریمہ میں شیاطین الانس کی تقدیم بھی اسی طرف مشیر، اس حدیث کریم نے کہ جب شیطان وسوسہ ڈالے اتنا کہہ کر الگ ہوجاؤ کہ "تو جھوٹا ہے"۔ دونوں قسم کے شیطانوں کا علاج فرمادیا، شیطان آدمی ہو خواہ جن اس کا قابو اسی وقت چلتا ہے جب اس کی سُنئے اور تنکا توڑ کر ہاتھ پر دھر دیجئے کہ "تو جھوٹا ہے" تو خبیث اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔

آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آریہ نے اشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رَد میں فلاں وقت لکچر دیا جائے گا یہ سننے کے لئے دوڑے جاتے ہیں، کسی پادری

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۷۸ و ۲۶۵

الدر المنثور بحوالہ احمد وابن ابی حاتم وغیرھا تحت الآیۃ ۶/ ۱۱۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۷ و ۳۰۸

نے اعلان کیا کہ نصرانیت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی یہ سننے کے لئے دوڑے جاتے ہیں۔

بھائیو! تم اپنے نفع و نقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمہارا رب عزوجل تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اُن کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمہارے پاس وسوسہ ڈالنے آئے تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ "تو جھوٹا ہے" نہ یہ کہ تم آپ دوڑ دوڑ کے اُن کے پاس جاؤ اور اپنے رب جل وعلا، اپنے قرآن، اپنے نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں کلماتِ ملعونہ سنو۔

اقول یہ آیت جو ابھی تلاوت ہوئی اسی کا تتمہ اور اس کے متصل کی آیات کریمہ تلاوت کرتے جاؤ دیکھو قرآن عظیم تمہاری اس حرکت کی کیسی کیسی شناعتیں بتاتا اور اُن ناپاک لکچروں، نداؤں کی نسبت تمھیں کیا کیا ہدایت فرماتا ہے، کریمہ مذکورہ کے تتمہ میں ارشاد ہوتا ہے:

ولوشاء ربك ما فعلوه فذرهم وما يفترون[1]

اور تیرا رب چاہتا تو وہ یہ دھوکے بناوٹ کی باتیں نہ بناتے پھرتے، تو تو انھیں اور ان کے بہتانوں کو یک لخت چھوڑ دے۔

دیکھو اُنھیں اور اُن کی باتوں کو چھوڑنے کا حکم فرمایا یا اُن کے پاس سننے کے لئے دوڑنے کا۔ اور سنئے اس کے بعد کی آیت میں فرماتا ہے:

ولتصغی الیه افئدة الذین لا یؤمنون بالاخرة ولیرضوه ولیقترفوا ماهم مقترفون[2]

اور اس لئے کہ اُن کے دل اُس کی طرف کان لگائیں جنھیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور جو کچھ ناپاکیاں وہ کر رہے ہیں یہ بھی کرنے لگیں۔

دیکھو اُن کی باتوں کی طرف کان لگانا اُن کا کام بتایا جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اُس کا نتیجہ یہ فرمایا کہ وہ ملعون باتیں ان پر اثر کر جائیں اور یہ بھی اُن جیسے ہو جائیں والعیاذ باللہ تعالٰی۔ لوگ اپنی جہالت سے گمان کرتے ہیں کہ ہم اپنے دل سے مسلمان ہیں ہم پر ان کا کیا اثر ہوگا حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۲

[2] " " ۶/ ۱۱۳

من سمع بالدجال فلينأ منه فو الله ان الرجل لياتيه وهو يحسب انه مؤمن فيتبعه مما يبعث به من الشبهات۔ رواہ ابوداؤد[1] عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا۔

جو دجال کی خبر سُنے اُس پر واجب ہے کہ اُس سے دُور بھاگے کہ خدا کی قسم آدمی اس کے پاس جائیگا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں یعنی مجھے اُس سے کیا نقصان پہنچے گا وہاں اُس کے دھوکوں میں پڑکر اس کا پیرو ہوجائے گا (اسے ابوداؤد نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور تمام صحابہ سے روایت کیا۔ ت)

کیا دجال ایک اُسی دجال اخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے، حاشا تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دُور بھاگنے ہی کا حکم فرمایا اور اُس میں یہی اندیشہ بتایا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یکون فی اٰخر الزمان دجّالون کذّابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اٰباءکم فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔ مسلم[2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

آخر زمانے میں دجال کذّاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمھارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمھارے باپ دادا نے، تو اُن سے دُور رہو اور انھیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں کہیں تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں (اسے مسلم نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)۔

اور سُنئے اس کے بعد کی آیات میں فرماتا ہے:

افغیر اللہ ابتغی حکما وھو الذی انزل الیکم الکتٰب مفصلا والذین اٰتینٰھم الکتٰب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین ○ وتمت کلمت ربک صدقا

تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنیوالا ڈھونڈوں حالانکہ اُس نے مفصل کتاب تمھاری طرف اتاری اور اہلِ کتاب خوب جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کے پاس سے حق کے ساتھ اُتری تو خبردار شک نہ کرنا اور تیرے رب کی بات سچ

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۳۷

[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

وعدلا لا مبدل لکلمتہ وھو السمیع العلیم ○ وان تطع اکثر فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون ○ ان ربک ھو اعلم من یضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین؎۱

اور انصاف میں کامل ہے کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہ شنوا و دانا ہے اور زمین والوں میں زیادہ وہ ہیں کہ تو ان کی پیروی کرے تو وُہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں وہ تو گمان کے پیرو ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں بیشک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بہکے گا اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

یہ تمام آیاتِ کریمہ انھیں مطالب کے سلسلۂ بیان میں ہیں گویا ارشاد ہوتا ہے تم جو اُن شیطان آدمیوں کی باتیں سُننے جاؤ کیا تمھیں یہ تلاش ہے کہ دیکھیں اس مذہبی اختلاف میں یہ پکڑا ریا منادی کیا فیصلہ کرتا ہے، ارے خدا سے بہتر فیصلہ کس کا، اس نے مفصل کتاب قرآن عظیم تمھیں عطا فرما دی اُس کے بعد تم کو کسی پکڑ نڈا کی کیا حاجت ہے پکڑ والے جو کسی کتاب دینی کا نام نہیں لیتے کس گنتی شمار میں ہیں یہ کتاب والے دل میں خوب جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہے کہ ہٹ دھرمی سے مکرے جاتے ہیں تو تجھے کیوں شک پیدا ہو کہ اُن کی سُننا چاہے تیرے رب کا کلام صدق و عدل میں بھرپور ہے کل تک جو اس پر تجھے کامل یقین تھا آج کیا اس میں فرق آیا کہ اس پر اعتراض سننا چاہتا ہے کیا خدا کی باتیں کوئی بدل سکتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میرا کوئی مقال کوئی خیال خدا سے چھُپ رہے گا وہ سنتا جانتا ہے۔ دیکھ اگر تُو نے اُن کی سُنی تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں گے کیا یہ خیال کرتا ہے کہ ان کا علم دیکھوں کہاں تک ہے، یہ کیا کہتے ہیں۔ ارے ان کے پاس علم کہاں وہ تو اپنے اوہام کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں جن کا تھل نہ بیڑا، جب اللہ واحد قہار کی گواہی ہے کہ ان کے پاس نری مہمل اٹکلوں کے سوا کچھ نہیں تو اُن کو سننے کے کیا معنے، سننے سے پہلے وہی کہہ دے جو تیرے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا کہ "کذبت شیطان تو جھوٹا ہے، اور اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ مجھ کو کیا گمراہ کریں گے میں تو راہ پر ہوں تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکے گا اور کون راہ پر ہے تو پورا راہ پر ہوتا تو بے راہوں کی سننے ہی کیوں جاتا حالاں کہ تیرا رب فرما چکا ذرھم وما یفترون؎۲ چھوڑ دے اُنھیں اور ان کے بہتانوں کو تیرے

؎۱ القرآن الکریم ۶/۱۱۴ تا ۱۱۷

؎۲ القرآن الکریم ۶/۱۱۲

نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرما چکے، ایاکم و ایاھم[1] اُن سے دُور رہو اور اُن کو اپنے سے دور کرو کہیں وہ کو بہکا نہ دیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

بھائیو! ایک سہل سی بات ہے اسے غور فرمالو، تم اپنے ربّ[1] اپنے قرآن اپنے نبی پر سچا ایمان رکھتے ہو یا معاذ اللہ کچھ شک ہے، جسے شک ہو اسے اسلام سے کیا علاقہ، وہ ناحق اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو کیوں بدنام کرے۔ اور اگر سچا ایمان ہے تو اب یہ فرمایئے کہ ان کے لکچروں نداؤں میں آپ کے ربّ[2] و قرآن و نبی و ایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت۔ ظاہر ہے کہ دوسری ہی صورت ہوگی اور اسی لئے تم کو بلاتے ہیں کہ تمہارے منہ پر خدا[3] و نبی و قرآن و دین کی توہین و تکذیب کریں۔

اب ذرا غور کرلیجئے ایک شریر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی لِلّٰہ انصاف، کیا کوئی غیرت والا، حمیت والا، انسانیت والا جبکہ اسے اس بیان سے روک دینے باز رکھنے پر قادر نہ ہو اُسے سُننے جائے گا، حاشا للہ کسی بھنگی چمار سے بھی یہ نہ ہوسکے گا پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ دیکھو کہ اللہ[4] و رسول و قرآن عظیم کی توہین تکذیب مذمت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی۔ ایمان رکھتے ہو تو اسے اس سے کچھ نسبت نہ جانو گے۔ پھر کون سے کلیجے سے اُن جگر شگاف ناپاک ملعون بہتانوں افتراؤں شیطانی اٹکلوں ڈھکوسلوں کو سننے جاتے ہو بلکہ حقیقۃً انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ[5] و رسول و قرآن عظیم کی تحقیر کرتے ہیں اس سب کے باعث یہ سننے والے ہیں اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں اپنے ربّ[6] و قرآن و رسول کی عزت عظمت پیش نظر رکھیں اور ایکا کرلیں کہ وہ خبیث لکچر گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا جو وہاں موجود ہو وہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر کہ تو جھوٹا ہے چلا جائے گا تو کیا وہ دیواروں پتھروں سے اپنا سر پھوڑیں گے تو تم سُن سُن کر کھلواتے ہو نہ تم سُنو نہ وہ کہیں، پھر انصاف

---

[1] جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ
[2] جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ
[3] جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ
[4] جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ
[5] جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ
[6] جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

ف: اللہ و رسول و قرآن عظیم کی جتنی توہین آریہ و پادری اپنے لکچروں میں کرتے ہیں اس سب کا وبال شرعاً اُن پر ہے جو سننے جاتے اور ایسے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

کیجئے کہ اس کہنے کا وبال کس پر ہوا۔ علما فرماتے ہیں ہٹے کٹے جوان تندرست جو بھیک مانگنے کے عادی ہوتے اور اسی کو اپنا پیشہ کر لیتے ہیں انھیں دینا ناجائز ہے کہ اس میں گناہ پر شہ دینی ہے لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور محنت مزدوری کریں۔ بھائیو! جب اس میں گناہ کی امداد ہے تو اس میں تو کفر کی مدد ہے' والعیاذ باللہ تعالیٰ، قرآن عظیم کے نص قطعی نے ایسی جگہ سے فوراً ہٹ جانا فرض کر دیا اور وہاں ٹھہرنا فقط حرام ہی نہ فرمایا بلکہ سنو تو کیا ارشاد کیا۔ رب عزوجل فرماتا ہے،

وقد نزل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم اٰیٰت اللّٰہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہٖ انکم اذا مثلھم ان اللّٰہ جامع المنٰفقین والکٰفرین فی جھنم جمیعًا۔[1]

یعنی بے شک اللہ تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب تم سنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہوتا اور ان کی ہنسی کی جاتی ہے تو ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ اور باتوں میں مشغول نہ ہوں اور تم نے نہ مانا اور جس وقت وہ آیات اللہ پر اعتراض کر رہے ہیں وہاں بیٹھے تو جب تو تم بھی انھیں جیسے ہو بیشک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

آہ آہ حرام تو ہر گناہ ہے یہاں تو اللہ واحد قہار یہ فرمارہا ہے کہ وہاں ٹھہرے تو تم بھی انھیں جیسے ہو۔ مسلمانو! کیا قرآن عظیم کی یہ آیات تم نے منسوخ کر دیں یا اللہ عزوجل کی اس سخت وعید کو سچا نہ سمجھے یا کافروں جیسا ہونا قبول کر لیا۔ اور جب کچھ نہیں تو ان جگھٹوں کے کیا معنے ہیں جو آریوں پادریوں کے لکچروں نداؤں پر ہوتے ہیں اُن جلسوں میں شرکت کیوں ہے جو خدا اور رسول[عہ] و قرآن پر اعتراضوں کے لئے جاتے ہیں۔ بھائیو! میں نہیں کہتا قرآن فرماتا ہے: انکم اذا مثلھم[2] (تم بھی انھیں جیسے ہو۔ت) اُن لکچروں پر جگھٹ والے اُن جلسوں میں شرکت والے سب انھیں کافروں کے مثل ہیں وہ علانیہ بک کر

عہ جل وعلا وصلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ۱۲ منہ

ف: دیکھو قرآن فرماتا ہے ہاں تمہارا رب رحمان فرماتا ہے جو ایسے جلسوں میں جائے ایسی جگہ کھڑا ہو وہ بھی انھیں کافروں آریوں پادریوں کی مثل ہے۔

---

[1] و[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

کافر ہوئے یہ زبان سے کلمہ پڑھیں اور دل میں خدا[عہ۱] و رسول و قرآن کی اتنی عزت نہیں کہ جہاں ان کی توہین ہوتی ہو وہاں سے بچیں تو یہ منافق ہوئے جب تو فرمایا کہ اللہ انھیں اور انھیں سب کو جہنم میں اکٹھے کرے گا کہ اب یہاں تم تنجرد و اور تم سنو ذق انك انت العزیز الکریم[۱] (کھولتے پانی کا عذاب چکھ، ہاں ہاں تُو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے ۔ت) الٰہی! اسلامی کلمہ پڑھنے والوں کی آنکھیں کھول، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، مسلمان اگر قرآن عظیم کی اس نصیحت پر عمل کریں تو ابھی دیکھیں کہ اعداء اللہ کے سب بازار ٹھنڈے ہوئے جاتے ہیں، ملک میں ان کے شور و شر کا نشان نہ رہے گا، جہنم کے کُندے شیطان کے بندے آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر سر پھوڑیں گے، اللہ[عہ۲] و رسول و قرآن عظیم کی توہینوں سے مسلمانوں کا کلیجا پکانا چھوڑیں گے، اور اپنے گھر بیٹھ کر بکے بھی تو مسلمانوں کے کان تو ٹھنڈے رہیں گے۔ اے رب میرے! توفیق دے وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

خیر، بات دُور پہنچی اور بحمد اللہ تعالٰی بہت نافع و ضروری تھی، کہنا یہ تھا کہ وسوسۂ شیطان کا تیسرا علاج یہ ہے کہ خبیث تو جھوٹا ہے۔

ابو حازم کہ اجلۂ ائمۂ تابعین سے ہیں، اُن کے پاس ایک شخص آکر شاکی ہُوا کہ شیطان مجھے وسوسے میں ڈالتا ہے اور سب سے زیادہ سخت مجھ پر یہ گزرتا ہے کہ آکر کہتا ہے تُو نے اپنی عورت کو طلاق دے دی۔ امام نے فوراً فرمایا کیا تُو نے میرے پاس آکر میرے سامنے اپنی عورت کو طلاق نہ دی۔ وہ گھبرا کر بولا خدا کی قسم میں نے کبھی آپ کے پاس اُسے طلاق نہ دی۔ فرمایا جس طرح میرے آگے قسم کھائی شیطان سے کیوں نہیں قسم کھا کر کہتا کہ وہ تیرا پیچھا چھوڑے۔ اخرجہ ابوبکر بن ابی داؤد فی کتاب الوسوسۃ[۲] (ابوبکر بن ابو داؤد نے اسے کتاب الوسوسہ میں بیان کیا۔ت)۔

(۴) وسوسہ[ف] کا اتباع اپنے حول و قوت پر نظر سے ہوتا ہے، ابلیس خیال ڈالتا ہے کہ تُو نے

عہ۱ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ
عہ۲ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

ف: دفعِ وساوس کے دو آخری علاج۔

---

۱ القرآن الکریم ۴۴/ ۴۹

۲ آکام المرجان بحوالہ ابن ابی داؤد الباب السابع والثمانون مکتبہ خیر کثیر کراچی ص ۱۶۵

یہ عمل کامل نہ کیا اس میں فلاں نقص رہ گیا یہ اُس کی تکمیل کے خیال میں پڑتا ہے حالانکہ جتنا رخصت شرعیہ کے مطابق ہوگیا وہ بھی کامل وکافی ہے اکملیت کے درجات اکملوں کے لائق ہیں دشمن سے کہہ کر اپنی دل سوزی اٹھا رکھے مجھ سے تو اتنا ہی ہوسکتا ہے ناقص ہے تو میں خود ناقص ہوں اپنے لائق میں بجالایا میرا مولیٰ کریم ہے میرے عجز وضعف پر رحم فرماکر اتنا ہی قبول فرمالے گا اُس کی عظمت کے لائق کون بجالاسکتا ہے ؎

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش | عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش | کس نتواند کہ بجا آورد

(بندہ وہی بہتر ہے کہ اپنے قصور کا عذر اللہ تعالٰی کی درگاہ میں کرے ورنہ خدا کی شان کے لائق کوئی شخص پورا نہیں کرسکتا۔ ت)

علامہ محمد زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

قال فی النصائح الوسوسۃ من اٰفات الطہارۃ واصلہا جہل بالسنۃ اوخبال فی العقل ومتبعہا متکبر مدل بنفسہ سیئ الظن بعبادۃ اللہ تعالٰی معتمد علٰی عملہ معجب بہ وبقوتہ وعلاجہا بالتلہی عنہا[1] الخ۔

نصائح میں فرمایا: وسوسہ طہارت کی ایک آفت ہے اور اس کی بنیاد سنّت سے بے خبری یا عقل کی خرابی ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا متکبر، خود رائی، اللہ کی عبادت کے ساتھ سوءِ ظن، اپنے عمل پر اعتماد، اپنی ذات اور اپنی فریفتگی کا شکار ہے اور وسوسہ کا علاج یہ ہے کہ اس سے بے پروا ہوجائے۔ (ت)

مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

در دفع آں خاطر تکلف نمایند ودرپے آں نروند وہم بر رخصت عمل کنند واگر شیطان بسیار مزاحمت دہد وگوید کہ ایں عمل کہ تُو کردی ناقص ونادرست ست وپذیرائے درگاہِ حق نے برغم او بگوید کہ تو بروا ز دست من بریں نمی آید ومولائے من کریم ست

اس خیال کو دفع کرنے میں تکلف نہ کرے اور اس کے پیچھے نہ پڑے اور رخصت پر عمل کرے۔ اگر شیطان بہت مزاحمت کرے اور کہے کہ یہ عمل جو تُو نے کیا وہ ناقص ونادرست ہے اور بارگاہِ حق میں مقبول نہیں، اس کے برخلاف کہے: تو جا، مجھ سے اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع النوع الاول دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۵۲

تعالیٰ ازمن ہمیں قدر پذیرد و فضل و رحمت وی واسع ست[1]

اور میرا مولا کریم ہے، مجھ سے اسی قدر قبول فرما لے گا، اس کا فضل اور اس کی رحمت بہت وسیع ہے۔

(۵) اٰخرالدواء الکی و اٰخرالحیل السیف (آخری دوا داغنا ہے اور آخری حیلہ تلوار۔ ت) یوں بھی نہ گزرے تو کہے فرض کردم کہ میرا وضو نہ ہوا میری نماز نہ سہی مگر مجھے تیرے زعم کے مطابق بے وضو یا ظہر کی تین رکعت پڑھنی گوارا ہے اور اے ملعون! تیری اطاعت قبول نہیں۔ جب یوں دل میں ٹھان لی وسوسہ کی جڑ کٹ جائے گی اور ملعون تعالٰی دشمن ذلیل و خوار پسپا ہوگا۔ یہی معنٰی ہیں اُس ارشادِ امامِ اجل مجاہد تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کے کہ فرماتے:

لان اصلی وقد خرج منی شئ احب الی من ان اطیع الشیطان ذکرہ فی الحدیقۃ الندیۃ[2]۔

مجھے بے وضو پڑھ لینی اس سے زیادہ پسند ہے کہ شیطان کی اطاعت کروں۔ (اسے حدیقہ الندیہ میں بیان کیا گیا ہے۔ ت)

امام اجل قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ایک شخص نے شکایت کی کہ نماز میں مجھے بہت سہو ہوتا ہے سخت پریشان ہوتا ہوں۔ فرمایا:

امض فی صلاتک فانہ لن یذھب ذلک عنک حتی تنصرف وانت تقول ما اتممت صلاتی۔ رواہ امام دارالھجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی مؤطاہ[3]۔

اپنی نماز پڑھے جا کہ یہ شبہے دفع نہ ہوں گے جب تک تو یہ نہ کہے کہ ہاں میں نے نماز پوری نہ کی یعنی یونہی سہی مگر میں تیری نہیں سنتا۔ (اسے امام دارالہجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مؤطا میں روایت کیا۔ ت)

مرقاۃ میں ہے:

المعنی لا تذھب عنک تلک الخطرات الشیطانیۃ حتی تفرغ من الصلوۃ

معنی یہ ہے کہ وہ شیطانی خیالات تم سے دُور نہ ہوں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تم نماز سے فارغ

---

[1] شرح سفر السعادۃ باب در طہارت حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۳۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الباب الثالث الفصل الاول النوع الثانی " " " فیصل آباد ۲/ ۶۸۸

[3] مؤطا الامام مالک کتاب السہو العمل فی السہو میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۸۴

وانت تقول للشیطان صدقت ما اتممت صلاتی لکن ما اقبل قولك ولا اتمھا ارغاما لك ونقضا لما اردتہ منی، وھذا اصل عظیم لدفع الوساوس وقمع ھواجس الشیطان فی سائر الطاعات والحاصل ان الخلاص من الشیطان انما ھو بعون الرحمٰن والاعتصام بظواھر الشریعۃ وعدم الالتفات الی الخطرات والوساوس الذمیمۃ، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]

ہوجاؤ اور شیطان سے کہو تُو ٹھیک کہتا ہے میں نے اپنی نماز پوری نہ کی لیکن میں تیری بات نہیں مانتا اور تیری تحقیر کے لئے اور تیرے ارادہ کو شکست دینے کیلئے میں اسے پوری نہ کروں گا۔ یہ وسوسوں کے دفعیہ اور شیطانی خیالات کی بیخ کنی کے لئے تمام طاعات میں بہت عظیم بنیاد ہے۔ حاصل یہ کہ شیطان سے چھٹکارا اسی طرح ملے گا کہ خدا کی مدد ہو اور ظاہر شریعت کو مضبوطی سے تھامے رہے، بُرے خیالات اور وسوسوں کی طرف التفات نہ کرے۔ اور طاقت وقوت نہیں مگر برتری وعظمت والے خدا ہی سے۔ (ت)

الحمدللہ! یہ فتوٰی لاحول شریف پر تمام ہوا، اس سوال کے متعلق کسی کتاب میں چند سطروں سے زائد نہ تھا، خیال تھا کہ دو تین ورق لکھ دیے جائیں گے ولہذا ابتدا میں خطبہ بھی نہ لکھا مگر جب فیض بارگاہ عالم پناہ سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جوش پر آیا فتوٰی ایک مبسوط رسالہ ہوگیا عظیم وجلیل فوائد جزیل پر مشتمل جو اس کے غیر میں نہ ملیں گے والحمدللہ رب العٰلمین، بلکہ متعدد جگہ قلم روک لیا کہ طول زائد ہوتا اُسی کے مضامین سے ایک مستقل رسالہ بسط الیدین جس کا ذکر اوپر گزرا جدا کرلیا، لہذا مناسب کہ اس کا تاریخی نام **بارق النور فی مقادیر ماء الطہور** (نور کی تابش آبِ طہارت کی مقدار میں۔ ت) ہو، اور خطبہ کہ سابقًا نہ ہوا لاحقًا مسطور ہو کہ النھایۃ ھی الرجوع الی البدایۃ (انتہاء ابتداء کی طرف لوٹتی ہے۔ ت) اوّل باٰخر نسبتے دارد (اوّل آخر سے نسبت رکھتا ہے۔ ت)۔

فالحمدللہ الذی انزل من السماء ماء طھورا لیذھب عنا الرجس ویطھرنا بہ تطھیرا ووضع

تو ساری تعریف خدا کے لئے جس نے آسمان سے پاک اور پاک کرنے والا پانی اتارا تاکہ اس سے ہماری پلیدی دُور کرکے ہمیں خوب پاک کردے۔ اور

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب فی الوسوسہ حدیث ۸۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۵۶

الميزان وقدر كل شئ تقديرا كي نختار العدل ويجتنب طرفيه اسرافا و تقتيرا و اطهر الصلوٰة و اطيب السلام على من ارسل بشيرا و نذيرا ، و داعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا فطهرنا بمياه فيضه الهامر الماطر كثيرا غزيرا و اذهب عنا ارجاس الكفر وانجاس الضلال بسحاب فضله المنهل ابدا كل حين و ان هذا كبيرا فصلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا امين !

جس نے ترازو رکھی اور ہر چیز کی ایک مقدار متعین فرمائی تاکہ ہم عدل اختیار کریں اور اس کے دونوں کنارے، زیادتی اور کمی سے بچیں ـــ اور پاک تر درود، پاکیزہ تر سلام اُن پر جو مژدہ دینے والے، ڈرسنانے والے بناکر بھیجے گئے، اور خدا کی طرف سے اس کے اذن سے دعوت دینے والے اور روشن چراغ بناکر مبعوث ہوئے۔ تو انھوں نے ہمیں اپنے فیض کی فراواں، بھرپور، موسلا دھار بارش سے پاک فرمایا اور ہم اپنے فضل کے ہر لمحہ و ہر آن خوب خوب برستے بادل کے ذریعہ ہم سے کفر کی پلیدی، ضلالت کی ناپاکی دُور کردی۔ تو ان پر، ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر خدا کی رحمت و برکت اور اس کا زیادہ سے زیادہ سلام نازل ہو۔ الٰہی قبول فرما۔

هذا ولاجل العجل اذ كان تنميقه وطبع الفتاوى جار والطبع مشغول بشيون اهم عظيمة الاخطار مع هجوم الهموم وجمود الذهن وخمود الافكار بقي خبايا المرام في زوايا الكلام لا سيما اثنان ،

الاول حديث الغرفة وقد علمت ما فيه من الاشكال فلو ارسلت

یہ رسالہ تو پورا ہوا۔ اور چوں کہ عجلت درپیش تھی اس لئے کہ ایک طرف رسالہ لکھا جارہا تھا دوسری طرف طباعت ہوتی جارہی تھی اور طبیعت کچھ عظیم اہم معاملات میں مشغول تھی، ساتھ ہی پریشانیوں کا ہجوم، ذہن کی بستگی، فکر کی فرماندگی بھی دامنگیر رہی اس طرح کلام کے گوشوں میں کچھ باتیں چھپی رہ گئیں ـــ خصوصاً دو باتیں:

اوّل چُلّو سے متعلق حدیث ـــ اس میں جو اشکال ہے معلوم ہو چکا ـــ سنّت یہ ہے

ف: مسئلہ منہ دھونے میں نہ گالوں پر ڈالے نہ ناک پر، نہ زور سے پیشانی پر۔ یہ سب افعال جہال کے ہیں بلکہ باہستگی بالائے پیشانی سے ڈالے کہ ٹھوڑی سے نیچے تک بہتا آئے۔